علمی و تحقیقی سلسلہ

تذکرۃ النّساے نادری

مُصنّف

درگا پرشاد نادر دہلوی

مرتب

رفاقت علی شاہد

LUMS

گرمانی مرکزِ زبان و ادب، لمز، لاہور

باشتراک

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

علمی و تحقیقی سلسلہ ۱

تذکرۃ النّساے نادری

مصنّف

درگا پرشاد نادرؔ دہلوی

مرتّب

رفاقت علی شاہد

گرمانی مرکزِ زبان و ادب، لمز، لاہور

بہ اشتراک

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

891.4399 Dehlvi, Dorga Parshad Nadir
Tazkarat-un-Nisaiy Nadari/ Dorga Parshad Nadir Dehlvi, ed. by Rafaqat Ali Shahid.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2016.
439pp.
1. Classical Literature - Poetry.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2016ء
افضال احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
سے شائع کی۔

گرمانی مرکزِ زبان و ادب، لمز کا علمی و تحقیقی سلسلہ ۱
نگران: یاسمین حمید (ڈائریکٹر گرمانی مرکزِ زبان و ادب)

ISBN-10: 969-35-2874-3
ISBN-13: 978-969-35-2874-9

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax: 92-423-724-5101
http://www.sangemeel.com e-mail: smp@sangemeel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

اِنتساب

خلیل الرحمان داؤدی مرحوم
کے نام

رونق و آبادیِ مُلکِ سخن "تھی" اُس تلک
(میر تقی میرؔ، بہ ادنا تصرّف)

maablib.org

پیش لفظ

زبان ـــــ کسی بھی فرقے، قوم یا ملک کی پہچان اور اُدب اس کے ذہنی و علمی رجحانات اور تاریخ کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ کسی مخصوص زبان کے حامل لوگ کیا سوچتے ہیں، کیا پڑھتے اور لکھتے ہیں، کس تہذیب و تمدّن اور اخلاقیات وفکر کے امین ہیں اور عمل کے کس درجے پر فائز ہیں؛ ان سب اُمور کا اندازہ اُس زبان کے اُدبی سرمایے سے لگایا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ترقّی یافتہ زبانوں کے اُدبی ماہرین اپنے اپنے اُدب کے قدیم متون کو تحقیق و ترتیب اور اشاعت کے ذریعے اپنے اُدب پاروں کو اصل حالت میں محفوظ کرتے ہیں۔ یوں وہ اپنی تہذیبی و علمی شناخت قائم رکھتے ہیں۔ وہ قدیم متون کی تحقیق و ترتیب کر کے اسے نئی نسل اور علمی دنیا کے لیے قابلِ حصول بناتے ہیں اور تحقیق و تشریح و توضیح کے ذریعے ان متون کو جدید زمانوں سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔

بد قسمتی سے اُردو اُدب کے کلاسیکی متون کی تحقیق و ترتیب اور تشریح و توضیح کے معاملے میں اپنے معیار اور مقدار حوالے سے ہم دنیا کی دیگر ترقّی یافتہ اقوام سے بہت پیچھے ہے۔ اُردو نہ صرف ہماری قومی زبان ہے، بل کہ دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی دوسری بڑی زبان ہے۔ یہ دنیا کی ہر دل عزیز، مقبول ترین اور ترقّی یافتہ زبان ہے۔ اس کا اُدبی سرمایہ بھی قابلِ قدر اور قابلِ رشک ہے۔ اُردو زبان کی یہ خصوصیات ہمارے لیے مایۂ افتخار ہیں کہ ہم اُردو والے ہیں اور اُردو ہماری ہے۔ یہ افتخار ہم پر فرض عائد کرتا ہے کہ ہم اپنی زبان کی روایت اور تہذیب، یعنی قدیم سرمایے اور کلاسیکی متون کو تحقیق و ترتیب اور تشریح و توضیح کے واسطے سے نئی نسل اور دنیا تک پہنچائیں۔

اُردو اُدب کے کلاسیکی سرمایے کی حفاظت اور تحقیق کی ضرورت اور اہمیت کا احساس سنگ میل پبلی کیشنز کو شروع سے رہا ہے، چناں چہ ہم نے اُردو کے بیسیوں کلاسیکی متون شائع کر کے اُن تک رسائی آسان بنائی ہے۔ ان میں بعض ضخیم ترین متون بھی شامل ہیں جنھیں شائع کرنے کی ہمت پاکستان میں اور کسی ادارے سے نہ ہو سکی۔ مثال کے طور پر طلسم ہوش ربا (آٹھ ضخیم جلدیں، آٹھ ہزار سے زائد صفحات)، فسانۂ آزاد (چار ضخیم جلدیں، پانچ ہزار کے قریب صفحات)، تاریخ ہندوستان (سات ضخیم جلدیں، دس ہزار سے زائد صفحات)، وغیرہ۔

پیشِ نظر کتاب بھی اسی جذبے کے تحت شائع ہو رہی ہے اور اس اَمر کی نشان دہی کرتی ہے کہ اُردو اُدب کی ترقی و خدمت اور کلاسیکی اُردو اُدب کی حفاظت و تحقیق کو سنگ میل پبلی کیشنز کے علمی منصوبوں میں ترجیح حاصل رہے گی۔ خدا ہماری اس سعی کو مشکور کرے! وما توفیقی اللہ باللہ!

تذکرۃ النسائے نادری

فہرست

۱۔ حرفِ آغاز از مہتمم وناشر ۷

۲۔ مقدمہ از مرتب ۱۱

متنِ تذکرہ

دیباچۂ مصنف ۴۳

۴۔ مقدمۂ مصنف ۵۳

۵۔ گلشنِ ناز ۶۷

۶۔ تکملۂ گلشنِ ناز ۱۰۱

۷۔ ''چمن انداز'' ۱۱۷

۸۔ ''چمن انداز'' کا ضمیمہ ۲۰۹

ملحقاتِ متن

۹۔ ملحقہ(۱) تذکرہ ہذا میں مذکور مشاہیر خواتین اور شاعرات کی شروح فہارس ۲۳۱

۱۰۔ ملحقہ(۲) قطعاتِ تاریخ وتقریظات متضمن سالِ انطباع دفعۂ اوّل [گلشنِ ناز] ۲۴۹

۱۱۔	ملحقہ (۳) قطعاتِ تاریخِ تصنیف وطبع مع تقریظات "چمن انداز"	۲۵۹
۱۲۔	ملحقہ (۴) قطعاتِ تاریخِ تصنیف واشاعت تذکرۃ النسائے نادری	۲۶۷
۱۳۔	ملحقہ (۵) عریضہ بخدمت حکیم رنج میرٹھی، مصنفِ بہارستانِ ناز	۲۷۳
۱۴۔	ملحقہ (۶) رقعۂ راتی مرقعۂ بے مجادلہ [بہ جناب ابوالقاسم محتشم]	۲۸۱
۱۵۔	ملحقہ (۷) تاریخ گوئی کا بیان	۲۹۱
۱۶۔	ملحقہ (۸) گلشنِ ناز اور مرآتِ خیالی کی زائد عبارتیں	۳۰۵
۱۷۔	ملحقہ (۹) حواشیِ مصنف	۳۱۱
۱۸۔	ملحقہ (۱۰) فرہنگ، از مصنف	۳۲۱

ضمائم

۱۹۔	ضمیمہ (۱) مرتب کے حواشی	۳۲۷
۲۰۔	ضمیمہ (۲) اختلافاتِ نسخ	۳۶۳
۲۱۔	ضمیمہ (۳) تشریحاتِ الفاظ، تراکیب، اصطلاحات	۳۹۵
۲۲۔	ضمیمہ (۴) فرہنگ	۴۱۵
۲۳۔	کتابیات	۴۳۱

◆◆◆

حرفِ آغاز

اُردو ادب کے سرمائے میں بے شمار ایسے مخطوطات اور نادر کتابیں موجود ہیں جنھیں تحقیق و تدوین کے بعد شائع کرنے کی اہمیت سے ہم سب واقف ہیں۔ اسی مقصد کے لیے گرمانی مرکزِ زبان و اَدب، لمز نے تحقیقی سلسلے کا آغاز کیا ہے۔ تذکرۃ النساے نادری اِس سلسلے کی پہلی کتاب ہے۔

اٹھارویں اور اُنیسویں صدی میں لکھے گئے بیش تر تذکرے مرد شاعروں کے لیے مخصوص تھے، خواتین شاعروں کا ذکر اُن میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ میر کے نکات الشعرا کے ۱۰۴ شاعروں میں ایک بھی خاتون موجود نہیں۔ اِسی طرح قائم چاند پوری کے مخزنِ نکات کے ۱۲۸ شاعروں میں بھی کسی خاتون کا نام نہیں، حال آں کہ ایسا نہیں ہے کہ اُس وقت خواتین شعر نہیں کہتی تھیں۔ میر تقی میر کی تو اپنی بیٹی بھی شاعر تھیں جن کا ذکر پیشِ نظر کتاب میں اور رنج کی بہارستانِ ناز میں بھی آیا ہے۔ البتہ مصطفیٰ خاں شیفتہ کے تذکرے گلشنِ بے خار کے ۶۷۱ شاعروں میں ۴ خواتین بھی شامل ہیں۔ اُردو میں لکھنے والی خواتین شاعروں کے الگ تذکروں کی تعداد بھی کم ہے اور ان میں سے اکثر انیسویں صدی کے اواخر میں مرتب کیے گئے۔ فصیح الدین رنج کے مرتبہ خواتین شاعروں کے تذکرے بہارستانِ ناز میں اُنھوں نے سببِ تالیف میں بھی لکھا ہے کہ اُس وقت تک ایسے تذکرے دست یاب نہیں تھے۔ رنج کا تذکرہ، جو اس سلسلے میں اوّلیت رکھتا ہے، پہلی مرتبہ ۱۸۶۴ء میں اور پھر ۱۸۶۹ء اور ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا۔ درگا پرشاد نادر کا تذکرہ پہلی مرتبہ ۱۸۷۶ء میں اور تیسری مرتبہ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ کتاب کے تینوں نسخوں کی تفصیلات مقدمے میں بیان کی گئی ہیں۔ بہارستانِ ناز تو مجلس ترقیِ اَدب نے ۱۹۶۵ء میں دوبارہ شائع کر دیا تھا لیکن تذکرۃ النساے نادری کی ۱۸۸۴ء کے بعد یہ پہلی اشاعت ہے۔

اس کتاب میں ایک مخصوص عہد کی خواتین کا کلام تو جمع کیا ہی گیا ہے، اس کے علاوہ کچھ روایات اور مشاہدات کا بیان بھی قارئین کے لیے دل چسپی کا باعث ہونا چاہیے۔ ایک خاص بات مولف کا لب و لہجہ ہے، جس سے برِصغیر کی سماجی زندگی اور خواتین سے متعلق عمومی رویّوں کا پتا چلتا ہے۔ ایک طرح سے یہ کتاب برِصغیر کی ذہنی

اور سماجی تاریخ کے ایک مخصوص رخ کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ کس طبقے کی خاتون کے لیے کس طرح کی زبان استعمال کی گئی، اس سے کیا توقعات وابستہ تھیں، یہ سب باتیں ایک زیریں لہر کی طرح کتاب کے متن کو متاثر کرتی ہیں اور پڑھنے والے کے لیے غور و فکر کا سامان فراہم کرتی ہیں۔

گُرمانی مرکزِ زبان و اَدب، لاہور یونیورسٹی آوف مینجمنٹ سائنسز (LUMS) کے شعبۂ سماجی علوم کا حصّہ ہے۔ یہ مرکز ۲۰۱۰ء میں قائم ہوا۔ اِس کے قیام کا بنیادی مقصد، اُردو، فارسی اور عربی زبانوں اور اُن کے ادب کی تدریس و ترویج ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ جنوبی ایشیائی خطّے کی مقامی زبانوں کی تدریس اور اِس علاقے کے اَدبی سرمائے پر تحقیقی کام بھی مرکز کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔ اِس مرکز سے تحقیقی مجلّہ 'بُنیاد' بھی شائع کیا جاتا ہے۔ مرکز میں تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس کے لیے سہولتیں بھی فراہم کی جاتی ہیں اور انتظامیہ کا تعاون بھی۔

اُردو کے کلاسیکی اَدب کی تحقیق و اشاعت کی اہمیت کے پیشِ نظر گُرمانی مرکز نے ۲۰۱۴ء سے کلاسیکی اُردو اَدب کا تحقیقی و اشاعتی سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس کے تحت ایسے قدیم متون، صحت و تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیے جائیں گے جو اُردو اَدب میں تاریخی اور معیاری اعتبار سے اہم ہیں۔ اِس سلسلے کا ایک مقصد اُردو زبان و اَدب کے نادر ذخیرے کو محفوظ کرنے میں اپنا حصّہ ڈالنا ہے اور اس کے علاوہ اُردو اَدب کے علما، ناقدین و قارئین اور خاص طور پر طالب علموں کے لیے اس خطّے کی اہم اور قدیم کتابوں کے مستند متن فراہم کرنا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ اِس سلسلۂ کتب میں ایسی کتابیں شامل کی جائیں جن کا مطالعہ، مستند متن اور تحقیقی تجزیہ اُردو کے علمی اور اَدبی سرمائے میں اضافے کا باعث ہو اور علما اور اَدب کے طالب علموں کے لیے استفادے کا ذریعہ بھی۔

اِس کتاب کے مرتب رفاقت علی شاہد صاحب گُرمانی مرکز کے فاضل محقق (Research Scholar) ہیں۔ اُنھوں نے اِس کتاب کو تیار کرنے میں بہت محنت اور عرق ریزی سے کام کیا ہے۔ کتاب میں اصل متن سے متعلق حواشی، تشریحاتِ الفاظ و تراکیب و اصطلاحات، فرہنگ اور اِختلافاتِ نسخ بھی شامل ہیں۔

ہم بہت شکر گزار ہیں محمد سلیم الرحمٰن صاحب اور مظہر محمود شیرانی صاحب کے بھی جن کی رہنمائی نے اِس کتاب کی تدوین میں مدد فراہم کی۔

اُمید ہے کہ اَدب کے طالب علموں کے لیے اور دیگر قارئین کے لیے بھی یہ کتاب دل چسپی کا باعث ہو گی اور علمی سطح پر اِستفادے کی صورت بھی فراہم کرے گی۔

یاسمین حمید

المرقومه

درگاپرشاد

دستخط

مقدّمہ

گزارش

تذکرۃ النساے نادری کے مصنف دُرگا پرشاد نادرؔ قدیم دلی کالج کے ہونہار سپوت تھے۔اُن کے حالات اور تصنیفی و علمی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات نہایت کم دست یاب ہیں۔اپنی تحقیق کے دوران میں نے اُن کے حالات اور کارناموں پر کافی مواد جمع کرلیا۔ارادہ تھا کہ وہ تمام مواد اس کتاب کے مقدمے میں پیش کروں گا لیکن وہ مقدمہ اتنی ضخامت اختیار کرگیا کہ مجبوراً مجھے یہ ارادہ ترک کرنا پڑا۔یہاں تک کہ نادرؔ دہلوی، رنجؔ میرٹھی اور محتشمؔ بھوپالی کے درمیان علمی معرکے کی بحثیں بھی نکالنی پڑیں، چناں چہ موجودہ مقدمے میں تذکرۃ النساے نادری سے متعلق محض ضروری مباحث اختصار کے ساتھ پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔نادرؔ دہلوی کے حالات و تصانیف پر مذکورہ مواد ان شاء اللہ علاحدہ کتاب کی صورت میں شائع کرکے اس کمی کو پورا کیا جائے گا۔

تمہید

ہندستان میں شعرا کی تذکرہ نویسی کو تقریباً دو سو سال اور اُردو شعرا کی تذکرہ نویسی کو تقریباً ایک صدی گذر چکی تھی کہ میرٹھ کے حکیم فصیح الدین رنجؔ (۱۸۳۶ء-۱۸۸۵ء) شاگردِ مومنؔ کو خیال آیا کہ ہندستانی شعرا کے تذکرے تو بہت لکھے گئے ہیں لیکن ہندستانی شاعرات کا کوئی تذکرہ اب تک نہیں لکھا گیا، جب کہ ایران میں شاعرات کے کچھ تذکرے فارسی زبان میں موجود ہیں۔اس کمی کو پورا کرنے کی خاطر اُنھوں نے شاعرات کے اوّلین ہندستانی تذکرے کی تحریر کا ڈول ڈالا اور بہارستانِ ناز کے نام سے اُردو و فارسی شاعرات کا پہلا تذکرہ تیار کرکے ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں چھپوایا۔اس کے بعد شاعرات کا دوسرا ہندستانی تذکرہ دُرگا پرشاد نادرؔ دہلوی کا یہی تذکرۃ النساے نادری ہے جس کا آغاز ۱۸۷۱ء میں ہوا اور جو ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء اور ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں دو حصّوں میں شائع ہوا۔پہلا حصّہ گلشنِ ناز کے نام سے چھپا جو فارسی شاعرات کے تراجم پر مشتمل تھا اور دوسرا حصّہ

تذکرۃ النساے نادری /مرآتِ خیالی کے نام سے جو اُردو شاعرات کے تذکرے ''چمن انداز'' پر مشتمل تھا۔ دوسری بار یہ تذکرہ کامل طور پر تذکرۃ النساء کے نام سے ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ اسی عرصے میں مولوی عبدالحی صفا بدایونی نے تذکرۂ شمیم سخن ترتیب دیا جس کا تیسرا حصہ شاعرات کے تراجم پر مشتمل تھا۔ صفا نے یہ تذکرۂ شاعرات ۱۲۸۹ھ/ ۷۳۔۱۸۷۲ء میں تالیف کیا لیکن یہ علاحدہ سے ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء میں شائع ہو سکا۔ ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۸۹ء میں محمد یحییٰ علی خاں تدرت نے فارسی زبان میں تذکرۃ النساء مکمل کیا جو مدراس سے ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء میں طبع وشائع ہوا۔ ابوالقاسم محتشم نے نواب شاہ جہاں بیگم والیۂ بھوپال کے حکم سے ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء میں فارسی شاعرات کا تذکرہ اخترِ تاباں اور اگلے سال انھی کی فرمائش پر اُردو شاعرات کا تذکرہ ماہِ درخشاں تیار کیا۔ یہ دونوں مختصر تذکرے فارسی زبان میں تھے اور نواب بھوپال ہی کے حکم سے بالترتیب ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء اور ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں بھوپال سے شائع ہوئے۔ اُنیسویں صدی کے اختتام سے پہلے راجا دُرگا پرشاد مہر سندیلوی نے بھی شاعرات کا ایک تذکرہ حدیقۂ عشرت کے نام سے تیار کیا۔ فارسی زبان میں لکھا گیا یہ تذکرہ پہلی بار سندیلہ سے ۱۸۹۳ء میں اور پھر لکھنؤ سے ۱۸۹۸ء میں چھپا۔ اس میں اُردو کی محض ایک درجن شاعرات کا ذکر ہے۔

نادر کے حالاتِ زندگی

نادر دہلوی نے اپنے اور اپنے بزرگوں اور متعلقین کے حالات اپنی چھ تصانیف: مطلع المناجات، خزینۃ العلوم فی متعلّقات المنظوم، ضوابطِ مسمریزم، کنزِ تاریخی، سرگزشتِ نادری اور ملحقۂ مرآتِ خیالی میں لکھ کر محفوظ کر دیے ہیں۔ (۱) اس کے علاوہ اپنے معاصر تذکرے تذکرۂ آثار الشّعراے ہنود کے لیے بھی اُنھوں نے اپنے، اپنے والد اور اُن کے دادا کے مفصّل حالات لکھ کر دیے۔ (۲)

نادر دہلوی نے اپنا نام ''دُرگا پرشاد''، نسبت ''سرہندی دہلوی'' اور ذات ''کھتری جھنجھنی گپلش گوتی'' تحریر کی ہے۔ (۳) اُن کا پیدائشی نام ''تیج بھان'' (۴) اور تخلص ''نادر'' تھا۔ نادر کا شجرہ کچھ یوں بنتا ہے:

درگا پرشاد بن مُنسارام بن راے لکھپت راے بن راے ہردے رام بن راے ہرنرائن بن راے بخت مل۔

نادر کے پردادا راے ہردے رام اور نادر کے دادا راے لکھپت راے اپنے اپنے دور کے ممتاز افراد اور قابل منتظموں میں شمار ہوتے تھے۔ نادر کے والد منشی مُنسارام ناتواں فیروز پور جھرکا، بیگم شمرو اور اَودھ کی سرکاروں میں اہل کار رہے۔ اس کے بعد انگریز حکومت میں متعدد ملازمتوں پر فائز رہے۔ (۵) ناتواں فارسی، اُردو اور بھاکھا میں رواں تھے۔ ان تینوں زبانوں میں اُن کی شعری ونثری تصانیف موجود ہیں۔ ان میں شیو پُران کے مہوتر کھنڈ کا فارسی میں نثری اور بھاکھا میں منظوم ترجمہ، رامائن (منظوم بھاکھا)، بھاگوت (منظوم اُردو)، سنگاسن بتیسی (منظوم اُردو)، بہارستان (بہ جواب گلستان)، نگارستان (بہ جواب بوستان)، دیوان (دو سو غزلوں

پر مشتمل)، مرأت المسائل (ہندو دھرم کے عقائد میں)، کرشن لیلا (بھاکھا)، گلزو شیدا (فارسی)، قصۂ گلرخ و گلزو (اُردو) شامل ہیں۔ (۶)

نادر ۶ جمادی الاوّل سنہ ۱۲۳۹ ہجری مطابق ۲۱ ستمبر ۱۸۲۳ء موافق ۲۰ بھادوں ۱۸۹۰ بکرمی کو بدھ کے روز رکھ پنچمی کے دن صبح کے وقت کوچۂ برج ناتھ، دہلی میں پیدا ہوئے۔ (۷) اُن کا اوائلِ عُمری کا زمانہ بے کاری اور بے پروائی میں گزرا۔ اُنیس سال کی عُمر میں ابتدائی تعلیم مکمل کی، پھر مشن اسکول، واقع چاندنی بازار، دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ یہاں وہ مانیٹر (نائب مدرّس) بھی رہے۔ خدا نے ذہن رسا دیا تھا، چناں چہ مدرّس کی لیاقتِ علمی خود سے کم دیکھ کر ۱۸۵۲ء میں دہلی کالج کی دوم فارسی جماعت میں داخلہ لے لیا۔ وہاں ۱۸۵۵ء تک فارسی، ریاضی، بھاشا، عربی اور انگریزی کی تحصیل کی۔ دہلی کالج میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد پیمائشِ تختہ اور پیرومیٹر (۸) سیکھ کر وہ رُڑکی میں پٹواریوں کی تعلیم کے لیے محرّر کپاس مقرر ہوئے تھے۔ اسی دور میں نادر نے میرزا عباداللہ بیگ شاگردِ میر پنجہ کش خوش نویس سے مشقِ نستعلیق بھی کی تھی۔ (۹)

۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۳ء کے آخر تک وہ ضلع گوڑگانواں کے تحصیلی وقصباتی مدرسے میں فارسی کے مدرّسِ اوّل رہے۔ ۱۸۶۴ء کے شروع سے برانچ اسکول تیلی واڑہ، دہلی میں، پھر اُس کے تھوڑے عرصے بعد نارمل اسکول، دہلی میں تبدیلی ہوگئی۔ یکم فروری ۱۸۷۲ء کو وہاں سے تبدیل ہو کر مصحّح کتبِ ریاضی کے طور پر مطبع سرکاری، سررشتۂ تعلیم ممالکِ پنجاب، لاہور میں آگئے۔ (۱۰)

نادر دہلوی کو لاہور میں لانے کا باعث ماسٹر پیارے لال آشوب بنے۔ سررشتۂ تعلیم پنجاب کے ڈائریکٹر میجر فلر کے ساتھ ماسٹر آشوب کے تعلقات اچھے تھے۔ اُن کی سفارش پر مولانا آزاد، حالی، مولوی کریم الدین وغیرہم کے ساتھ نادر دہلوی کو بھی سرکاری ملازمت پر لاہور بلا لیا گیا۔ (۱۱) جنوری ۱۸۷۵ء میں اُن کا تبادلہ پھر دہلی میں مدرّسِ ریاضی کے طور پر ہوگیا اور وہ جدید دہلی کالج میں مڈل کی تعلیم کے لیے چلے گئے۔ فروری سنہ ۱۸۷۷ء میں چوالیس سال کی عمر میں شادی کی۔ اپریل ۱۸۷۷ء میں دہلی کالج ٹوٹ گیا اور نادر دہلوی کو ایک بار پھر دہلی کو خیرباد کہہ کر ہیڈ اگزامینر کے طور پر لاہور آنا پڑا۔ ۱۷ راپریل ۱۸۸۰ء کو نادر نے یہیں سے حصولِ پنشن کے عوض ملازمت سے دست برداری اختیار کرلی اور دہلی واپس چلے گئے۔ (۱۲)

دہلی واپس آ کر نادر نے دسمبر ۱۸۸۱ء سے بازار دریبہ کلاں، دہلی میں کتابوں کی تجارت کے لیے اپنی دُکان 'دہلی بک سوسائٹی' قائم کی۔ اس کے علاوہ نادر ایجنٹ دفتر کلیدِ امتحان، دہلی، جنرل کمیشن ایجنٹ، مہتمم رسالہ ہندوستانی لُغاتِ اُردو بھی رہے۔ وہ دہلی سوسائٹی کے بھی ممبر تھے۔ (۱۳)

نادر کی وفات ۲۱ راپریل ۱۹۰۳ء کے بعد ہوئی۔ (۱۴) فروری ۱۸۷۷ء میں شادی سے لے کر ۱۸۹۸ء

تک اُن کے ہاں پانچ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پانچ لڑکے جلد جلد فوت ہو گئے اور صرف ایک لڑکی زندہ رہی۔ وہ بھی چھوٹی عمر میں بیوہ ہو گئی اور دائم المریض بھی تھی۔ (۱۵)

تصانیف و تالیفات

نادر نے اپنی تصانیف کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے اور لکھا ہے کہ ان میں سے ۴۸ تصانیف شائع ہوئیں۔ کچھ کے مسودے تلف ہو گئے اور کچھ قلمی اُن کے پاس موجود رہے۔ (۱۶) اُن کے کئی رسالے اُن کی مختلف مطبوعات کا حصہ ہیں۔ مثال کے طور پر اپنے پہلے تذکرے خزینتہ العلوم فی متعلقات المنظوم میں اُنھوں نے علمِ بدیع اور اصنافِ نظم کا جا بجا ذکر کیا ہے اور انھیں اپنے رسائل میں شمار کیا ہے۔ تذکرۃ النسائے نادری میں بھی تاریخ گوئی کا بیان، ''چمن انداز'' کے ضمیمے اور گلشنِ ناز کے ضمیمے کو بھی اُنھوں نے علاحدہ رسائل میں شامل کیا ہے جو محض دو صفحات پر مشتمل تھا۔ اسی طرح کے مختصر ترین رسائل کو شامل کر کے نادر نے اپنی کتابوں کی تعداد سو تک پہنچائی ہے۔

نادر دہلوی کی زیادہ تر کتابیں نصابی نوعیت کی ہیں۔ ادبی نقطۂ نظر سے ان کی اتنی اہمیت نہیں۔ یہاں نادر دہلوی کی قدرے اہم اُدبی کتابوں کی فہرست تاریخی ترتیب سے درج کی جاتی ہے:

(۱) شجرۂ غیرت گلزار (تاریخ۔فارسی)۔ (۲) تشریح طالع نامہ (نجوم۔فارسی)۔ (۳) خزینتہ العلوم فی متعلقات المنظوم (تذکرہ۔اُردو)۔ (۴) گلشنِ ناز (تذکرہ۔اُردو، فارسی)۔ (۵) لُبِ لباب قصّۂ ممتاز صف شکن (اُردو)۔ (۶) رسالہ شطرنج مسمیٰ بہ ہشت ثمنہ (اُردو)۔ (۷) مطلب غریب (دیوانِ اُردو، فارسی)۔ (۸) قصّۂ مہرو ماہ (اُردو)۔ (۹) کنز تاریخی (تاریخ گوئی۔ اُردو)۔ (۱۰) رسالۂ قوافی (اُردو)۔ (۱۱) تذکرۃ النسا (اُردو)۔ (۱۲) رقعۂ راستی مرقعۂ بے مجادلہ (اُردو)۔ (۱۳) ملحقۂ مرأتِ خیالی (اُردو)۔ (۱۴) قصّۂ پنجاب سنگھ کا دوسرا حصّہ (اُردو)۔ (۱۷)

تذکرۃ النسائے نادری

تذکرۃ النسائے نادری اصل میں متعدد تحریروں کا مجموعہ ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) دیباچۂ مصنف:

اس میں مختلف تمہیدی مباحث ہیں۔ یہ دیباچہ اصلاً گلشنِ ناز کا حصّہ ہے۔ بعد میں تذکرۃ النسائے نادری میں بھی یہ شامل ہوا، اس فرق کے ساتھ کہ گلشن ناز میں اس کے مشمولات پر زیادہ عنوان قائم نہیں کیے گئے تھے لیکن تذکرۃ النسائے نادری میں تمام مباحث پر علاحدہ علاحدہ عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ گلشن ناز میں یہ

دیباچہ صفحہ ۲ تا ۷ پر جب کہ تذکرۃ النساے نادری میں یہ صفحہ ایک سے ۸ تک ہے۔

ب) مقدمہ مصنف:

مقدمہ بھی اصلاً گلشنِ ناز کا حصہ ہے جو اسی ترتیب سے دیباچے کے بعد تذکرۃ النساے نادری میں شامل ہوا۔ گلشنِ ناز میں دیباچے کے فوراً بعد یہ مقدمہ صفحہ سات ہی سے مسلسل شروع ہو کر صفحہ ۱۳ پر اختتام پذیر ہوتا ہے، جب کہ تذکرۃ النساے نادری میں بھی یہ دیباچے کے بعد مسلسل صفحہ ۸ تا ۱۵ پر درج ہے۔ ایک تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ گلشنِ ناز میں مقدمے کے فوراً بعد اسی صفحے سے گلشنِ ناز کا متن شروع ہو جاتا ہے (ص ۱۳) لیکن تذکرۃ النساے نادری مقدمہ صفحہ ۱۵ پر ختم کر دیا گیا ہے۔

ج) گلشنِ ناز:

اس کے بعد فارسی زبان کی شاعرات کا تذکرہ گلشنِ ناز شروع ہوتا ہے۔ اس میں فارسی شاعرات کی تعداد ۵۳ ہے، جب کہ تذکرۃ النساے نادری میں شامل کرتے وقت اس میں ایک شاعرہ دل آرام کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ گلشنِ ناز میں بغیر کسی تمہید کے شاعرات کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے لیکن تذکرۃ النساے نادری میں اس سے قبل ایک ابتدائیے کا اضافہ کیا گیا ہے، جس میں بہرام گور کی محبوبہ دل آرام سے منسوب ایک شعر کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مصنف نے اسے بھی شاعرات میں شمار کیا ہے۔

گلشنِ ناز میں شاعرات کے تراجم مقدمے کے فوراً بعد صفحہ ۱۳ سے ۳۶ تک ہیں۔ اسی پر گلشنِ ناز اختتام کو پہنچتا ہے، جب کہ تذکرۃ النساے نادری میں گلشنِ ناز کا متن نئے صفحے، صفحہ ۱۶ سے شروع ہوتا ہے۔ اس صفحے پر اضافہ شدہ تمہید کا متن ہے۔ صفحہ ۱۷ سے شاعرات کے تراجم شروع ہو کر صفحہ ۴۴ پر ختم ہوتے ہیں۔ اس کے آخر میں کتابت کی تاریخ ۲۰ اگست ۱۸۸۳ء درج ہے۔ اس سے قبل مقدمہ کتاب کے آخر میں تاریخ کتابت ۱۵ جولائی ۱۸۸۳ء درج کی گئی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۲۸ صفحات (صفحہ ۱۷ تا ۴۴) پر مشتمل گلشنِ ناز کا متن ۳۷ روز میں کتابت ہوا۔ اس میں کتابت کے ساتھ مصنف کی پروف خوانی کا عمل بھی شامل ہوگا۔

د) ''قطعات و تقریظات تاریخ، متضمن سالِ انطباعِ دفعۂ اول'':

گلشنِ ناز کے فوراً بعد مسلسل تذکرۃ النساے نادری میں گلشنِ ناز کے تاریخی قطعات ترتیب و طبع اول اور تقریظات شامل ہیں (صفحہ ۴۵ تا ۵۳)۔ اِن میں سے قطعاتِ تاریخ، مولف کا فقرۂ نثر اور مولوی الفت حسین شکارپوری کی تقریظ پہلے پہل مرآتِ خیالی کے صفحہ ۲۷ پر شائع ہوئی۔ کوہ نور، لاہور اور مولوی امانت علی کی تقاریظ مرآتِ خیالی کی اشاعت سے قبل کی مطبوعہ ہیں لیکن مرآتِ خیالی میں شامل نہیں۔ ممکن ہے کہ اس کی اشاعت کے وقت یہ مصنف کو دست یاب نہ ہوئی ہوں۔

تذکرۃ النساے نادری میں ان تحریروں کے آخر میں کتابت کی تاریخ ۲۵ اگست ۱۸۸۳ء اور کاتب کا نام سید محمد عبداللطیف دہلوی درج ہے۔ گلشنِ ناز کی کتابت ۱۵ جولائی ۱۸۸۳ء کو ختم ہوئی تھی، گویا یہ قطعاتِ تاریخ اور تقریظات کی کتابت اس کے ایک ماہ دس دن بعد مکمل ہوئی۔ قطعاتِ تاریخ و تقریظات کُل ۹ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اتنے کم صفحات کی کتابت میں اتنا طویل عرصہ نہیں لگنا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۃ النساے نادری میں شامل ان تقریظوں کی فراہمی میں کافی وقت صرف ہو گیا ہوگا، جو مرأتِ خیالی میں شامل نہیں تھیں۔

ہ) تکملہ گلشنِ ناز:

قطعاتِ تاریخ ترتیب و طبع اور تقریظات کے بعد میں گلشنِ ناز کا تکملہ ہے۔ اس میں کُل سات فارسی شاعرات کا ترجمہ شامل ہے۔ جب یہ تکملہ، تذکرۃ النساے نادری میں شامل کیا گیا تو اس میں مزید ۴۳ شاعرات کا اضافہ ہوا اور تکملہ میں مشمولہ شاعرات کی تعداد ۵۰ ہو گئی۔ مرأتِ خیالی میں تکملہ محض ۲ صفحات (صفحہ ۹، ۱۰) کا تھا، جب کہ تذکرہ میں یہی تکملہ گیارہ صفحات (صفحہ ۵۴ تا ۶۴) پر پھیل گیا۔ اس کے علاوہ تذکرۃ النساے نادری میں شامل کرتے وقت تکملے میں ایک مختصر دیباچے کا بھی اضافہ ہوا ہے۔ اس میں مصنف نے ترمیم و اضافے کی جانب اشارہ کر کے آئندہ اس سے بھی ''ہاتھ اُٹھانے'' کا ذکر کیا ہے۔ دیباچے کے بعد بانو بیگم کے ذکر سے تراجم شاعرات کا آغاز ہوتا ہے اور اس کی آخری مشمولہ شاعرہ ''لا اعلم'' ہے۔

و) ''چمن انداز'':

مرأتِ خیالی کا تیسرا حصہ اُردو شاعرات کے تراجم پر مشتمل ہے جسے مصنف نے ''چمن انداز'' سے موسوم کیا ہے۔ اس میں ۱۴۳ شاعرات کا تذکرہ ہے۔ مصنف نے یہ تعداد ۱۴۴ لکھی ہے جو درست نہیں۔ مرأتِ خیالی میں ''چمن انداز'' کا متن صفحہ ۱۱ تا ۹۵ پر مشتمل ہے۔ اس میں سب سے پہلے ''چمن انداز'' کا مقدمہ اور اس کے بعد شاعرات کے تراجم ہیں۔ ''خاتمۃ الکتاب'' میں دو مختصر نثری تحریریں ہیں، جن میں سے پہلی تین سطری تحریر میں کتاب کا تاریخی نام مرأتِ خیالی (۱۲۹۲ھ) قرار دیا گیا ہے [مطابق ۱۸۷۵ء]۔

تذکرۃ النساے نادری میں ''چمن انداز'' کا یہ متن صفحہ ۶۵ تا ۱۵۵ میں شامل ہے۔ اس میں شمولیت کے وقت سرورق کا اضافہ ہوا ہے اور مصنف کا وہ یک سطری جملۂ تاریخ بھی شامل کیا گیا ہے جو ''چمن انداز'' میں مشمولہ شاعرات سے متعلق ہے اور جس سے ''چمن انداز'' کی تکمیل کے ہجری و عیسوی سنین برآمد ہوتے ہیں۔

ز) قطعاتِ تاریخ طبع ''چمن انداز'':

تذکرۃ النساے نادری میں اس کے فوراً بعد مسلسل ''چمن انداز'' کی طباعت کے قطعاتِ تاریخ اور تقریظات شامل ہیں (صفحہ ۱۵۵ تا ۱۶۴) جو اصلاً مرأتِ خیالی کی طباعت سے متعلق ہیں۔ ان میں سے آخری فقرۂ تاریخی

مرأتِ خیالی میں شامل تھا، باقی تمام تقریظات اور قطعاتِ تاریخی پہلی بار تذکرۃ النساے نادری میں شائع ہوئے۔

ح) ''چمن انداز'' کا ضمیمہ:

تذکرۃ النساے نادری کا اگلا حصہ ''چمن انداز'' کا ضمیمہ ہے۔ اس کا آغاز بھی ایک سرورق سے ہوتا ہے جس کی تحریر کے مطابق یہ ضمیمہ ۱۸۸۳ء مطابق ۱۳۰۰ ہجری موافق ۱۹۳۹ بکرمی میں تیار ہوا۔ اسی کے ساتھ مؤلف بہارستانِ ناز حکیم رنج میرٹھی کی خدمت میں روانہ کیا گیا عریضہ بھی شامل ہے۔

سرورق کے بعد اگلے صفحے سے دیباچہ شروع ہوتا ہے جس کے بعد شاعرات کے تراجم شروع ہو جاتے ہیں۔ ضمیمے میں کُل ۵۲ شاعرات کے تراجم ہیں جو تذکرۃ النساے نادری کے چودہ صفحات (صفحہ ۱۶۳ تا ۱۷۶) میں سمائے ہیں۔ مصنف نے ایک جگہ ضمیمے میں مشمولہ شاعرات کی تعداد پچاس لکھی ہے جو درست نہیں۔ ضمیمے کے آخر میں تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمیمے کی کتابت ۱۵ فروری ۱۸۸۳ء کو مکمل ہوئی۔

ط) عریضہ بخدمت حکیم محمد فصیح الدین رنج، رئیسِ میرٹھ:

نادر کے تذکروں سے استفادہ کرتے ہوئے رنج میرٹھی نے بہارستانِ ناز پر نظرِ ثالث کر کے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں چھپوایا۔ اس میں اُنھوں نے نادر پر بہارستانِ ناز سے سرقے کا الزام لگایا۔ اس کے جواب میں نادر نے تذکرۃ النساے نادری میں رنج میرٹھی کے نام ایک عریضہ شامل کیا جس میں اُنھوں نے تفصیل کے ساتھ بہارستانِ ناز سے سرقے کی حقیقت، تذکرۃ النساے نادری سے رنج میرٹھی کے استفادے اور بہارستانِ ناز کی کچھ غلطیوں کی نشان دہی کی۔ ''عریضہ'' کا متن تذکرۃ النساے نادری میں صفحہ ۱۷۷ تا ۱۸۲ پر ہے۔

عریضے کے آخر میں ۲۰ نومبر ۱۸۸۲ء کی تاریخ لکھی ہے۔ گویا یہ عریضہ بہارستانِ ناز کی آخری اشاعت (۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء) کے فوراً بعد لکھا گیا اور تذکرۃ النساے نادری میں شامل ہوا۔ اصلاً تو یہ عریضہ ۱۸۸۳ء میں کتابت ہو گیا ہوگا لیکن تذکرے کی اشاعت چوں کہ ۱۸۸۴ء کے اوائل میں ہوئی، اس لیے یہ عریضہ ۱۸۸۴ء میں رنج میرٹھی کی نظر سے گزرا، چناں چہ مصنف کے مطابق حکیم رنج میرٹھی نے ۲ اپریل ۱۸۸۴ء کے محررہ خط کے ذریعے تذکرۃ النساے نادری کی رسید اُنھیں بھجوائی۔ رنج میرٹھی کا انتقال ۳۱ مارچ ۱۸۸۵ء کو ہوا اور انتقال سے قبل آٹھ ماہ وہ مرض استقالحسی میں مبتلا رہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تذکرۃ النساے نادری کی رسید دینے کے بعد چار ماہ تک وہ ٹھیک رہے اور پھر ایسے بیمار ہوئے کہ اُنھیں نادر کے اعتراضات کا جواب لکھنے کی مہلت نہ ملی۔

ی) قطعاتِ تاریخ و تقریظاتِ تذکرہ:

تذکرۃ النساے نادری کا آخری حصہ اُن قطعاتِ تاریخ پر مشتمل ہے جو تذکرے کے مکمل ہونے پر موصول

ہوئے۔ یہ قطعاتِ تاریخ "عریضہ" کے فوراً بعد مسلسل صفحہ ۱۸۲ ہی سے شروع ہو کر صفحہ ۱۸۵ پر ختم ہوتے ہیں۔

ک) تاریخ گوئی کا بیان:

"چمن انداز" کے وسط میں تاریخ گوئی کا بیان ہے۔ یہ تفصیلی بیان ایک مختصر کتابچے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کتابچہ عابد تخلص کی شاعرہ کے ترجمے کے بعد درج کیا گیا ہے۔ مصنف نے ایک طرح سے اس کا تعلق متنِ تذکرہ سے جوڑا ہے، یوں کہ عابد کے ترجمے میں جویا کی کتاب کا ذکر کر کے اسی میں سے عابد کا نمونۂ کلام نقل کیا ہے اور اسی کے بعد تاریخ گوئی کی "صنعت" کا ذکر چھیڑ کے رسالے کا متن درج کر دیا ہے۔ تاریخ گوئی کا یہ بیان پہلے مرأتِ خیالی کے صفحہ ۵۷ تا ۶۹ میں اور پھر تذکرۃ النساے نادری کے صفحہ ۱۱۶ تا ۱۲۹ میں شائع ہوا ہے۔

ل) فہارس، غلط نامہ، اشتہارات:

تذکرۃ النساے نادری کے آخر میں کچھ ایسی تحریریں بھی شامل ہیں جو متنِ تذکرہ کا حصہ تو نہیں لیکن ان کا تعلق براہِ راست تذکرے اور نادر سے ہے۔ ان میں سب سے پہلے اُن خواتین اور شاعرات کی مشروح فہارس شامل ہیں جن کا ذکر تذکرۃ النساے نادری میں ہوا ہے۔ یہ فہرستیں تذکرۃ النساے نادری کے صفحہ ۱۸۶ تا ۱۹۱ اور صفحہ ۱۹۳ پر ہیں۔

تذکرۃ النساے نادری کے صفحہ ۱۹۱ کے نصف آخر اور صفحہ ۱۹۲ پر کتاب کا صحت نامہ ہے اور صفحہ ۱۹۴ پر، جو کتاب کا آخری صفحہ ہے، تذکرۃ النساے نادری کا اشتہار مع قیمت درج ہے۔ آخر میں درج تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری صفحہ ۱۵ فروری ۱۸۸۳ء کو کتابت ہوا، گویا تذکرۃ النساے نادری طباعت کے بعد اندازاً مارچ ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی۔ پشت ورق کیا آخری دو صفحات پر نادر کے تجارتی ادارے "دہلی بک سوسائٹی" کی فہرستِ کتب ہے۔

م) ۱۸۸۳ء کی یہ اشاعت تذکرۃ النساے نادری کی آخری اشاعت تھی۔ اس کے بعد نادر نے اس پر نظرِ ثانی تو کی لیکن وہ اسے پھر شائع نہ کرا سکے۔ اس کی تلافی اُنھوں نے یوں کی کہ ۱۹۰۳ء میں "ملحقۂ مرأتِ خیالی ملقب بہ اسمِ تاریخی تاریخِ خاص" کے عنوان سے ۳۶ صفحات کا ایک کتابچہ شائع کیا۔ اس میں تذکرۃ النساے نادری کی ترمیم شدہ عبارتیں اور ابوالقاسم محتشم کے نام رقعۂ راستی مرقعۂ بے مجادلہ شامل ہے جو قبل ازیں ۱۸۹۲ء میں مشتہر ہوا تھا۔ اِس کے علاوہ نادر نے اس میں اپنے اور اپنے خاندان کے حالات، اپنی نظم و نثر کے نمونے، اپنی تصانیف و تالیفات کی فہرست اور اپنے تجارتی ادارے "دہلی بک سوسائٹی" کی کتابوں کا اشتہار بھی شامل کیا ہے۔

اہمیت

اُنیسویں صدی میں شاعرات کے چھ تذکرے منظرِ عام پر آئے جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ان میں دُرگا پرشاد نادؔر کے تذکرے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ایک تو یہ کہ نادؔر نے پہلی بار فارسی اور اُردو شاعرات کے علاحدہ تذکرے ترتیب دیے۔ اس معاملے میں نادؔر کی اوّلیت مسلّم ہے۔ اس سے قبل بہارستانِ ناز شائع ہوا تھا لیکن وہ اُردو و فارسی شاعرات کا ملا جُلا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد تذکرۂ شمیم سخن دوسرا تذکرہ ہے جو اُردو اور فارسی شاعرات کے علاحدہ حصّوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ صفؔا بدایونی نے پہلی بار طوائف اور گھریلو شاعرات کے طبقے قائم کر کے تذکرہ ترتیب دیا۔

تذکرۃ النساء نادری کی دوسری اہمیت یہ ہے کہ یہ کئی معاصر شاعرات کے حالات و کلام کا واحد مستند ماخذ ہے۔ نادؔر دہلوی نے شاعرات کے حالات و کلام چار ذرائع سے حاصل کیے ہیں: اپنی ذاتی معلومات سے، اپنے جاننے والوں اور دیگر معاصرین سے، خود شاعرات سے اور تذکرہ نگاروں کے بیانات سے۔ پہلے تین ذرائع سے حاصل کی گئی معلومات بظاہر مستند ہیں۔ اسی وجہ سے نادؔر دہلوی کی مہیا کردہ معلومات نہایت درجہ اہمیت اختیار کر گئی ہیں، چناں چہ بعض شاعرات کے حالات و کلام کے لیے نادؔر کا تذکرہ بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

تیسرے، نادؔر نے جن شاعرات کے حالات دیگر تذکروں سے اخذ کیے ہیں، اُن میں سے بھی بعض کے بارے میں مزید تحقیق کی ہے۔ لہٰذا تحقیق اور بحث کے بعد کہیں تو بیان کو رد کر دیا ہے اور کہیں اپنے نتائج اخذ کر کے بیان کیے ہیں۔

اُنیسویں صدی کے رُبع آخر میں، تحقیق کا وہ معیار ابھی قائم نہیں ہوا تھا جسے آج جدید تحقیق یا سائنسی تحقیق کا نام دیا جاتا ہے۔ اُردو تحقیق کا ابتدائی ماخذ اُردو تذکرے ہیں جن میں ابتدائی معیار کی اور سطحی تحقیق سے واسطہ پڑتا ہے۔ نادؔر دہلوی کا تعلق بھی اُسی دور کی تحقیق سے ہے لیکن یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوتی ہے کہ اُنھوں نے اپنے معاصرین یا پیش رووں سے نسبتاً زیادہ تحقیق کر کے بہتر نتائج حاصل کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے پہلے تذکرے خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں اُنھوں نے تحقیق کر کے شعرا کی تاریخ ہائے وفات درج کرنے کا اہتمام کیا، پھر تذکرۃ النساء نادری میں بھی تحقیق سے کام لیتے ہوئے مشمولہ شاعرات کے حالات و کلام میں اپنی انفرادیت قائم کی۔ تذکروں میں یہ تحقیقی روش ہمیں اُس دور کے تذکرہ نویسوں کے ہاں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔

دوسری طرف اُن کے بعض بیانات اور استخراجِ نتائج سے اُن کی تحقیقی خامیاں بھی سامنے آتی ہیں۔ کہیں اُنھوں نے تذکرہ نگاروں کے بیانات کو جرح و تعدیل کے بغیر مان لیا ہے اور بعض جگہ تحقیق سے رُوگردانی کرتے

ہوئے مسلم حکم رانوں کے خلاف متعصبانہ جذبات وخیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ خامیاں اُسی فرسودہ اور غیر محققین معیارِ تحقیق کے سبب اُن کے ہاں در آئی ہیں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

نادر دہلوی معاصر دہلوی شاعرات میں سے اکثر سے واقف تھے۔ بعض سے تو اُن کے ذاتی مراسم بھی تھے۔ یہی نہیں، دہلی سے باہر کی شاعرات اور وہ شاعرات جو دہلی سے کہیں اور چلی گئیں، اُن میں سے بھی بعض سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ ایسی تمام شاعرات کے جو حالات اور کلام اُنھوں نے اپنے تذکرے میں درج کیا ہے، وہ تذکرۃ النساے نادری کے استناد کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ یہ خصوصیت اس تذکرے کو شاعرات کے ہم عصر تذکروں میں ممتاز کرتی ہے۔ رنجؔ میرٹھی، صفاؔ بدایونی، محتشمؔ بھوپالی اور مہرؔ سندیلوی کے تذکروں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تذکروں میں شامل بیش تر شاعرات کے حالات اور کلام تذکرۃ النساے نادری سے بلاواسطہ یا بالواسطہ مستعار ہے۔ بہارستانِ ناز ہندوستانی شاعرات کا پہلا تذکرہ تھا۔ اس میں معاصر شاعرات کی تعداد بھی نسبتاً زیادہ ہونی چاہیے تھی اور اُن کے بارے میں معلومات بھی براہِ راست اور مستند ہونی چاہیے تھیں، لیکن ہمیں یہ جان کر مایوسی ہوتی ہے کہ بہارستانِ ناز کی دوسری اشاعت ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں دونوں زبانوں کی شاعرات کی مجموعی تعداد ۸۲ تھی، جب کہ نادر کے گلشنِ ناز کی پہلی روایت (اشاعت ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء) میں شاعرات کی تعداد ۵۳ اور "چمن انداز" کی روایتِ اوّل (مشمولہ سراپِ خیالی، مطبوعہ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) میں شاعرات کی تعداد ۱۴۳ تھی۔ گویا دونوں میں دو سو کے قریب شاعرات کے تراجم شامل تھے، چناں چہ بہارستانِ ناز کی تیسری اشاعت (۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء) میں رنجؔ میرٹھی نے نادرؔ دہلوی کے اِن دونوں تذکروں سے استفادہ کرتے ہوئے مزید ۱۰۴ شاعرات کا اضافہ کر کے اپنے تذکرے میں شاعرات کی تعداد بڑھا کر ۱۷۴ کر لی۔ (۱۸) صفاؔ بدایونی، محتشمؔ بھوپالی اور مہرؔ سندیلوی نے تو اپنے تذکرے نادرؔ دہلوی کے بعد لکھے، لہٰذا اُن میں نادرؔ دہلوی کے تذکروں سے وسیع پیمانے پر استفادہ بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ اس اَمر کی گواہی ہے کہ دُرگا پرشاد نادرؔ دہلوی نے شاعرات کے حالات وکلام جمع کرنے کی جس قدر تحقیق یا سعی کی، وہ اُن کے معاصر اور بعد کے تذکرہ نگاروں سے ممکن نہ ہو سکی اور اُنھوں نے نادرؔ دہلوی کی محنت وکاوش کے سرمایے پر ہی اپنے تذکروں کی بنیاد رکھی۔

یہی سبب تھا کہ نادرؔ دہلوی نے اپنی محنت پر رنجؔ میرٹھی اور محتشمؔ بھوپالی کو اپنی اپنی شہرت کے محل تعمیر کرتے دیکھا تو اُن سے نہ رہا گیا اور اُنھوں نے رنجؔ میرٹھی کی خدمت میں عریضہ اور محتشمؔ بھوپالی کی خدمت میں رقعہ لکھ کر چھپوایا، جن میں اُن کے تذکروں کی خامیاں اور نادرؔ دہلوی کے تذکروں سے مواد چوری کرنے سے متعلق تفصیلات درج ہیں لیکن دونوں کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔ یہ اس اَمر کا کافی ثبوت ہے کہ نادرؔ دہلوی اپنے دعوے میں برحق تھے اور اُنھوں نے عریضے اور رقعے میں جن غلطیوں کی نشان دہی کی تھی، وہ بھی درست ہیں۔

تذکرے کا نام

نادر دہلوی نے مرأتِ خیالی اور ''چمن انداز'' کے سرورق کے علاوہ تکملۂ گلشنِ ناز اور ''چمن انداز'' کے دیباچے اور ضمیمے میں، یعنی پانچ مقامات پر تذکرے کا نام تذکرۃ النّسائے نادری درج کیا ہے۔(۱۹) اس سے واضح ہوتا ہے کہ تذکرے کا اصل اور پورا نام تذکرۃ النّسائے نادری ہے۔ صرف ایک جگہ، تذکرے کی پہلی اور آخری مکمل اشاعت (۱۸۸۴ء/۱۳۰۱ھ) کے سرورق پر تذکرے کا نام'' تذکرۃ النّساء '' درج ہے۔ بہ ظاہر دونوں ناموں میں فرق نظر آتا ہے لیکن یہ فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ''تذکرۃ النّساء '' اور '' تذکرۃ النّسائے نادری ''میں کوئی اصلی اور معنوی بُعد نہیں۔ تذکرۃ النّسائے نادری تذکرے کا اصل اور مُستعمل نام ہے، جب کہ تذکرۃ النّساء صرف ایک اشاعت کے سرورق پر درج کیا گیا ہے۔

نادر نے تذکرے کا تاریخی نام ہر جگہ التزاماً مرأتِ خیالی لکھا ہے۔ گلشنِ ناز، مرأتِ خیالی، تذکرۃ النّساء اور ملحقۂ مرأتِ خیالی کے سراوراق پر یہی تحریر ہے۔ اس کے علاوہ ''چمن انداز'' کے ابتدایے، گلشنِ ناز کے سببِ تالیف سمیت اور جگہوں پر بھی نادر نے اس کا اعادہ کیا ہے۔(۲۰)

مرأتِ خیالی کے تاریخی مادے سے ۱۲۹۲ کا عدد برآمد ہوتا ہے جو تذکرۃ النّسائے نادری کی روایتِ اوّل کی تکمیل کا سال ہے (۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء)۔ گلشنِ ناز کے ''سببِ تالیف'' میں تذکرے کا تاریخی نام نادر نے ''چمنستانِ خیالات النّادر'' بھی لکھا تھا(۲۱) لیکن بعد میں تذکرۃ النّسائے نادری کی اشاعت کے وقت اسے دیباچے سے نکال دیا، گویا اسے غیر اہم گردانا۔ ''چمنستانِ خیالات النّادر'' کے مقابلے میں مرأتِ خیالی میں بندش کی چستی اور مناسبت اظہر من الشمس ہے۔

نادر دہلوی نے تذکرے کے نام کے ساتھ ساتھ اس کے آغاز کے بھی تاریخی مادے نکالے ہیں۔ پہلے اُنھوں نے آغازِ تذکرہ کا تاریخی مادّہ ''غیرتِ بارِ ناز'' نکالا جس سے ۱۸۷۱ء (مطابق ۱۲۸۸ھ) کا سنہ برآمد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ شاہ بہاء الدین بشیر دہلوی نے تذکرے کے دونوں حصوں گلشنِ ناز اور ''چمن انداز'' کے تاریخی مادّے ''ایک باغِ نادر'' اور ''ترکیباتِ نادر'' نکالے۔(۲۲) ان دونوں سے بھی ۱۲۸۸ ہجری (مطابق ۱۸۷۱ء) کا سنہ حاصل ہوتا ہے۔ بعد میں تذکرے کے مکمل ہونے پر نادر نے اس کی تکمیل کے بکرمی سنہ ۱۹۳۲ سمبت کے مطابق اس کا تاریخی مادّہ ''چمنستان خیالات النّادر'' نکالا(۲۳) لیکن بعد میں اسے بھی تذکرۃ النّسائے نادری میں شامل نہیں کیا اور اس کی جگہ مرأتِ خیالی کو تذکرے کے تاریخی نام کے طور پر درج کیا۔(۲۴)

ملحقۂ مرأتِ خیالی کے سرورق پر اس کا تاریخی نام ''تاریخِ خاص'' لکھا ہے۔ اس تاریخی مادّے سے

۱۹۰۲ کا عدد حاصل ہوتا ہے جو اس کی تکمیل کا عیسوی سال ہے۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ نادر دہلوی کو تاریخ گوئی سے خاص شغف تھا، چناں چہ اُنھوں نے اپنی تقریباً سبھی کتابوں اور رسائل کے تاریخی نام نکالے، اُن کے قطعات تاریخ خود کہے اور دوسروں سے کہلوائے۔ تذکرۃ النساے نادری اور اس کے مختلف حصّوں کے تاریخی نام رکھنے میں بھی نادر دہلوی کی اسی فطری دل چسپی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

زمانۂ تصنیف و تکمیل

تاریخی مادّوں کے مطابق تذکرۃ النساے نادری کی تسوید ۱۸۷۱ء/۱۲۸۸ھ/۱۹۲۸ سمبت میں شروع ہوئی۔ تقویم سے رجوع کرنے پر علم ہوا کہ ۱۸۷۱ء میں ہجری سال ۱۲۸۸ کا آغاز ۲۳ مارچ سے ہوا اور سنہ ۱۹۲۸ بکرمی ۱۳ راپریل ۱۸۷۱ء سے شروع ہوا۔ اس سے پتا چلا کہ نادر دہلوی نے تذکرۃ النساے نادری کی تالیف کا کام ۱۳ر اپریل تا ۳۱ ردسمبر ۱۸۷۱ء مطابق ۲۲ رمحرم تا ۱۷ ر شوال ۱۲۸۸ھ مطابق یکم بیساکھ تا ۱۷ ر پوہ ۱۹۲۸ بکرمی کے دوران شروع کیا۔

تذکرۃ النساے نادری کے ''سببِ تالیف'' میں نادر دہلوی نے واضح کیا ہے کہ یہ تذکرہ چار برس میں تیار ہوا۔(۲۵) گویا تذکرے کی تکمیل ۱۸۷۵ء میں ہوئی۔ مرأتِ خیالی تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۹۲ھ کا سنہ برآمد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نادر دہلوی نے ۱۹۳۲ بکرمی کو بھی تذکرے کی تکمیل کا سال تحریر کیا ہے۔(۲۶) گویا ۱۸۷۵ء میں تذکرہ اُس مدّت کے دوران تیار ہوا جب ہجری سنہ ۱۲۹۲ اور بکرمی سنہ ۱۹۳۲ تھا۔ تقویم سے رجوع کرنے پر معلوم ہوا کہ ۱۸۷۵ء میں ۱۲۹۲ ہجری کا آغاز ۶ رفروری کو اور بکرمی سال کا آغاز ۱۳ راپریل سے ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تذکرۃ النساے نادری کی تکمیل ۱۳ راپریل تا ۳۱ ردسمبر ۱۸۷۵ء مطابق ۷ ر ربیع الاوّل تا ۳ ر ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ مطابق یکم بیساکھ تا ۱۷ ر پوہ ۱۹۳۲ بکرمی کے دوران ہوئی۔

نادر دہلوی ۱۹۰۲ء تک تذکرے میں اضافے کرتے رہے۔ اُنھوں نے ملحقہ مرأتِ خیالی پر آخری نظرِ ثانی کا سال ۱۳۲۰ ہجری مطابق ۱۹۰۲ عیسوی مطابق ۱۹۵۹ بکرمی درج کیا ہے۔(۲۷) تقویم کے مطابق ۱۹۰۲ء میں ۱۳۲۰ کا ہجری سال ۱۰ راپریل، جب کہ ۱۹۵۹ کا بکرمی سال حسبِ روایت ۱۳ راپریل کو شروع ہوا۔ اسی بیان میں اُنھوں نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اُنھوں نے یہ کام شمسی لحاظ سے اپنی عمر کے اُنھترویں سال میں مکمل کیا۔ نادر دہلوی نے اپنی تاریخ پیدائش ۲۱ ر ستمبر ۱۸۳۳ء لکھی ہے۔ اس حساب سے اُن کی عمر ۲۱ ر ستمبر ۱۹۰۲ء کو اُنھتّر سال کی ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ نادر دہلوی نے تذکرے میں آخری بار ترمیم و اضافے کا عمل ۲۱ ر ستمبر ۱۹۰۲ء سے قبل مکمل کیا۔ اگر یہ عمل ۲۱ ر ستمبر کے بعد انجام دیا ہوتا تو نادر دہلوی ''اُنھترویں'' کے بجائے ''سترویں'' سال تحریر کرتے۔

اس تحقیق کے بعد اب ہم ایک معیّن مدّت حاصل کرنے میں کام یاب ہو گئے ہیں جس میں نادر دہلوی

نے تذکرۃ النساے نادری پر آخری بار نظرِ ثانی اور اضافے کیے۔ یہ مدت ۱۳ر اپریل تا ۲۰ر ستمبر ۱۹۰۲ء مطابق ۴ر محرم تا ۱۷ر جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ مطابق یکم بیساکھ تا ۵ر اسوج ۱۹۵۹ بکرمی بنتی ہے۔

ترمیم اور اضافے

تذکرۃ النساے نادری میں نادرؔ دہلوی کی ترامیم اور اضافوں کا زمانہ دوسرے مسودے کی تکمیل ۱۸۷۵ء سے آخری مسودے کی تکمیل ۱۹۰۲ء تک کا ہے۔ ۱۹۰۲ء/ ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۵۹ بکرمی میں تیار ہونے والا مسودہ مصنف کا ساتواں مسودہ تھا۔ انھوں نے یہ بھی واضح کیا کہ یہ تذکرہ دو حصوں، گلشنِ ناز اور مرآتِ خیالی کی صورت میں چھپا تو یہ مصنف کا پانچواں مسودہ تھا۔(۲۸) گویا تذکرۃ النساے نادری، مطبوعہ ۱۸۸۴ء مصنف کا چھٹا مسودہ ہوا۔ یہ سب مصنف کے ترمیم شدہ مسودوں کی روایتیں ہیں۔ نادرؔ دہلوی نے تذکرے کے پہلے چار مسودات کے بارے میں واضح نہیں کیا۔ ان کے بارے میں قرائن سے اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔ مصنف کے بیانات اور قرائن سے تذکرۃ النساے نادری کے مسودوں (دوسرے لفظوں میں تذکرے کی روایتوں) کی ترتیب یوں بنتی ہے:

۱۔ پہلا مسودہ: ابتدائی مسودہ۔ غالباً تذکرے کے آغاز کے فوراً بعد ۱۸۷۰ء میں تیار ہونے والا مسودہ۔

۲۔ دوسرا مسودہ: پہلے مسودے کے بعد تکمیلِ تذکرہ ۱۸۷۵ء کے وقت تیار ہونے والا مسودہ۔

۳۔ تیسرا مسودہ: اشاعت کے لیے تیار ہونے والا مسودہ جس کی بنیاد پر ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء میں تذکرے کا پہلا حصہ گلشنِ ناز شائع ہوا۔

۴۔ چوتھا مسودہ: ''چمن انداز'' کو شامل کر کے تیار ہونے والا مسودہ۔

۵۔ پانچواں مسودہ: تذکرے کے دوسرے حصے کی اشاعت کے لیے تیار ہونے والا مسودہ۔ مصنف نے واضح کیا ہے کہ تذکرے کے علاحدہ علاحدہ جو حصے چھپے، وہ تذکرے کے پانچویں مسودے پر مشتمل تھے۔ اس مسودے میں ''چمن انداز'' کا متن گلشنِ ناز کا تکملہ اور اس کے قطعاتِ تاریخ شامل تھے۔ اس مسودے کی بنیاد پر ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں تذکرے کا دوسرا حصہ مرآتِ خیالی چھپا۔

۶۔ چھٹا مسودہ: تذکرے کے دونوں حصے بالترتیب مع ضمیمہ ''چمن انداز''، تکملۃ التکملہ گلشنِ ناز اور تینوں (گلشنِ ناز، ''چمن انداز'' اور تذکرۃ النساے نادری) کے قطعاتِ تاریخ و تقریظات، فہارسِ شاعرات مشمولہ، وغیرہم سمیت۔ اس مسودے کی بنیاد پر تذکرۃ النساے نادری کی ۱۸۸۴ء کی اشاعت عمل میں آئی۔

۷۔ ساتواں مسودہ: تذکرے کی مکمل اشاعت ۱۸۸۴ء کے بعد مصنف کی نظرِ ثانی اور اضافات کے بعد ۱۹۰۲ء میں تیار ہونے والا مسودہ۔ اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی، اس لیے نادرؔ دہلوی نے ترمیمیں اور اضافے

۱۹۰۳ء میں دیگر ملحقات کے ساتھ ملحقۂ مرآتِ خیالی میں شائع کردیے۔

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ تذکرۃ النساے نادری میں اضافوں اور ترمیمات کا متحرک ترین دورانیہ ۱۸۷۱ء سے ۱۸۸۳ء تک کا ہے۔ ۱۸۷۵ء میں تذکرے کے دوسرے مسودے سے ۱۸۸۳ء میں چھٹے مسودے کی تکمیل تک نادر دہلوی شاعرات کے حالات اور کلام میں مسلسل اضافے کرتے رہے لیکن اس کے بعد آخری مسودہ (۱۹۰۲ء) اس طرح کے اضافوں سے خالی نظر آتا ہے۔ اس آخری مسودے میں محض واقعات اور معلومات میں کسی حد تک اضافے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نادر دہلوی عملاً اور ذہنی طور پر ۱۸۸۳ء میں چھٹے مسودے کی تکمیل تک اپنے تذکرے کو مکمل کر چکے تھے۔ گویا مسودۂ ہفتم کی تیاری محض اس لیے تھی کہ بعد کی کچھ معلومات اور ابوالقاسم محتشم کے نام تنقیدی رقعہ تذکرے میں شامل ہوسکیں۔ یہاں غور کرنے والی بات یہ ہے کہ تذکرۃ النساے نادری میں نادر دہلوی کی معاصر سبھی شاعرات تو شامل نہیں ہیں، اس لیے ساتویں مسودے میں فطری طور پر کچھ نہ کچھ شاعرات کا اضافہ لازماً ہونا چاہیے تھا۔ نادر دہلوی کے تعلقات اور محنت سے یہ بعید نہ تھا کہ وہ اس طویل عرصے میں ایسی شاعرات کی تعداد اور اُن کے حالات و کلام میں اضافے نہ کرسکتے جو تذکرے میں موجود نہیں تھے۔ اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نادر دہلوی خود ہی تذکرے میں شاعرات کا اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے یا پھر اس اَمر کے لیے کوشش کرنے کو اہم نہیں سمجھتے تھے، چناں چہ اٹھارہ سال کے اس طویل عرصے میں اُنھیں جو کچھ معلومات آسانی سے مل گئیں، اُنھوں نے اِسی پر اکتفا کرتے ہوئے تذکرے کا ساتواں مسودہ تیار کرلیا۔

سببِ تالیفِ تذکرہ

تذکرۃ النساے نادری کے "سببِ تالیف" میں نادر دہلوی نے تذکرے کا سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رنج میرٹھی کے بہارستانِ ناز کی دونوں اشاعتوں کو بہ نظرِ غور دیکھا اور مقابلہ کیا تو دونوں میں بڑا فرق پایا۔ اس کے علاوہ دیگر تذکروں میں بھی اختلافات پائے تو دلِ تحقیق منزل میں سمایا کہ مجھے بھی تذکرہ لکھنا چاہیے، تاکہ جو شاعرات اِن تذکروں میں نہیں پائی جاتیں اور میرے پاس اُن کا کلام موجود ہے، اس تذکرے کے ذریعے قیدِ کتابت میں آجائیں گی۔(۲۹)

ان وجوہات کے بین السطور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نادر دہلوی کے دل میں خود ایک تذکرۂ شاعرات لکھنے کا خیال اس لیے آیا کہ دوسروں کی غلطیوں کی نشان دہی کرکے وہ اپنی تذکرہ نگاری کی دھاک بٹھائیں اور کچھ نئی شاعرات کے حالات و کلام سے اپنے تذکرے کو اہم ثابت کریں۔ یوں ان تفصیلات اور بیان نادر کے بین السطور سے واضح ہوا کہ نادر نے کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تذکرۃ النساے نادری تالیف کرنے

کا آغاز نہیں کیا، بل کہ اُن کی یہ کوشش ردِعمل کا نتیجہ تھی۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے حکیم قطب الدین باطنؔ نے شیفتہ کے گلشنِ بے خار کے ردِعمل میں اپنا تذکرہ گلستانِ بے خزاں لکھا۔ نادرؔ دہلوی کے ردِعمل کا سبب رنجؔ میرٹھی کا تذکرہ بہارستانِ ناز بنا اور ۱۸۸۴ء میں تذکرے کی دوسری اشاعت تک رنجؔ میرٹھی سے اُن کا معارضہ بھی چلا۔ بعد میں ابوالقاسم محتشم بھوپالی سے بھی تذکرہ نگاری کے حوالے سے اُن کا معرکہ ہوا۔ ان شواہد سے معلوم ہوا کہ نادرؔ دہلوی نے اپنا تذکرہ رنجؔ میرٹھی کے تذکرے بہارستانِ ناز کے ردِعمل کے طور پر شروع کیا اور بعد میں بہ تدریج نظرِ ثانی، ضمیموں اور تکملوں کے ذریعے اس کے مواد میں اضافے کرتے رہے۔

املائی خواص

مدونین تذکرہ میں مستعمل متون میں املا کی بعض خرابیاں نظر آتی ہیں، کچھ الفاظ کی مخصوص شکلیں بھی کتابت ہوئی ہیں۔ ان میں سے کچھ کا تعلق کتابت سے اور کچھ کا مصنف کے امتیازات سے ہے۔ ایسی تمام غلطیوں اور اختیارات کو درست اور جدید املا سے بدل دیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ تصحیح تصحیح ہی رہے، تحریف نہ بن جائے۔

ان املائی خواص یا غلطیوں اور اختیارات کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) مصنف اور کاتب نے اگرچہ یائے معروف و مجہول کا امتیاز برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض مقامات پر یہ امتیاز برقرار نہیں رہ سکا۔ اس کی طرف مصنف نے بھی اپنے درج بالا بیان میں نشان دہی کی ہے۔ ایسے تمام مقامات کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

(۲) متن میں کافی جگہ ہائے مخلوط استعمال کی گئی ہے۔ اس کے باوجود ایسے بہت سے الفاظ میں ہائے مفرد کتابت ہوگئی ہے جہاں ہائے مخلوط کا محل تھا۔ مثلاً بہی (بھی)، تہی (تھی)، تہا (تھا)، کہایا (کھایا) پڑہا (پڑھا)، اکہٹا (اکھٹا)، لکہنا پڑہنا (لکھنا پڑھنا)، گہر (گھر)، دلہن (دُلھن)، گہوڑے (گھوڑے)، ڈہنگ (ڈھنگ)، لکہنوی (لکھنوی)، وغیرہ۔ مثالیں بہت زیادہ ہیں جنھیں درج کرنا خواہ مخواہ ضخامت کا بڑھانا ہے۔ ایسے تمام الفاظ کی املا درست کر دی گئی ہے۔

(۳) اس کے خلاف ایسے الفاظ میں کاتب نے ہائے مخلوط کتابت کر دی ہے جہاں ہائے مفرد کا مقام تھا۔ مثال کے طور پر چھکے (چہکے، ص ۱۸)، نھادیم (نہادیم، ص ۲۱)، نھال (نہال، ص ۲۱)، نوبھار (نوبہار، ص ۱۵)، مشھور (مشہور، ص ۸۷)، مھربان (مہربان، ص ۴۷)، بھتان (بہتان، ص ۱۸۰)، نورجھاں (نور جہاں، ص ۱۰)، جھاں (جہاں، ص ۱۴)، پھنچے (پہنچے، پشت ورق ۱)، مذھبی (مذہبی، ملحقۂ مرآتِ خیالی، ص ۱۴)، پھاڑیوں (پہاڑیوں، "عریضہ"، ص ۸)، وغیرہ۔

(۴) بعض لفظوں میں نون غنہ کا امتیاز قائم رکھا گیا ہے لیکن بعض جگہ یہ امتیاز قائم نہیں رہ سکا اور نون غنہ میں اعلانِ نون موجود ہے۔ جیسے فزون، ہون، دشمنون، چندتون، یہان، مشتاقون، ہین، مین، قومین، نامون، علمون، پیادون، وغیرہ۔

(۵) الفاظ کو ملا کر لکھنے کا رجحان بھی اکثر نظر آتا ہے۔ جیسے اِسکا، اُسکا، اِسکے، اُسکے، اُسنے، جسکا، جسکی، جسکے، اُنکا، اُنکو، اُنکے، جنکا، جنکے، جنکی، اُنپر، میںنے، کرینگا، عورتونکا، جسوقت، اُسوقت، اِسطرف، اِسقدر، کسقدر، کیطور، کرینگی، کیطرح، جائیگا، ابتو، تیرےطرف، خوشخرام، دھڑکونسے، آہنگ، طاقتور، واقفکار، اخبارونمین، قلمرو، خانۂنمین، قیدیونمین، وغیرہم۔ بعض جگہ تو تین تین الفاظ ملا کر کتابت کیے گئے ہیں جیسے: اسطرحپر، اسطرحکی، رہجائیگا، وغیرہ۔

(۶) جہاں ''نہ'' استعمال ہوا ہے، ایسے بعض مقامات پر اُسے اگلے لفظ کے ساتھ ملا کر لکھا گیا ہے۔ جیسے: نکریں (نہ کریں)، نہو (نہ ہو)، نہوا (نہ ہوا)، نتواں (نہ تواں)، نسمجھا نہوئی، نکھلا، نتہا، نچھوڑا، نکرنی، نسمجھو، نفرمائی، نکیجے، نملیں، وغیرہ۔

(۷) اسی طرح ''بہ'' کو بھی بعض جگہ کاتب نے اگلے لفظ کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔ مثلاً: بنام (بہ نام)، بکلید (بہ کلید)، بکشادہ (بہ کشادہ)، بمیدان (بہ میدان)، وغیرہ۔

(۸) ''بے'' کو بھی کاتب نے اکثر جگہ آئندہ لفظ کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ مثال کے طور پر ''بیشک''، بیمہر (بےمہر)، بیمروت، بیرحم، وغیرہ۔ ایسے الفاظ میں ''بے'' کو علاحدہ درج کیا گیا ہے۔

(۹) جس لفظ، یا جن الفاظ کے آخر اور شروع میں، ایک حرف دو بار اکٹھا آ گیا ہے، کاتب التزاماً اُنھیں ایک حرف سے لکھ کر اُس پر شدّ لگاتا ہے۔ مثلاً اسّے (اس سے)، برتّے (برتتے)، سنّے (سننے)، وغیرہ۔

(۱۰) گ کا مرکز موجود ہے لیکن کہیں کہیں اس کے بغیر بھی کتابت ہو گیا ہے۔ مثلاً کر (گر)، نکہ (نگہ)، کویت (گویت)، کیرش (گیرش)، یادکار (یادگار)، کھبراتے (گھبراتے)، سک (سگ)، وغیرہ۔

(۱۱) اس کے خلاف بعض جگہوں پر کاف پر ایک مرکز خواہ مخواہ لگ گیا ہے۔ مثلاً: گند (کند)، گردم (کردم)، گہ (کہ)، وغیرہ۔ ایسا ممکنہ طور پر کاتب کی غلطی سے ہوا ہے۔

(۱۲) دیسی الفاظ میں ٹ، ڑ، ڈ پر چھوٹی طا ''ط'' عموماً لگائی گئی ہے۔ صرف تین چار جگہوں پر 'ٹ' کے لیے 'تا' کے دو نقطوں پر چھوٹی طا لگائی گئی ہے۔ مثلاً: اٹھانا، اُلٹی، میرٹھ، وغیرہ۔

(۱۳) بعض الفاظ میں ہمزہ ہے لیکن کاتب یا مصنف اس کی جگہ 'یا' استعمال کرتا ہے۔ ایسے کافی الفاظ اِ تذکرے میں موجود ہیں۔ جیسے: ناجایز، آفاق جلایر، علی جلایر، خلایق، آرایش، شایع، (ملحقۃ مرأت خیالی میں:

۱۹اور ۲۳ پر مصنف / کاتب نے "شایع" لکھا ہے)، تایب (ص ۵۴ پر "تائب" لکھا ہے)، جایز، گنجایش، قصاید، زایری، شایستگی، طوایفان، صنایع بدایع، عایشہ، آیندہ، شاید، جوایٹ، کا-تجھیاں، جواہر العجایب، نمایش، زیبایش، طوایف، حمایل، زراین، شمایل، نایکا، لطایف وظرایف، نالایق، نتایج، پرایمر، گایڈ، رایٹر، پیدایش، لایق، مضایقہ، رامایں، خلایق، خصایل، بکاین، فرمایش، فہمایش، وغیرہ۔

(۱۴) اس کے خلاف جن الفاظ میں 'یا' ہے، ایسے کچھ الفاظ میں ہمزہ استعمال کی گئی ہے۔ جیسے: لئے، کئے، دئے، چاہئے، دیکھئے، سنئے، چاہئے، کیجئے، دیجئے، پڑھئے، گزرئے، جانئے، گوئے (گوتے)، کہئے، پوچھئے، بداؤنی (بدایونی)، وغیرہ۔ یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ الفاظ میں 'یا' اور ہمزہ کا بدل غلط العام ہے اور کتاب ہٰذا میں ایسے الفاظ کے املا پر عموماً اختیارِ مصنف کا گمان کیا جاسکتا ہے۔

(۱۵) بعض الفاظ میں ہمزہ لازمی چاہیے لیکن ایسے کچھ الفاظ بدونِ ہمزہ کتابت ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر جاے (جائے)، تمیں (تمئیں)، ہوے، جاو، ہندوں (ہندؤں)، لکھنو، ہیت (ہیئت)، شاعراوں، وغیرہ۔ یہ واضح طور پر کتابت کی اغلاط لگتی ہیں۔

(۱۶) عربی الاصل الفاظ کے آخر میں آنے والا ہمزہ اُردو میں آواز نہیں دیتا، اس لیے اس کا لکھنا محض تکلف ہے، چناں چہ مستند املا کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایسے تمام الفاظ کے آخری ہمزہ نکال دی گئی ہے۔ کتاب ہٰذا میں ایسے بہت سے الفاظ میں یہ ہمزہ غلط العوام کی تقلید میں لگائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر: خداء، اجزاء، شعراء، تذکرۃ الشعراء، ابتداء، تذکرۃ النساء، تناء، ثناء، حاء حطی، خاء معجمہ، باء، پاء، یکتاء، ڈاء، مدعاء، وغیرہ۔

(۱۷) دو چار لفظ ایسے بھی ہیں جن میں بعض جگہ "یا" کتابت ہی نہیں کیا گیا۔ مثلاً: فرمائے (فرمایئے)، فرمائی (فرمایئے)، وغیرہ۔

(۱۸) جو الفاظ الف پر ختم ہوتے ہیں، ان میں سے بعض میں الف کے بجاے ہاے ہوز استعمال کی گئی ہے۔ جیسے: والہ (والا)، راجہ (راجا)، دھوکہ (دھوکا)، آنہ (آنا)، روپیہ (روپیا)، پیسہ (پیسا)، پتہ (پتا)، جھروکہ (جھروکا)، پاٹہ نالہ (پاٹا نالا)، ڈیرہ (ڈیرا)، مٹیہ (مٹیا)، تھتھہ (تھتھا)، ذرہ (ذرا)، نرالہ (نرالا)، تمغہ (تمغا)، دھبہ (دھبا)، ڈلہ (ڈلا)، مہاراجہ (مہاراجا)، معتہ (معتا)، چٹھہ (چٹھا)، وغیرہ۔ اُردو املا کے اُصول کے مطابق مقامی اور دیسی زبان کے الفاظ اکثر و بیشتر الف پر ختم ہوتے ہیں، سواے چند خاص ناموں یا اسمِ معرفہ کے۔ اس کی خلاف ورزی غلط العام ہے۔ کتاب ہٰذا کے متن میں بھی مندرجہ بالا الفاظ میں اسی غلط العام کی پیروی کی گئی ہے، جنھیں درست کر دیا گیا ہے۔

(۱۹) اس کے خلاف دو ایک مقامات پر ایسے لفظ الف سے لکھے ہیں جن کا اختتام ہاے ہوز پر ہوتا

ہے۔ مثال کے طور پر جھرا (جھرو)، مزا (مزہ)، آسیا (آسیہ) ایسے تین لفظ ہیں۔

(۲۰) غلط العام کی تقلید میں بعض الفاظ کے آخر میں ایک زائد ہاے ہوز کتابت کی گئی ہے۔ مثلاً موقعہ، مصرعہ (لغت میں موجود لیکن فصیح نہیں)، یہہ، نگہہ، ساتھہ (ساتھ)، رتھہ (رتھ)، دیکھہ (دیکھ)، سانٹھہ (سانٹھ)، آنکہ (آنک)، میرٹھہ (میرٹھ)، مہہ (مہ)، بوجھہ (بوجھ)، واقعہ (واقع)، منہہ (منھ)، کچھہ، کچھہ (کچھ)، مینہہ (مینھ)، جگہہ (جگہ)، کاٹھہ (کاٹھ)، لاکہہ (لاکھ)، فی البدیہہ (فی البدیہ)، وغیرہ۔

(۲۱) اسی طرح بعض الفاظ میں ایک زائد "یا" بھی کتابت ہوئی ہے۔ مثلاً کوئیل، پائیدار، قائیل، تریئین، گھیئے، شائیگاں، گائیوں، وغیرہ۔ ایک امکان یہ ہو سکتا ہے کہ کاتب یا مصنف نے کسرہ کی حرکت کے لیے 'یا' استعمال کی ہو۔ یہ اس لیے بھی ممکن ہے کہ مضموم آواز کے لیے کاتب نے بعض حروف میں "واؤ" بھی استعمال کی ہے۔

(۲۲) کچھ الفاظ میں ضمہ بالحروف کے طور پر "واؤ" بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر فوحش (فُحش)، اوسکے (اُس کے)، رولاتی (رُلاتی)، اولٹے (اُلٹے)، رولا (رُلا)، اولجھنے (اُلجھنے)، ہندووٗں، دوہرادی (دُہرادی)، گوہر (گُہر)، وغیرہ۔ یہ بھی قدیم اندازِ کتابت کی پیروی کو ظاہر کرتا ہے۔

(۲۳) بعض الفاظ میں ایک زائد ہمزہ خواہ مخواہ لگا دی گئی ہے۔ جیسے مئے (مے)، بجائے، ہندئیوں، چاہیئے، نئیم (نیم)، پئے (پے)، بلاؤ ستم (بلا وستم۔ غلط ترکیب)، کہیئو (کہیو)، کیئے (کیے)، ولائیتی (ولایتی)، مئی (مے)، پئیو (پیو!)، وغیرہ۔ یہاں بھی غلط العام کی پیروی کی گئی ہے۔

(۲۴) بعض الفاظ کا املا الف ممدودہ کے ساتھ ہے، انھیں الف ممدودہ کے بغیر لکھا گیا ہے۔ جیسے ارائش (آرائش)، انچہ (آں چہ)، اچار (آچار)، اچاری (آچاری)، اچاریہ (آچاریہ)، ان (آن)، اچارج (آچارج)، جہان ارا (جہاں آرا)، انکہ (آں کہ)، ماب (مآب)، امادہ (آمادہ)، قران (قرآن)، اشنائی (آشنائی)، انحضرت (آں حضرت)، ائی (آئی)، اہنگ (آہنگ)، اشنا (آشنا)، اب (آب)، دلارام (دل آرام)، افتاب (آفتاب)، تذکرہ اثارالشعراے ہنود (تذکرہ آثار الشعراے ہنود)، افاق (آفاق)، اپنے (آپ نے)، ارائش (آرائش)، وغیرہ۔ اس طرح کی غلطیاں بظاہر کتابت کی ہیں۔

(۲۵) اس کے خلاف بعض الفاظ میں خواہ مخواہ مد لگا دی ہے۔ مثلاً آفسوں (افسوں)، پھرآ (پھرا)، جوآنیکا (جوانی کا)، آب (اَب)، آپنے (اپنے)، آساتذہ (اساتذہ)، آخیر (اخیر)، وغیرہ۔ یہاں بھی بظاہر اغلاط کتابت والا معاملہ ہی لگتا ہے۔

(۲۶) یاے اضافت پر غلط طور سے ہمزہ لگایا گیا ہے۔ یہ بھی غلط العام کی پیروی میں کیا گیا ہے۔ ایسے کچھ الفاظ یہ ہیں: ابتدائی مضمون (ابتداے مضمون)، شعرائے، معرعۂ، روئے (رُوے)، بروئے، بروئی

(بروے)، بلاے ناگہانی، صہباے، پائی (پاے)، شوئی (شوے)، قباے، بلاے، بوے، پایاے، تماشائی (تماشاے)، بوے گل، آہوے، جفاے، مئی (مے)، سوداے، سراے، براے، پاے، پیراے، آرزوے، دریاے بلا، خداے، رسواے شہر، راے، روے زیبا، پاے استقلال، جزاے، موے، بجاے، وغیرہ۔

(۲۷) عربی کے جن الفاظ میں کھڑا زبر ہے، ایسے الفاظ کو اُردو میں لکھتے ہوئے کھڑے زبر کے بجاے الف کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اس میں اسم نکرہ یا خاص ناموں کو استثنادی جاتی ہے لیکن بعض زبان دان اور ماہرینِ زبان انھیں بھی الف سے لکھنے پر زور دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں تفصیل کے لیے رشید حسن خاں کی بے مثال کتاب اُردو املا سے رجوع کرنا چاہیے۔ زیرِ نظر کتاب میں بھی بعض ایسے الفاظ کھڑے زبر کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ مثلاً دعویٰ، دعوےٰ، مسےٰ، عقبیٰ، وغیرہ۔ اسی قبیل کے الفاظ پر بعض مقامات پر کھڑا زبر بھی نہیں لگایا گیا۔ جیسے مسے، دعوی، لیلی، مرتضی، عیسی، الہی، الہ آباد، لیلے، دعوے، وغیرہ۔ ان میں سے پہلی قسم کے الفاظ تو مصنف کے اختیار سے تعلق رکھتے ہیں، جب کہ دوسری قسم کے الفاظ کاتب کی غلطی سے بگڑ گئے ہیں۔ متن میں ان تمام الفاظ کا املا الف کے ساتھ اور یک ساں کر دیا گیا ہے۔

(۲۸) کاتب نے سنین کے ساتھ عموماً عیسوی، ہجری اور بکرمی سنین کے مخففات 'ء'، 'ھ'، 'ب'، کتابت نہیں کیے۔ متن میں ان کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

(۲۹) بعض الفاظ میں اصولاً اضافت کی "یا" لگنی چاہیے لیکن وہاں مصنف یا کاتب نے دو طرح کی غلطیاں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اضافت کی "یا" کے بجاے ہمزہ لگا دیا ہے، جب کہ بعض جگہ ہمزہ کے نیچے کسرہ لگا کر اضافت بنائی ہے۔ مثال کے طور پر یکتاءِ زمانہ، دلرباءِ زمانہ، خلفاءِ راشدین، دُعاءِ خیر، فداءِ سخن، ادباءِ، شعراءِ فن، بیاءِ موحدہ، تذکرۂ آثار الشعراءِ ہنود، حیات النساءِ تذکرہ، مقتضاءِ، خلفاءِ راشدین، وغیرہ۔ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ مصنف یا کاتب نے عموماً عربی الاصل الفاظ کے ساتھ ایسا کیا ہے۔ نمبر ۱۶ میں وضاحت کی گئی ہے کہ کاتب / مصنف نے عربی الاصل الفاظ کے آخر میں زائد ہمزہ لگائی ہے۔ اُسی ہمزہ کو یہاں اضافت کے لیے استعمال کرلیا گیا ہے۔ یہ کاتب نہیں، بل کہ مصنف کا اختیار معلوم ہوتا ہے۔

(۳۰) جو الفاظ یاے فوقانی یا یاے تحتانی پر ختم ہوتے ہیں اور ترکیب میں استعمال ہوتے وقت اس "یا" میں ہمزہ کی واضح آواز ظاہر ہوتی ہے، ایسے الفاظ کے لیے قبلِ تقسیم انجمن ترقیِ اُردو (ہند) نے ہمزہ لگانے کی سفارش کی تھی۔ اس دور میں اور اُس کے بعد عبدالستار صدیقی، رشید حسن خاں اور بعض دوسرے ماہرینِ زبان نے تحقیق کر کے سفارش کی کہ بے شک ایسے الفاظ میں "یا" پر ہمزہ کی آواز ظاہر ہوتی ہے لیکن نامناسب ہے کہ "یا"

پر اضافت کا ہمزہ لگایا جائے، بل کہ ایسے تمام الفاظ میں 'یا' کے نیچے کسرۂ اضافت یا زیر لگائی جائے۔ ایسے کچھ الفاظ اس کتاب میں بھی کسرۂ اضافت کے بجائے ہمزۂ اضافت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ مثلاً دردمندیٔ آن، گرمیٔ، شاطریٔ، رعنائیٔ، تُرکیٔ، تختیٔ، صراحیٔ، تشنگیٔ، ہم بزمیٔ، والیٔ، منشیٔ، تبدیلیٔ، ناکامیٔ، خوابیٔ، بدنامیٔ شت، وغیرہ۔ مندرجہ بالا تمام الفاظ میں مستند املا کے مطابق تصحیح کردی گئی ہے۔

(۳۱) مصنف نے امالے کا بھی خیال نہیں رکھا۔ اُنیسویں صدی کی مطبوعات میں یہ رُجحان عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے، بل کہ بیسویں صدی میں بھی یہ طرزِ عمل جاری رہا۔ امالے والے الفاظ کو لکھا 'ہاے ہوز' سے جاتا لیکن انھیں پڑھتے وقت امالہ کیا جاتا۔ اِس کتاب کا مصنف بھی اِسی کا پیرو ہے۔ تدوین کے دوران کتاب میں ایسے تمام مقامات پر الفاظ میں امالہ کیا گیا ہے۔

تدوین کا طریقِ کار

زیرِ نظر تدوین میں ذیل کے چار نسخے استعمال کیے گئے ہیں جو میری دست رس میں ہیں:

(۱) گلشنِ ناز: مطبوعہ مطبع فوق کاشی، دہلی؛ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۳ء؛ ۳۶ صفحات۔ تذکرۃ النساے نادری کا پہلا حصہ جو فارسی شاعرات کے تراجم پر مشتمل ہے۔

(۲) مرآتِ خیالی: مطبوعہ ایضاً؛ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء؛ ۹۶ صفحات۔ تذکرے کے دوسرے حصے ''چمن انداز'' تکملۂ گلشنِ ناز اور دیگر تحریروں پر مشتمل۔ اس کے سرِ ورق پر اسے تذکرۃ النساے نادری اور مرآتِ خیالی، دونوں ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ تذکرۃ النساے نادری چوں کہ مکمل تذکرے کا نام ہے، اس لیے امتیاز کی خاطر اس اشاعت کو مرآتِ خیالی سے موسوم کیا گیا ہے۔

(۳) تذکرۃ النساء: مطبوعہ اکمل المطابع، دہلی؛ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء؛ ۴ + ۱۹۴ صفحات۔ تذکرے کی مکمل اور آخری اشاعت۔

(۴) ملحقۂ مرآتِ خیالی: مطبوعہ مطبع سری رام پرکاش، دہلی؛ ۱۹۰۳ء؛ ۸ + ۳۶ صفحات۔ تذکرۃ النساے نادری میں ترامیم اور مُلحقات پر مشتمل۔

نادر دہلوی کی تصانیف و تالیفات میں سے کسی کے مسودے کا اب تک کہیں کوئی سُراغ نہیں مل سکا۔ تذکرۃ النساے نادری اور نادر دہلوی کے دیگر رسائل کے مسودات (اگر موجود ہیں تو) ہنوز پردۂ گم نامی میں ہیں۔ مُشفق خواجہ مرحوم نے لکھا تھا کہ نادر دہلوی کا ذخیرۂ کتب لالہ سری رام کو ملا اور لالہ سری رام کا ذخیرہ بنارس ہندو یونیورسٹی لائبریری، وارانسی؛ کتب خانہ جامعہ پنجاب، لاہور، انجمنِ ترقّیِ اُردو پاکستان، کراچی اور انجمنِ ترقّیِ اُردو

ہند، نئی دہلی میں تقسیم ہوکر بکھر گیا۔[۳۰] افسوس ان کتب خانوں میں بھی نادرؔ دہلوی کی کسی کتاب کے مسودے کا سراغ نہ لگ سکا۔ ایک قیاس یہ ہے کہ نادرؔ دہلوی نے تذکرے کے اپنے ذاتی نسخے میں ترمیمات اور اضافات نوٹ تو کر لیے ہوں لیکن تذکرے کی اشاعت کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے انھیں مبیضے کی صورت میں تحریر نہ کیا ہو۔ یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ نادرؔ دہلوی نے تذکرۃ النساے نادری کے حواشی میں یا صفحات اور سطروں کا حوالہ دے کر الگ سے ترامیم و اضافات نوٹ کیے ہوں اور تذکرے کی تیسری اشاعت کے لیے یہی اُن کا تیار مسودہ ہو۔

بہر حال، چوں کہ نادرؔ دہلوی نے تیسری اشاعت کے لیے ترامیم و اضافات ملحقۂ مرأتِ خیالی میں درج کر دیے ہیں، لہٰذا انھیں تذکرے کی دوسری اشاعت تذکرۃ النساے نادری میں شامل کر کے مذکورہ مسودے کی نقل تیار کی جاسکتی ہے اور پیشِ نظر ترتیب میں یہی کیا گیا ہے۔

تدوین کے لیے تذکرۃ النساے نادری کی دوسری اشاعت بنام تذکرۃ النساء کو بنیاد بنایا گیا ہے، کیوں کہ موجود نسخوں میں یہ مصنف کا نظرِ ثانی شدہ آخری نسخہ ہے۔ اس اُمر کا قوی امکان موجود ہے کہ تذکرے کی دوسری اشاعت کے لیے کتابت خود مصنف کی نگرانی میں ہوئی۔ تذکرے کے بعض بیانات سے اسے تقویت ملتی ہے۔ اوّل تو تذکرے کے ہر حصے کے بعد کاپی کی تحریر یا کتابت کی تاریخ لکھنا ظاہر کرتا ہے کہ ایسا خود مصنف کی مرضی سے ہوا ہے۔ دوسرے، صحت نامۂ تذکرہ کے آخر میں مصنف کا وہ بیان قابلِ غور ہے جس میں اُنھوں نے کتابت میں یاے معروف و مجہول کی غلطیاں رہ جانے اور اُن کے لیے 'ع' اور 'ف' کے اشارے کتابت کرنے کا ذکر کیا ہے۔[۳۱] اس کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نے اپنی نگرانی میں کتابت کرائی اور وہ کتابت شدہ صفحات کی پڑتال بھی کرتے تھے، چناں چہ اُنھوں نے پڑتال کے بعد اُن غلطیوں کی نشان دہی بھی کی جو اُن کی منشا اور مرضی کے خلاف کتابت ہوگئی تھیں۔ صرف یہی نہیں، یاے معروف و مجہول کی بعض اغلاط پر اُنھوں نے کاتب سے دستورِ قدیم کے مطابق 'ع' اور 'ف' کے نشان بھی لگوائے۔

اس شہادت سے صاف ظاہر ہے کہ تذکرۃ النساے نادری کی دوسری اشاعت (مطبوعہ ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء) مصنف کی نظرِ ثانی شدہ بھی ہے اور اس کی کتابت بھی مصنف کی نگرانی میں ہوئی ہے۔ اصولِ تدوین کے پیشِ نظر یہ اشاعت تذکرے کی تدوین میں بنیادی متن بننے کی اہل ہے، اور اسی کو پیشِ نظر ترتیب و تدوین کی درست طور پر بنیاد بنایا گیا ہے۔ مصنف نے تذکرے کی تیسری اشاعت کے لیے اس میں ضروری ترامیم و اضافات پر مشتمل مسودہ تیار کیا تھا، جو سرِ دست ناپید ہے۔ خوش قسمتی سے مرتب کو ملحقۂ مرأتِ خیالی کے نام سے نادرؔ دہلوی کی وہ آخری کتاب / رسالہ ہم دست ہوگیا جس میں مصنف نے تذکرے کی تیسری اشاعت کے لیے ترمیمات و اضافات درج کر دیے تھے، چناں چہ مصنف نے جہاں جہاں اور جن جن جگہوں پر ان ترمیمات اور اضافات کی نشان دہی کی

تھی، وہاں متعلقہ اضافے اور ترامیم کردی گئیں۔ یوں تذکرۃ النساے نادری موجودہ اشاعت منشاے مصنف کے مطابق اور مصنف کے نظرِ ثانی شدہ آخری نسخے کے مطابق ہے۔

اختلافاتِ نسخ کے لیے تذکرے کی پہلی اشاعت کے دونوں حصے گلشنِ ناز اور مرأتِ خیالی پیشِ نظر رہے۔ تصحیحِ متن اور حواشی کے لیے تذکرے کی ان اشاعتوں کے علاوہ کچھ ثانوی مآخذ بھی پیشِ نظر رہے جن میں تذکرۂ حسینی، بہارستانِ ناز، تذکرۂ شمیم سخن، حورِ مقصورات اور تذکرۃ الخواتین شامل ہیں۔ ان سب کی تفصیل کتابیات کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ملحقات اور ضمیمے

متن کے علاوہ اس کتاب میں دس ملحقات اور چار ضمیمے بھی شامل ہیں۔ ملحقات مصنفِ کتاب کی تحریریں ہیں اور ان کا تذکرے سے براہِ راست تعلق ہے، جب کہ ضمیمے مرتّب کی کوششوں سے ترتیب پائے ہیں۔

ملحقات میں سے کچھ تذکرۃ النساے نادری میں سے اور کچھ ملحقۂ مرأتِ خیالی میں سے لیے گئے ہیں۔ آخری ملحقہ اُن الفاظ کی فرہنگ پر مشتمل ہے جن کے معنے بین السطور یا حاشیے میں خود مصنف نے تحریر کیے ہیں۔ انھیں ترتیب دے کر ایک فرہنگ کی صورت دے دی گئی ہے۔

ضمیموں میں پہلا ضمیمہ مرتّب کے حواشی پر مشتمل ہے۔ خیال رہے کہ اس ضمیمے کے تحت وہ حواشی شامل ہیں جو متن اور ملحقات پر لکھے گئے۔ مقدمے کے حواشی اس کے آخر میں درج ہیں۔ دوسرا ضمیمہ ''اختلافاتِ نسخ'' کے لیے مخصوص ہے۔ اگلے دو ضمیمے اصل میں فرہنگ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں اُن الفاظ کی فرہنگ پیش کی گئی ہے جن کے استعمال کے حوالے سے وضاحت یا تشریح کی ضرورت محسوس ہوئی اور دوسرے حصے میں نسبتاً مشکل اور نامانوس الفاظ کی ''فرہنگ'' ہے۔

تذکرے میں مشمولہ شاعرات اور دیگر مشاہیر کی مکمل فہرست ملحقہ (۱) کے تحت درج ہے۔ یہ فہرست اصلاً مصنف کی تیار کی ہوئی ہے۔ اِسی فہرست میں موجودہ کتاب کے صفحات نمبر درج کر کے اِسے موجودہ کتاب کی تفصیلی فہرست بنایا گیا ہے۔

علامات اور رموزِ اوقاف

تذکرے کا پیشِ نظر متن مرتّب کرتے ہوئے درج ذیل علامات اور رموزِ اوقاف اختیار کیے گئے ہیں :

[ ] لمبی / کونی قوسین : یہ قوسین متن میں اُن عبارتوں کے شروع اور آخر میں استعمال کی گئی ہیں جو مصنف کی آخری نظرِ ثانی، ترامیم اور اضافات پر مشتمل ہیں۔ یہ عبارتیں ملحقۂ مرأتِ خیالی میں شائع ہوئی تھیں۔ مصنف کے نشان زد مقامات پر ان قوسین کے اندر یہ عبارتیں درج کردی گئی ہیں اور آخر میں

حاشیے کا نمبر دے کر حاشیے میں متعلقہ عبارت کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔ کچھ مقامات پر یہ قوسین ہجری اور بکری سنین کے متبادل عیسوی سنین درج کرنے کے لیے بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ "حواشی مصنف" میں لمبی قوسین کے اندر جو عبارتیں خفی حروف میں درج ہیں، وہ مرتّب کا اضافہ ہیں۔ یہ عبارتیں عموماً حوالوں کے لیے لکھی گئی ہیں۔

( ) چھوٹی / گول قوسین : یہ قوسین حاشیے کے نمبروں کے ارد گرد لگائی گئی ہیں اور عام طور پر متن سے ذرا اوپر کر کے ان میں حاشیے کے نمبر درج کیے گئے ہیں، تا کہ متن سے ممیّز رہیں۔

ـ : متن کے اوپر ڈوئی کا نشان بنا کر بھی حاشیے کے نمبر لکھے گئے ہیں۔ یہ نشان اور نمبر مصنف کے حواشی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان نمبروں کے حواشی علاحدہ سے ملحقہ (۹) کے تحت کتاب ہذا میں شامل ہیں۔

— متن میں بعض الفاظ پر ایک ستارے کا نشان ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے معنے بین السطور میں درج تھے۔ ایسے تمام الفاظ اور ان کے معنوں کو "ملحقہ (۱۰) فرہنگ، از مصنف" کے تحت جمع کر دیا گیا ہے۔

— مصنف نے "سنہ" کے سین کے اوپر سال درج کر کے سنین کا اندراج کیا ہے۔ مثلاً ۱۸۷۶ء، ۱۳۰۱ھ، ۱۹۳۲ بکرمی۔ موجودہ صورت میں کمپوزر کتابت میں یہ شکلیں ایک تو درست طور پر نہیں بنتیں اور دوسرے ذوقِ جمال پر گراں گزرتی ہیں، اس لیے اس کتاب میں ایسے تمام مقامات پر "سنہ" کا لفظ پہلے اور سال کا ہندسہ اس کے بعد درج کیا گیا۔ مثال کے طور پر مذکورہ بالا سنین کو "سنہ ۱۸۷۶ء"، "سنہ ۱۳۰۱ھ"، "سنہ ۱۹۳۲ بکرمی" کی صورت میں لکھا گیا ہے۔

— تخلّص پر تخلّص کا نشان التزاماً لگایا گیا ہے، چاہے متن میں ہو یا نہ ہو۔ تذکرے کے مطبوعہ متن میں اس کا التزام نہیں کیا گیا، بل کہ عام ناموں کی طرح تخلّص پر بھی ایک لکیر کھینچ دی گئی ہے۔ اس سے بعض جگہ تخلّص اور نام میں التزام کرنا ممکن نہیں رہا۔ اس لیے بھی، اور چوں کہ اُردو میں تخلّص کے لیے ایک نشان موجود ہے اور اسے استعمال نہ کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اس لیے بھی تخلّص پر مخصوص نشان لگانے کا التزام کیا گیا ہے۔

— کتابوں اور رسائل کے نام امتیاز کی خاطر نسخ میں کتابت کرائے گئے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ یہ مفید طرزِ عمل میں نے مکرمی ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی سے سیکھا اور اسے مفید تر پایا۔ ڈاکٹر صاحب کا طریقِ کار یہ ہے کہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ ایسی کتب اور جرائد کے نام نسخ میں کتابت کرائے جائیں جو علاحدہ حیثیت کی حامل ہیں، جب کہ مشمولہ کتب و رسائل و جرائد، کتاب کے مختلف حصّوں اور مضامین، وغیرہ کے خاص نام واوین (" ") کے اندر کتابت کرائے جائیں۔ اس کتاب میں ہر جگہ اسی کی پیروی کی گئی ہے۔

— رموزِ اوقاف کم سے کم استعمال کیے گئے ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ انھیں وہیں استعمال کیا جائے، جہاں ان کا استعمال کرنا لازم ہو۔ رموزِ اوقاف میں سکتہ (،)، وقفہ (؛)، ختمہ (۔)، بیانیہ (:)، ندائیہ (!)، سوالیہ اور استفہامیہ (؟)، وغیرہ کی علامتیں عام طور پر استعمال ہوئی ہیں۔

— الفاظ پر ضروری حرکات، خاص طور پر شدّ، ضمہ اور کسرہ لگانے کا خاطر خواہ اہتمام کیا گیا ہے۔ یاے معروف و مجہول اور ہاے مفرد و مخلوط کے امتیازات التزاماً قائم کیے گئے ہیں۔ یہ امتیاز مصنف نے بھی اکثر و بیش تر قائم رکھا ہے لیکن بعض مقامات پر کاتب یہ امتیاز برقرار نہیں رکھ سکا، چناں چہ خود مصنف نے ''صحت نامہ'' میں یہ التماس کیا تھا کہ تذکرۃ النّساے نادری میں یاے معروف و مجہول کی شناخت ملحوظ رہی ہے مگر بعض جگہ 'ع' اور 'ف' کا اشارہ کر کے لفظ کی درستی کرنی پڑی ہے۔ ایسے تمام مقامات کی تصحیح کر کے اُن کا املا درست کر دیا گیا ہے۔

— اُردو میں ''اور'' کا لفظ دو معروف معنوں میں مستعمل ہے۔ ایک لفظِ ربط کے طور پر اور دوسرے مزید کے معنوں میں۔ جہاں یہ لفظ ''مزید'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، وہاں الف پر زور دے کر اس کا تلفظ کیا جاتا ہے، چناں چہ کتاب ہٰذا میں ایسے تمام مقامات میں الف پر فتحہ یا زبر لگایا گیا ہے جہاں ''اَور'' بہ معنی ''مزید'' استعمال ہوا ہے۔ امتیاز کے لیے لفظِ ربط ''اور'' پر کوئی حرکت نہیں لگائی گئی۔

— مصنف یا کاتب نے بعض الفاظ کا املا غلط العام کی تقلید میں لکھا تھا۔ اُنھیں بدل کر اُن کی جگہ اُن الفاظ کا مستند املا لکھا گیا ہے۔ ایسے الفاظ کی تفصیل خصوصیاتِ کتابت کے تحت بیان ہوئی ہے۔ تفصیل کے لیے اُسی سے رجوع کرنا چاہیے۔

کتابت: متن کی کتابت قدرے جلی حروف میں کرائی گئی ہے۔ اس معاملے میں مجلسِ ترقّیِ اَدب، لاہور کی مقررہ روش اختیار کی گئی ہے۔ راقم الحروف کچھ عرصہ مجلسِ ترقّیِ اَدب میں مدیرِ کتب بھی رہا ہے۔ اس دوران تحقیق سے معلوم ہوا کہ جب مجلسِ ترقّیِ اَدب میں کلاسیکی اُردو کی کتابیں شائع کرنے کا منصوبہ بنا تو یہ طے کیا گیا کہ امتیاز کی خاطر کلاسیکی کتابوں کے متون جلی حروف میں طبع کیے جائیں گے۔ مقدّمے اور حواشی کی کتابت قدرے خفی رکھنے کی سفارش کی گئی۔ پیشِ نظر کتاب میں اسی نقطۂ نظر کے تحت متن اور ملحقات کے ساتھ ساتھ آخری دو ضمیمے بھی جلی حروف ہی میں کتابت کرائے گئے ہیں۔

شکریہ

کسی بھی علمی، تحقیقی، تدوینی کام کا انجام دینا فردِ واحد کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ عالم ہو یا عامی یا پھر

کوئی طالب علم، سب کو اپنے علمی اور تحقیقی کاموں میں دوسروں سے مدد حاصل کرنی پڑتی ہے۔ تذکرۃ النساے نادری کے پیشِ نظر تدوینی کام میں مجھے بھی اپنے مخلص کرم فرماؤں کا علمی تعاون حاصل رہا جس کے لیے میں فرداً فرداً سب کا شکر گزار ہوں۔

تحقیق و تدوین کا یہ کام ہر گز منصہ شہود پر نہ آ سکتا اگر گُرمانی مرکزِ زبان و اَدب، لمز، لاہور اور اس کی مُنتظمِ اعلا محترمہ یاسمین حمید اس علمی کام کے انجام دینے کا فیصلہ نہ کرتے۔ تذکرۃ النساے نادری کی تدوین میرے تحقیقی منصوبوں میں عرصے سے شامل تھی لیکن میرے دیگر منصوبوں کی طرح یہ بھی ہنوز منتظرِ اِلتفات تھی۔ اس تدوین کے لیے ضروری مواد اور کتابیں بے شک میرے پاس موجود تھیں لیکن اگر یہ تدوینی منصوبے کے طور پر مجھے تفویض نہ ہوتا تو شاید ابھی تک (اور نہ جانے کب تک) اس تذکرے کی تدوین شرمندۂ تعبیر رہتی۔ موجودہ تدوین کی کام یاب تکمیل محترمہ یاسمین حمید کی دل چسپی اور کاوشوں کی مرہونِ منت ہے۔

آج یہ کام مکمل ہوا ہے تو مجھے اپنے بہت مہربان مرحوم خلیل الرحمان داؤدی بہت یاد آ رہے ہیں۔ مُلحقۂ مراۃِ خیالی کا انتہائی کم یاب اور نادر نسخہ مجھے اُنھوں نے مرحمت فرمایا تھا۔ اگر یہ نسخہ نہ ملتا تو یقینی طور پر تدوین کا یہ کام مکمل نہ ہو سکتا۔ داؤدی صاحب مجھ ناچیز کے حال پر بڑا کرم کرتے تھے۔ ملحقۂ مراۃِ خیالی کا مطبوعہ نُسخہ بھی اُن کی کرم گستری کا ایک نمونہ ہے۔ اس طرح کے نادر و کم یاب تحفے آج بھی مجھے اُن کی یاد دلاتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس دُنیا میں نہیں لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اِس تدوینی کام کی تکمیل پر وہ خوش ہیں اور میری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ میں اُن کے درجات کی بلندی کے لیے دُعا گو ہوں اور اُن کے فرزند شقائق النعمان داؤدی کا شکر گزار ہوں۔

متن کی ترتیب کے دوران دو قابلِ صد احترام بزرگ ہستیوں کا تعاون میرے شاملِ حال نہ ہوتا تو یہ کام کبھی بھی موجودہ صورت میں پیش نہ کیا جا سکتا۔ محترم محمد سلیم الرحمان اور محترم مظہر محمود شیرانی سے میں از اوّل تا آخر راہ نمائی لیتا رہا۔ متن کی خواندگی اور تسہیل کے ساتھ ساتھ تدوین کے طریقۂ کار، فرہنگ اور مقدمے کی مباحث، ہر مقام پر ان دونوں کی راہ نمائی نے میرے لیے بڑی آسانیاں پیدا کیں۔ میں اسے اپنی خوش قسمتی پر محمول کرتا ہوں کہ محمد سلیم الرحمان جیسے منفرد ادیب اور زبان دان و زبان شناس اور ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی جیسے دقیقہ رس محقق و مدوّن اور زبان شناس نے مجھ بے مایہ کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور نہایت خندہ پیشانی سے میری راہ نمائی کرتے رہے۔ میں اس عنایت فراواں کے لیے دونوں بزرگوں کا تہِ دل سے شکر گزار اور احسان مند ہوں۔

مواد کے حصول کے لیے میں نے اپریل ۲۰۱۳ء میں نئی دہلی کا چکر بھی لگایا۔ دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے پروفیسر ڈاکٹر ارتضٰی کریم میرے مہربان دوست ہیں۔ اُنھوں نے ہر ممکن طور سے میری مدد کی اور دہلی یونیورسٹی لائبریری سے استفادہ کرنے کو ممکن بنایا، اس کے علاوہ نادر کی دو کتابوں قصۂ مہرو ماہ اور گلشنِ ناز کے عکس بنا

کردیے۔ ترتیبِ متن اور مقدمے کی تسوید میں ان کتابوں نے بڑی مدد دی۔

ڈاکٹر ارتضیٰ کریم کے حوالے سے دہلی یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر تنویر حسین، دہلی یونیورسٹی لائبریری کے ڈپٹی لائبریرین سلیم انور، اسی لائبریری میں شعبۂ اُردو کے عارضی انچارج ڈاکٹر محمد شافع ظفر نے بھی دہلی یونیورسٹی لائبریری سے استفادے میں آسانیاں بہم پہنچائیں۔ دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے طالب علم سعد مشتاق نے بھی دہلی میں میری آسانی کی خاطر بڑی زحمت گوارا کی۔ وہ اپنی موٹر سائیکل پر مجھے کتب خانوں اور کتاب فروشوں کے ہاں لیے لیے پھرے۔

قیامِ دہلی میں ڈاکٹر عبدالرشید اور اُن کے بھائیوں سے رابطہ اور تعارف ہوا۔ دُرگا پرشاد نادرؔ دہلوی اور اُس کے تذکرے کے بارے میں عبدالرشید صاحب کو بھی وقتاً فوقتاً پریشان کرتا رہا۔ وہ خندہ پیشانی سے میرے استفسارات کے جوابات دیتے اور دیگر ضروریات کے حصول کی خاطر تگ و دو کرتے رہے۔ اُنھوں نے نادرؔ دہلوی کے حالات کے ضمن میں بعض ایسے مآخذ کی نشان دہی اور اُن تک رسائی ممکن بنائی جو میرے علم میں نہیں تھے۔

اُستادِ محترم ڈاکٹر تحسین فراقی، اظہار سنز لاہور کے روحِ رواں برادرم محمد علی انجم، برادرم ڈاکٹر ضیاء الحسن، پروفیسر بشیر احمد قادری اور گرمانی مرکز کے ذیشان دانش بھی اس کام کی جلد از جلد تکمیل کے لیے مجھے مہمیز کرتے رہے۔

کتب خانۂ جامعہ پنجاب (پنجاب یونیورسٹی لائبریری) لاہور کے اسسٹنٹ چیف لائبریرین برادرم ڈاکٹر ہارون عثمانی (موجودہ: اُستاد شعبۂ اُردو، اورینٹل کالج، لاہور) نے نادرؔ دہلوی کی بعض نادر کتابوں تک رسائی کو ممکن بنایا۔ ان میں خاص طور پر نادرؔ دہلوی کا پہلا تذکرہ خزینتہ العلوم فی متعلقات المنظوم ہے جو فی زمانہ کم یاب بدرجۂ نوادر ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۷۹ء میں لاہور سے شائع ہوا لیکن اس کی محض ۲۵۰ کاپیاں طبع ہوئیں۔ تلاشِ بسیار کے بعد اس کا ایک نسخہ مجھے کتب خانہ جامعہ پنجاب، لاہور کے ذخیرۂ آزادؔ میں ملا۔ اسی ذخیرے اور ذخیرۂ شیرانی سے نادرؔ دہلوی کی تین اور کتابیں دست یاب ہوئیں۔ ان سب سے استفادے میں ڈاکٹر ہارون عثمانی، محمد ابراہیم (اٹنڈنٹ) اور کتب خانے کے دیگر عملے نے بڑا تعاون کیا۔

برادرم تصور حسین نے جس مہارت اور خوبی کے ساتھ اس کتاب کی مشینی کتابت کا کام سرانجام دیا، اُس کی داد نہ دینا اور شکریہ ادا نہ کرنا زیادتی ہے۔ میری تاخیر، پروفوں پر تصحیحات کی بھرمار اور غیر تجارتی فرمائشات سے دوسرے مشینی کاتب (کمپوزر) یقیناً عاجز آ جاتے، لیکن تصور صاحب نے ان مشکل مراحل کو خندہ پیشانی سے طے کیا اور میری حسبِ منشا کتابت کا کام مکمل کیا۔

ان کے علاوہ میرے شکریے کے سب سے زیادہ حق دار میری اہلیہ کشور ناہید اور میرے دونوں بچے حیدر علی اور دانش علی ہیں۔ اُنھوں نے مجھے وہ پُرسکون ماحول اور یکسوئی دی کہ میں اس علمی کام اور ذمے داری سے بخوبی

عہدہ برآ ہو سکا۔ اِس کام کے دوران میں نے جون تا اگست ۲۰۱۴ء، یعنی کم و بیش تین ماہ بے روزگاری میں بِتائے۔ اِس عرصے میں آمدنی کے ذرائع مسدود تھے لیکن کی تدوین کا کام جاری تھا۔ اِن مُشکل حالات میں میرے متعلّقین نے جس طرح میرا ساتھ دیا اور اپنے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، یہ مُجھ پر اِن تینوں کا اِحسان ہے۔ یہی نہیں، اِس دوران اِن تینوں کے حصّے کا بہت سا وقت بھی میں نے اِس کام میں صرف کر دیا۔ اِس کے باوجود یہ تینوں ہستیاں خندہ پیشانی کے ساتھ میرے آرام اور سکون کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہیں۔ میں اپنی بیوی اور بچوں کو اپنے حق میں نعمتِ خداوندی خیال کرتا ہوں اور اِس نعمت کے لیے خدا کا بے حد شکر گزار ہوں۔

آخر میں قارئین سے درخواست ہے کہ اس کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو ضرور مطلع کریں۔ میں اُن کا شکر گزار رہوں گا۔

لاہور، ۱۸ جنوری ۲۰۱۵ء رفاقت علی شاہد

حواشی

۱۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۴۔

۲۔ تذکرۂ آثار الشّعراے ہنود، صفحہ۱۲۶ تا ۱۲۹۔

۳۔ خزینۃ العلوم فی متعلّقات المنظوم، سرورق؛ رسالہ قوافی، سرورق؛ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۹۔

۴۔ خزینۃ العلوم فی متعلّقات المنظوم، صفحہ۲۳۸؛ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۵۔

۵۔ تذکرۂ آثار الشّعراے ہنود، صفحہ۱۲۶، ۱۲۷؛ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۶ تا ۸۔

۶۔ تذکرۂ آثار الشّعراے ہنود، صفحہ۱۲۶، ۱۲۷؛ خزینۃ العلوم فی متعلّقات المنظوم، صفحہ۷۹، ۸۱، ۸۳۔

۷۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۶؛ خزینۃ العلوم فی متعلّقات المنظوم، صفحہ۲۳۸، ۲۳۹۔

۸۔ دیبی پرشاد بشاشؔ نے "پرن میٹر" لکھا ہے [تذکرۂ آثار الشّعراے ہنود، صفحہ ۱۲۸]۔ معلوم ہوتا ہے کہ پیرومیٹر کا پُرانی اُردو میں یہی تلفظ کرتے ہوں گے۔

۹۔ خزینۃ العلوم فی متعلّقات المنظوم، صفحہ۲۴۱؛ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۱۵؛ تذکرۂ آثار الشّعراے

ہنود، صفحہ ۱۲۸۔

۱۰۔ تذکرۂ آثار الشعراے ہنود، صفحہ ۱۲۸؛ خزینۃ العلوم فی متعلّقات المنظوم، صفحہ ۲۴۲،۲۴۱؛ ملحقہ مرأت خیالی، صفحہ ۱۵۔

۱۱۔ مرحوم دہلی کالج، صفحہ ۱۶۷۔

۱۲۔ خزینۃ العلوم فی متعلّقات المنظوم، صفحہ ۲۷۰،۲۴۱؛ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۱۵،۱۱؛ قصۂ مہر و ماہ، صفحہ ۳؛ مرحوم دہلی کالج، صفحہ ۱۷۔

۱۳۔ خزینۃ العلوم فی متعلّقات المنظوم، صفحہ ۱۵، ۱۶؛ تذکرۃ النّساے نادری، سرورق، پُشت ورق ص ۳۔

۱۴۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی نادر دہلوی کی آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد اُن کی کسی مطبوعہ تحریر کی موجودگی کے شواہد نہیں ملتے۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی میں نادر دہلوی نے ایک جگہ ۲۱/ اپریل ۱۹۰۳ء کی تاریخ لکھی ہے [ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۳۳]۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن کی وفات اِس تاریخ کے بعد ہوئی۔

۱۵۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۱۲،۱۱۔

۱۶۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۳۳،۱۳۔

۱۷۔ اصل کتابوں کے علاوہ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۳۱ تا ۳۳۔

۱۸۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۱۳۔

۱۹۔ مرأتِ خیالی، سرورق، صفحہ ۹،۱۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۶۵، ۱۶۳۔

۲۰۔ مرأتِ خیالی، صفحہ ۱۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۶۔

۲۱۔ گلشنِ ناز، صفحہ ۶۔

۲۲۔ ایضاً؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۷۔

۲۳۔ گلشنِ ناز، صفحہ ۶۔

۲۴۔ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۷۔

۲۵۔ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۶۵۔

۲۶۔ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۷۔

۲۷۔ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۲۔

۲۸۔ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۲۔

۲۹۔ گلشنِ ناز، صفحہ ۶۔

۳۰۔ ”نگارستانِ بشیرؔ“ (مضمون)، صفحہ ۶۹۔

۳۱۔ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۹۲ و حاشیہ۔

ہوا مطبوع نادر یہ رسالہ	ہو مطبوع خلائق بھی خدایا
ہے دنیا میں سب مشتاق تھا جو	کہ نادر کی ہے یہ نادر تمنا

تذکرۃ النساء

یعنے شاعرہ عورتوں کا تذکرہ۔ جسکا تاریخی نام (مرات خیالی) ۱۲۹۲

ہے اور وقت انطباع (گلشن مروت نادر) ۱۳۰۱ اسکا لقب ہوا

مؤلفہ

عجز بنیاد درگا پرشاد پنشنر سررشتہ تعلیم ممالک پنجاب وغیرہ۔ ممبر دہلی بک سوسائٹی۔ انجمن مفید کلیہ امتحان دہلی وغیرہ۔ تاجر کتب

بنا بر پیشکش بندگان عالی متعالی

چھپکر تیار ہوا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

سنہ ۱۸۸۴ع

شہر دہلی کے اکمل المطابع میں سید فخرالدین کے اہتمام سے مؤلف نے چھپوایا ہے

قیمت مجلد ۱۲/۔ بکاغذ ولایتی فی نسخہ ۔ بکاغذ سفید ۔ بکاغذ بادامی ۔ محصول ڈاک فی نسخہ

قصص الاولین (۷۸۶) مواعظ الآخرین

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام

در بہار آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

۱۲۹۲

ملحقۂ مرأتِ خیالی

ملقب بہ اسم تاریخی

تاریخ خاص

۱۹۰۲ء

[illegible]

[illegible]

در بیان احوال بیبیاں اختلال شروعت تذکرۃ النساء نادری معروف بہ

مرأتِ خیالی جسکے دو نو حصے موسومہ بہ گلشن ناز و چمن انداز

مع تکملہ و ضمیمہ و عریضہ ۱۸۹۲ء میں چھپے تھے۔ اور رقعہ

راستی مرقعہ بے مجادلہ ۱۸۹۳ء کو شائع ہوا تھا۔ اب بہ ۱۹۰۲ء ملحقہ

تیار ہوا ہے (پہلے اسکے دو نو حصے الگ الگ ۱۸۶۵ء و ۱۸۷۶ء میں لالہ ... چھنو

مرحوم تاجر کتب و مالک مطبع نول کشی دہلی نے خود چھاپے تھے مگر قبول ... نہ ہوئے)

اسکے ہمراہ چند نوٹ متعلقہ تذکرہ ہیں جو مختلف اوقات میں لکھے گئے ہیں

سنہ ۱۹۰۲ عیسوی

دفعہ اول ۵۰۰ — قیمت فی جلد ۴ /

در مطبع سیرام پرکاش دہلی باہتمام ڈاکٹر سیرام کرشن چھپا

قیمت تذکرۃ النساء نادری — ... مع ... ۴ / محصول ڈاک علاوہ

ہوا مطبوع نادر یہ رسالہ　　ہو مطبوعِ خلائق بھی خدایا
رہے دنیا میں مدّت تک یہ قائم　　کہ نادر کی ہے یہ نادر تمنّا

تذکرۃ النّساء

یعنی شاعرہ عورتوں (۱) کا تذکرہ، جس کا تاریخی نام (مراتِ خیالی) ۱۲۹۲[ھ]
ہے اور وقتِ انطباع (گلشنِ مروّتِ نادر) ۱۳۰۱[ھ] اِس کا لقب ہوا

مولفہٗ

عجز بنیاد دُرگا پرشاد، پنشنر سررشتۂ تعلیم ممالکِ پنجاب وغیرہ، منیجر دہلی
بک سوسائٹی، ایجنٹ (۲) دفتر کلیدِ امتحان دہلی وغیرہ، تاجرِ کتب

بنا بر پیش کشِ بندگانِ عالی متعالی

چھپ کر تیار ہوا ہے۔ گر قبول اُفتد، زہے عزّ و شرف

سنہ ۱۸۸۴ء

شہر دہلی کے اکمل المطابع میں سیّد فخر الدین کے اہتمام سے مؤلف نے چھپوایا ہے

تعداد جلد: ۱۲۵۰۔ بر کاغذ ولایتی، فی نسخہ ۱۲؍۔ بر کاغذ سری رام پوری ۱۰؍۔ بر کاغذ بادامی ۸؍۔ محصول ڈاک فی نسخہ ۱؍۔ رجسٹری ۲؍

حصارِ سعادت پناہِ نُو باد ۱۳۰۱ ہجری (۳)

ھوالنادر

یہ نادر ہیچ کارہ گو ہے شاہا! رسالہ نادرہ پہ نذر لایا
ہو یہ مقبول، ہے میری تمنا کہ خونِ دل بہت ہے میں نے کھایا

کتبہ سید عبداللطیف —— دولتِ عمرت فزوں باد (۱۳۰۱ نبوی) [مطابق ۱۸۸۴ء]

....

ھوالقادر

خاتمہ بالخیر ہو یا رب کریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۴)
خدایا تُو معبود و مسجود ہے
سوا تیرے جو ہے، سو نابُود ہے

....

maablib.org

دیباچۂ مصنّف

maablib.org

حمد و نعت کے بعد شعر و سخن کے مشتاقوں کو معلوم ہو کہ سمبت ۱۹۳۲ راجا دھرم نیت بکر ماجیت مطابق سنہ ۱۸۷۵ عیسوی موافق سنہ ۱۲۹۲ ہجری کو یہ تذکرۃ النساء نادری تیار ہوا تھا، جس کا پہلا حصہ ملقب بہ گلشنِ ناز، ایک سال بعد حلیۂ طبع سے آراستہ ہوا۔ اُس کے دو برس بعد دوسرا حصہ بہ نامِ "چمن انداز" زیورِ طبع سے پیراستہ ہوا، مگر میرا دل چاہتا تھا کہ دونوں ایک ہی جلد میں رہتے، تا کہ فارسی و اُردو شعروں کا ذوق اور ابتداے مضمون کا شوق، ایک ساتھ ہی لُطف دیتا۔ اسی سبب سے اب ان کو بہ ایزادیِ ضمیمۂ حصۂ ثانی و تکمیلِ تکملۂ حصۂ اوّل، مع اُن تقریظوں اور تاریخوں کے، جو وقتاً فوقتاً حاصل ہوئی تھیں، اِکھٹا کر کے شائع کرتا ہوں۔ اللہ بس، ماسوا ہوس!

[دیباچہ بنابر انطباعِ دفعۂ ثالث]

واضح راے فیض پیراے ناظرانِ باعزّ و شان ہو کہ سنہ ۱۳۲۰ ہجری و سنہ ۱۹۰۲ عیسوی مطابق سمبت ۱۹۵۹ بکرمی کو یہ کتابِ فیض انتساب، مع ملحقہ مکمل کر کے بنابر انطباعِ دفعۂ ثالث، مولّف نے اپنی عمر کے اُنہتر ویں (۶۹) سال میں، بہ حسابِ شمسی، دیکھ بھال کر رکھی ہے۔ گویا یہ مولّف کا ساتواں مسودہ ہے، جو اُس نے قمری حساب سے اٹھائیس (۲۸) برس میں جمع کیا ہے، کیوں کہ اوّل دفعہ جو اِس کا حصہ حصہ الگ الگ چھپا تھا، وہ پانچویں مسودے کی نقل تھا۔ اب اگر یہ تذکرہ میری حینِ حیات، بہ فضلِ ربّ الکائنات، چھپ گیا تو گویا صلۂ محنتِ شاقۂ سال ہا سال کا مل گیا۔ آئندہ مرضیِ مولا، از ہمہ اولا۔

اِس ترمیم اور تکمیل کی تاریخِ عیسوی اِس فقرہ سے ظاہر ہے:

(تذکرۂ نساۓ نادری نام نہاد) ۱۹۰۲ء [۵]

تمہیدی مضمون، جس کا تاریخی نام ''ریاض الفیض'' ہے
۱۹۳۲[سمبت]

نخل بندیِ چمنستانِ مضامین و معانی، در بیانِ سببِ آرائشِ ایں گلشنِ پُر بہارِ جاودانی

اے اشرف زمانہ زمانے کرم نما   در ہاے بستہ را بہ کلیدِ کرم کشا

کیا خدا کی قدرتِ کاملہ ہے کہ اُس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور تعلیم اور تعلّم کو شرف کے حاصل کرنے کا ذریعہ ٹھہرایا۔

پاربتی جی، سیتا جی: الا، اکثر اس زمانے کے مردوں نے اپنا افتخار زیادہ کرنے کی نیت سے عورتوں کو بے علم رکھنا پسند کیا، ورنہ دیکھو ہندوؤں میں سری پاربتی جی اور سیتا جی، وغیرہما سنسکرت دان بہت سی عورتیں گزری ہیں، بل کہ بعض کبتائی یعنی شاعری بھی کر گئی ہیں، جن کا حال مقدمے کی دوسری فصل میں لکھا جائے گا۔

پراکرت یا بھاشا جس وقت سے جاری ہوئی، اُس وقت تک بھی ہندوؤں کی عورتیں لکھنا پڑھنا سیکھتی رہیں۔ بھوج پربندھ میں ہے کہ ''اس راجا کی قلم رو میں زنانے مدرسے جاری تھے۔ ہر پرگنے میں علمی مجلس مقرر تھی۔'' بالفعل، سرکار کی بدولت جو انجمنیں اور سوسائٹیاں انعقاد پا رہی ہیں، اُنھیں کا نمونہ سمجھو۔

اس زمانہ کے بعض بعض شریف [6] خاندانی ہندو ایسا تو بے شک کرتے ہیں کہ بال بدھوایا نوجوان رانڈ عورت کو ناگری، خواہ گورمکھی کے حروف سکھا بشن سہسر نام گیتا یا آنگ سکھ منی جب جی وغیرہ پڑھا دیتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بیوہ عورت پر عبادتِ معبود زیادہ تر فرض ہے۔ سہاگن اپنے خاوند ہی کی فرماں برداری کو عین عبادت سمجھے [7]، اور ظاہر ہے کہ ''بے علم نتواں

خدارا شناخت'' کا مقولہ بہت درست ہے۔ پس بیواؤں کو خدا شناسی کے لیے علم سکھایا جاتا ہے تو خاوند والیوں کو اس نظر سے پڑھانا واجب ہے کہ وہ اپنے خدمت گزاری کے حق اپنے شوہر کی نسبت سمجھیں اور اپنی عصمت کے نگاہ رکھنے کی خوبیاں جانیں اور گناہوں کی سزا کو دیکھ کر ڈریں، جیسا منشی مکھن لال صاحب نے ایک رسالہ مسمّٰی بہ حقوقِ زن و شوہر میں مختلف رشیوں کے قول ترجمہ کر کے درج فرمائے ہیں۔

نیز، عورت خواندہ ہوگی تو اپنی اولاد کو علم کے زیور سے خوب آراستہ کرے گی، ورنہ جُہلا کی طرح زیورِ ظاہری، طلائی و نُقرئی سے اُن کو پیراستہ رکھے گی جس کی بدولت اکثر بچوں کی جان بھی تلف ہو جاتی ہے، جیسا کہ اس قسم کے مقدّمے اکثر اخباروں میں طبع ہوتے رہتے ہیں۔

مگر افسوس! کہ ہمارے ابنائے جنس اِس طرف متوجّہ نہیں ہوتے، اور زیادہ تر افسوس کا مقام یہ ہے کہ اگر کوئی ہندستانی، علی الخصوص ہندو بھائی، اس باب میں گفت گو بھی کرے تو سامعین ناراض ہوتے ہیں، گو بظاہر خاموش ہی رہیں، اور بولیں تو یہ جوابِ ناصواب دیں کہ اچھا صاحب! آپ اپنے خاندان میں تو اس سلسلے کو جاری فرمائیں، پھر شاید کہ دیکھا دیکھی کسی اَور کو بھی شوق ہو جائے۔

ایک کھترانی کا ذکر : میں عرض کرتا ہوں کہ:

شوق در ہر دل کہ باشد، رہبری در کار نیست

اور اگر بغیر تجربے کے نہیں مانتے تو تحقیق کر لو کہ غدر سے پہلے قصبہ کوئل، یعنی علی گڑھ میں ایک کھتری صاحب شریف الاصل، نجیب النسل، باشندۂ بنارس کی زوجہ فارسی زبان کے سیاق و سباق سے اس قدر بہرہ وَر تھی کہ اپنے گھر کا حساب کتاب، خطوط نویسی خود کیا کرتی تھی۔ اہلِ برادری سے کوئی اُن پر طعنہ زن بھی نہ تھا، پر نہیں معلوم کہ یہ طریقۂ انیقہ آگے کو جاری کیوں نہ ہوا!

کاتھنیوں کا ذکر: اَور سُنیے! یہاں کا یہیں تحقیق فرما لیجے کہ بہت سی کھترانیاں، باھنیاں ناگری و گورمکھی واں موجود ہیں۔ کاتھنیاں فارسی بولتی ہوئی زندہ، اپنی برادری کی رونق افزا ہیں، بل کہ آج کل تو انگریزی کا چرچا بھی اس قوم میں ہوتا جاتا ہے، اور کیوں نہ ہو! کہ فارسی کی

زبان دانی بھی اوائل میں اسی قوم میں آئی، انگریزی خوانی میں بھی اسی فرقے نے سبقت فرمائی۔ پس، تعلیمِ نسواں میں بھی اگر یہ ہی مبادرت نہ کریں، تو کون کرے ہے!

مسلمانوں کا حال کیا بیان کیا جائے۔ اُن کے ہاں تو شرعاً حکم ہے کہ عورتوں کو بھی پڑھاؤ! اور اکثر خاندانی عورتیں اُن میں خواندہ ہی ہوتی ہیں۔ اگر زیادہ نہ ہو تو چار برس چار مہینے چار دن کے بچہ کی بسم اللہ کروا، کلام اللہ ضرور پڑھوا دیتے ہیں، اور یہ حکم اس حدیث نبویؐ سے ثابت ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ۔(۸)

فارسی و اُردو زبان کے تذکروں کے نام جن کی مدد سے یہ تذکرہ لکھا گیا ہے

اس فرقے کی عورتوں نے تو عربی، فارسی اور اُردو کی شعر گوئی کو بھی کمال پر پہنچا دیا، چناں چہ آتش کدہ کی فُروغ، مراۃ الخیال کا آخری حصّہ، جواہر العجائب تمام، کلمات الشعرا و منتخب اللطائف و گلستانِ مسرّت و ملاحت المقال و خریطۂ جواہر و ریاض الفردوس، وغیرہ فارسی کے تذکروں میں جستہ جستہ مستورات کا کلام موجود ہے؛ اور اُردو میں حکیم قاسمؔ کا تذکرہ حسبِ موقع(۹) گلدستۂ نازنیناں کا جزوِ اخیر، گلشنِ بے خار و گلستانِ سخن و مخزنِ شعرا و طبقات الشعرا و نادر الاذکار وغیرہ کہیں کہیں سے؛ اور بہارستانِ ناز کُل، سخنِ شعرا کا آخری جزو، بعض بعض صفحہ تاریخ شعراے عرب کے،(۱۰) جس میں عبارت اُردو اور شعر عربی کے ہیں؛ مستورات کے شعروں سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔

اِن سب کو دیکھ لو! کہیں کسی ہندنی کا نام نہ پاؤ گے۔ ہاں! کہیں شاذ و نادر کسی رنجنی یا پاترا کا نام آ جائے تو عجب نہیں۔ پس، وہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، کیوں کہ یہ ہرجائی، ہرفنی، متفنّی ہوتی ہیں۔

[الحمد للہ! کہ اس کتاب کے ضمیمہ میں ایک کا تخلّص کا نامِ نامی شائع ہوا ہے، یعنی اہلؔ تخلّص، بی بی جانکی نامی گرامی الہ آبادی کے اُردو شعر وہاں موجود ہیں۔ پس، کیا عجب کہ اِس قوم میں اُور شاعرہ و فاضلہ بھی موجود ہوں، مگر اُن کے لواحق اِس اَمر کا افشا نہیں چاہتے، بل کہ اکثر دیگر اقوامِ ہنود کی

عورتیں بھی اپنی بھاشا زبان میں بھجن اور گیت وغیرہ بناتی رہتی ہیں، پر اُن کا نام ونشان ظاہر نہیں ہوتا۔ نیز، یہ کتاب فارسی و اُردو شاعراؤں کے بیان میں ہے، اِس سبب اُن کا ذکر کرنا غیر مناسب ہے، ورنہ میں دس پانچ کا پتا بھی لکھ سکتا ہوں۔

ہندنیوں کی علم آموزی کا حکم اُن کے وید مقدس سے ثابت ہے۔ اتھرون وید (کانڈ ۱۴، انواک ۲، منتر ۱۸) سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''اے نیک اوصاف والی! اپنے خاوند کو ہمیشہ سُکھ دے! اُس کے ساتھ ناچاقی ہرگز نہ کر! گھر کے کاروبار میں عمدہ اصول پر عمل کر! اپنے پالے ہوئے جانوروں کی حفاظت کر! عمدہ کمال و خوبی اور علم و تربیت حاصل کر! طاقت ور اولاد پیدا کر! ہمیشہ اولاد کی پرورش میں مستعد رہ!'' (از وید بھاش بھومکا، یعنی وید مقدس کی شرح کا دیباچہ)۔

دیکھو رسالہ دُرِ افشاں، جلد ۱، نمبر ۲، بابت ماہ فروری سنہ ۱۸۹۷ء، جہاں پر گوگل بائی کا ذکرِ خیر شائع ہوا ہے۔ شاہنشاہ اکبر کے عہد میں یہ عورت راجا مان سنگھ کے خسر پورہ کی رانی، باسلیقہ، خوش گفتار، نیک کردار، کبک رفتار، بڑی طرّار، سنسکرت اور بھاشا زبانوں کی واقف کار تھی۔ غرض یہ کہ پچھلے زمانہ کی ایسی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں مگر اُن کا پتا لگانا ''کوہ کندن و کاہ برآوردن'' ہے۔] [۱۱]

[۱۱] یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا مسلمانوں میں عورتوں کو شعر کہنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ مَردوں کی شعر گوئی کا مباح ہونا تو بندہ اپنے تذکرے نادر الاذکار [۲] میں حدیثوں اور روایتوں اور مثالوں سے ثابت کر چکا ہے۔

جواز شعر گوئی عورات

عائشہؓ: جواہر العجائب والا، ابواللیث فقیہ مخاطب بہ ابو حنیفہ ثانی کی کتاب بوستان سے نقل کرتا ہے کہ ایک روز حضرت عائشہؓ اپنے یگانوں میں مہمان گئیں۔ وہاں سے واپس آئیں تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ ہمارے واسطے کیا تحفہ لائیں؟ ارشاد ہوا کہ ہم نے آپ کے لیے وہاں ایک شعر کہا تھا۔ حکم ہوا کہ ''سناؤ!'' اُنھوں نے یہ شعر پڑھا:

أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيُّونَا نُحَيِّيكُمْ   فَلَوْلَا الْعَجْوَةُ السَّوْدَاءُ مَاكُنَّا بِوَادِيكُمْ [۱۲]

آں حضرتؐ نے کہا کہ اگر دوسرا مصرع اِس طرح ہوتا تو خوب ہوتا:

فَلَوْ لَا طَاعَةُ الرَّحْمٰنِ مَا كُنَّا بِوَادِيْكُمْ (۱۳)

ان تینوں مصرعوں کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم تمھاری خاطر سے آئیں ہیں [کذا]، پس تُم بھی اپنے دستور کے موافق ہمارے حق میں دعاے خیر کرو! اگر ہم کو تمھاری طعنہ زنی اور سوے ظنی کا ظن نہ ہوتا تو ہم ہرگز نہ آتیں (۱۴) — اگر خویش واقربا کے ملاپ میں خدا کا حکم نہ ہوتا تو ہم ہرگز نہ آتیں۔ (۱۵)

فاطمہؓ : اور سُنیے! کہ خیر النسا حضرت فاطمہؓ زہرا نے خود آں حضرتؐ کا مرثیہ موزوں کیا، جس کا ایک شعر جواہرِ مذکور ہی سے لکھا جاتا ہے۔ وھوا ہٰذا:

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

ترجمہ: مجھ پر ایسی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ راتیں ہو جاتے۔

خدیجہؓ، زبیدہ: انشا مفید النسا والا لکھتا ہے کہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ و مسماۃ زبیدہ خاتون، منکوحۂ ہارون رشید خلیفہ عباسیہ؛ فاضلہ شاعرہ گزری ہیں۔

اس سے بڑھ کر جوازِ شعر گوئی کی اَور کیا دلیل چاہیے؟ کہ خود آں حضرتؐ کی منکوحوں وغیرہما رضی اللہ عنہما نے شعر کہے، آپؐ نے اصلاح دی، آپؐ کے جانشینوں کی بیویاں شاعرہ ہوئیں۔ ہاں! یہ شرط ہے کہ اشعار مناجاتی، توحیدی، نعتی، منقبتی ہوں، عشقیہ نہ ہوں۔

الغرض، اس گروہ کی چند شاعرہ عورتوں کے نام، جو شیوعِ اسلام سے پہلے یا آں حضرتؐ کے رُوبرو عربی زبان کے شعر کہتی تھیں، مقدمہ کی پہلی فصل میں لکھوں گا، اور اُن کے پہلے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ مجھے فارسی اور اُردو شاعراؤں کا تذکرہ لکھنا ہے اور زبانِ اُردو، فارسی کی بچّی ہے اور فارسی، عربی کے تابع ہے۔ پس، عربی کو مقدم رکھا، ورنہ تقدمِ زمانہ کے اعتبار سے سنسکرت والیوں کو پہلے لکھتا، اور اسی اعتبار سے اس دیباچے میں ہندنیوں کا حال پہلے گزارش کیا، اور ہندنیوں میں تعلیم بہت کم ہے، اس نظر سے بھی اس موقع پر اُن کو پہلے رکھا ہے کہ ہندو بھائی اس مضمون سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔

بس، اے نادرِ ژاژ گو! زیادہ سمع خراشی نہ کر! اس تذکرے کے بنانے کا اصلی سبب بیان کر!

سببِ تالیفِ مرأتِ خیالی ۱۲۹۲ھ

سنہ ۱۸۶۳ع وسنہ ۱۲۸۱ ہجری میں حکیم محمد فصیح الدین صاحب رنجؔ رئیسِ میرٹھ نے ایک رسالہ، بطورِ تذکرہ، شاعرہ عورتوں کے بیان میں، بنامِ بہارستانِ ناز چھپوایا، پھر چار سال کے بعد سنہ ۱۲۸۵ [ہجری] میں اُس کی ترمیم کو دوبارہ مشتہر فرمایا۔[۱۵]

اِلّا، ہیچ مداں نے دونو کو بہ نظرِ غور دیکھا، تذکروں مذکورۃ الصدر سے ملایا تو مقابلے میں بڑا فرق پایا، بل کہ اکثر اور تذکرہ نویسوں نے بھی بعض بعض کے بیان میں اختلاف کیا ہے، ایک نے دوسرے کے منافی لکھ دیا ہے۔ پس، دلِ تحقیق منزل میں یہ سمایا کہ اگر ایک رسالۂ مختصر ہو بھی اس بیان میں، اپنے نامۂ اعمال کی مانند سیاہ کرے تو فائدہ سے خالی نہ ہو۔ نیز، جو دس پانچ شاعرہ اِن تذکروں میں نہیں پائی جاتیں اور تیرے پاس اُن کا کلام موجود ہے، اِس ذریعے سے قیدِ کتابت میں آجائیں، وہ بے چاریاں بھی شاعروں میں شمار ہو جائیں۔

اب خدائے سخن آفریں کے فضل سے، چار برس کی محنت میں، یہ رسالۂ نادرہ تیار ہوا۔ پہلے بندے نے اس کا نامِ تاریخی ''غیرت بارِ ناز'' رکھا تھا اور اس کے دو حصّے کیے تھے۔ ہر حصّے کا نامِ تاریخی میاں بہاء الدین عرف عبداللہ شاہ صاحب بشیرؔ خوش تقریر نے ''ایک باغِ نادر'' ۱۲۸۸ [۱۶] اور ''ترکیباتِ نادر'' ۱۲۸۸ مقرر فرمایا تھا، اور منشی بنارسی داس صاحب غمگینؔ نے سمبت ۱۹۲۸ بکر ماجیتی یوں نکالے تھے:

مہ جبینوں کے کلاموں کا یہ نادر گنج ہے ''غیرتِ شعرا'' ہوئی تاریخ بھی بے رنج ہے [۱۷]

لیکن اب تک اس کے مسودے کے اجزا، مانندِ حواسِ خمسۂ مولف پریشان و پراگندہ پڑے تھے۔ اَب جو اُن کو فراہم کیا تو ایک مقدّمے اور دو حصّوں میں محصور ہوا۔ پس، اس کا نام مرأتِ خیالی ۱۲۹۲ھ [مطابق ۱۸۷۵ء] رکھا۔

اس کتاب میں کس کس زبان کی شعر گویوں کا حال ہے

اِس کے مقدّمے میں پہلے عربی زبان کی چند شاعرہ عورتوں کا نام ہے، پھر سنسکرت اور بھاشا کی فاضلہ و شاعرہ کا کچھ ذکر ہے۔ انگریزی کی فاضلہ عورتوں کا بیان کرنا اس لیے فضول سمجھا کہ وہاں ناخواندہ تو شاید شاذونادر ہی کوئی ہوگی اور شاعرہ اکثر ہوں گی۔ اِس کے علاوہ اُردو زبان میں اُن کے بیان کا کوئی رسالہ نظر سے نہیں گزرا، انگریزی سے بندہ خود بے بہرہ ہے۔

[یہودیوں کی عورتیں بھی تعلیم یافتہ ہوتی ہیں۔ میں نے کئی یہودنوں کو انگریزی اخبار، وغیرہ پڑھتے دیکھا ہے۔ پارسیوں کی بہو بیٹیاں بھی خواندہ ہوتی ہیں۔ دیکھو! ایک پارسی لیڈی مسمّاۃ گلبائی ڈاکٹرنی فاضلہ کا احوال وکیل ہند، دہلی والے نے دکن ٹائمز نامی انگریزی اخبار سے اپنے پرچے نمبر ۱۱، جلد ۱۳، صفحہ ۵، کالم ۳، مطبوعہ ۱۹ / دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء میں شائع کیا ہے۔ غرض یہ کہ جس قدر تجسّس کیا جائے، اُسی قدر زیادہ تحقیق ہو کہ ہر فرقے اور ہر مذہب کی مستورات میں تعلیم کا رواج موجود ہے۔

دیکھو! مشاہیرِ نسواں، مرتبہ منشی فاضل مولوی محمد عباس صاحب ایم اے جوائنٹ اڈیٹر پیسہ اخبار، لاہور، جس میں مترجم و مولّفِ فاضل نے حتی الامکان تمام کرۂ ارضی کی باشندہ عورتوں کا ذکر بھر دیا ہے مگر افسوس! کہ اِس میں بھی حضرت نے اپنی رائے عالی سے کہیں کہیں کام لیا ہے۔ مثلاً، میم کی ردیف میں زیب ارقام فرمایا ہے کہ مغل، بیبا جان نام، خاندانِ مغلیہ کی پردہ نشیں...... اِلیٰ آخرہٖ[18]۔ آگے اس کے صرف دو شعر لکھ کر اُن پر تذکرۃ النسا کا پتا دیا ہے مگر یہ نہ سمجھا کہ خاندانِ مغلیہ صرف امیر تیمور کے گھرانے کا لقب مشہور ہے، نہ کہ ہر مغل بچّے کو اُس سے منسوب کر سکتے ہیں۔ اِس کے علاوہ جب کہ اُس کی والدہ مغلانی اور باپ کشمیری پنڈت تھا، وہ خود مسکرات کی عادی، ناچ مجرے کو سلام کر کے صرف ستار ہاتھ میں لے، برسوں اپنے آشنا کے پاس رہی ہو، وہ پردہ نشیں کیوں کر ہوئی؟ جیسا اسی اصل تذکرے سے ظاہر ہے، جس کا حوالہ فاضل صاحب نے دیا ہے۔][19]

پہلے حصّے میں فارسی زبان کی سخن سرایوں کا کلام لکھا ہے، دوسرے میں اُردو کی شاعرہ عورتوں کا ذکر بھرا ہے۔

اس کتاب میں کہاں کہاں کی مستورات کا ذکر ہے

برِ اعظم ایشیا کے ممالک کی عورتوں کا تذکرہ: دیکھو! برِ اعظم ایشیا کا کوئی حصہ ایسا نہ ہوگا جہاں کی عورتیں عالمہ فاضلہ شاعرہ نہ ہوں، کیوں کہ عرب، ایران، افغانستان، ہندستان، سرندیپ یعنی لنکا کی شاعرہ تو خود اس رسالے میں لکھی گئی ہیں۔ روم، تاتار کی عورتیں عربی و ترکی زبان میں شعر کہتی ہیں، چناں چہ جواہر العجائب مذکور الصدر میں بعض کے ترکی شعر موجود ہیں۔ چین والیاں اپنی بولی میں کہتی ہیں۔ وہاں کی زبان میں کوئی کتاب یہاں مشہور نہیں، ورنہ اُس کا بھی حوالہ دیتا۔ سائی بیریا، چینی تاتار وحشیوں کا ملک ہے، وہاں اپنی بولی میں ضرور وہ بھی کچھ نہ کچھ کہتی ہوں گی۔

اہلِ ہند کو ترغیب، تعلیمِ نسواں کی طرف: غرض یہ کہ ہندستان جنت نشان کی شائستگی ہمیشہ سے مشہور ہے، ولایاتِ دُور دراز میں اس کا مذکور ہے۔ بس، یہاں کے باشندوں کو اپنی نام آوری قائم رکھنے کے لیے تعلیمِ نسواں کی طرف بالضرور متوجہ ہونا چاہیے، اور اپنا تو یہ حال ہے کہ: بر رسولاں بلاغ باشد و بس۔

مقدمۂ مصنّف

maablib.org

مقدّمہ

چمن آرائی خامۂ عنبریں شمامہ بہ تسویدِ آسامی چند شاعراتِ عربی لسان، عہدِ جاہلیت و ایامِ شیوعِ اسلام جنت نشاں

شعر کی فضیلت اور اُس کے معنیِ لغوی و اصطلاحی اور ابتداے شعر گوئی و اقسامِ شعری اور شاعری کے ڈھنگ کو مع اُن بیانوں کے، جن کی واقفیت شعر گوئی و شعر فہمی کے واسطے ضرور ہے (مثلاً علمِ عروض، علمِ قوافی، صنائع بدائع، بیان، معانی، سرقاتِ شعر، وغیرہما)، اپنے تذکرۂ نادر الاذکار میں مَیں نے مفصّل درج کر دیا۔ اب مکرّر نویسی طولِ فضول ہے، کیوں کہ تذکرۂ مذکور کے ملاحظے سے اِن سب فنون کا مدّعا حصول ہے، اور اہلِ اسلام کی روایات سے عورات کی شعر گوئی مباح و جائز بھی ثابت ہو گئی ہے۔ اب زبانِ عرب کی چند شاعرہ عورتوں کا نام لکھا جاتا ہے۔

زلیخا : واضح ہو کہ بنی اسرائیل کے زمانہ کا ذکر ہے، زلیخا نے حضرت یوسفؑ کی شانِ شایان میں شعر کہے۔

آسیا : فرعون کی بیوی آسیا نامی بڑی فاضلہ تھی۔

ذبّا: ذبّا نامی شہزادی [بہ] زمانۂ جاہلیت، شعراے عرب میں بڑی نامی شاعرہ گزری ہے۔

اُمیّہ : اُمیّہ، دخترِ عبدالمطلب کی، جو آں حضرتؐ کے دادا تھے؛ مع اپنی اور بہنوں کے، شاعرہ تھی، چناں چہ سب نے حسبِ درخواست اپنے والد کے، اُس کی حالتِ نزع میں نوحے کہے۔ اُس وقت آں حضرتؐ نے، بہ عمرِ ہشت سالگی، وہ تمام اشعار سُنے تھے۔ (۲۰)

قتیلہ : قتیلہ بنت نصر بن حارث، شعراے عرب میں مشہور تھی۔ جب اُس کا باپ جنگِ بدر کے قیدیوں میں آ کر قتل ہوا تو اُس نے چند شعر کہے، جن کو سُن کر آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر میں یہ شعر پہلے سُنتا تو اس کے باپ کو قتل سے امان دیتا۔ پس، دیکھو! شاعری کا کیا رُتبہ ہے اور موزوں کلام کس قدر موثر ہے۔

اُمِ مسلم : اُمِ مسلم، یعنی مسلم کی والدہ نے، جب مسلم، جنگِ جمل میں مارا گیا، اُس کا مرثیہ موزوں کیا، اور نیز اسی لڑائی میں ایک عورت نے، جو عبدالقیس کے قبیلہ کی تھی، اپنے خاوند کو مقتولوں میں دیکھ کر اشعار مرثیے کے طور پر کہے تھے۔

عاتکہ : عاتکہ بنتِ عمرؔو بن نفیل، زوجۂ زبیر نے بھی اپنے خاوند کا مرثیہ کہا تھا۔

میسون : میسون شکیلہ جمیلہ، زوجۂ معاویہ، والدۂ یزید بھی شاعرہ تھی۔

بنت الحجر : بنت الحجر بنتِ عدی کندی مصری، جو کوفہ میں آ رہی تھی۔ جب اُس کے باپ کو معاویہؓ کے لوگوں نے گرفتار کیا، اُس نے چند شعر مرثیے کے کہے۔ انجام کو اُس کا باپ، اس علّت میں کہ حضرت علیؓ سے محبت رکھتا ہے، ذبح کیا گیا۔

عائشہؓ : عائشہؓ زوجۂ عبداللہ نے اپنے بچوں کے ذبح ہونے پر نوحہ کہا تھا، جن کو بُسر نامی معاویہؓ کے سردار نے قتل کیا تھا۔

بنتِ عقیل: بنتِ عقیل نے چند شعر کا مرثیہ اُس وقت موزوں کیا تھا، جب کہ حضرت امام حسینؓ کا سر یزید کے پاس آیا تھا۔

تقیہ : تقیہ، باشندۂ صور، سنہ پان سو پانچ ہجری میں پیدا ہوئی اور پان سو اُناسی میں مرگئی۔ اس شاعرۂ فاضلہ کے اچھے اچھے قصائد اور قطعے مشہور ہیں۔

....

اِس بیان میں عورتوں کی شاعری کی اِباحت اور درازی معلوم ہوگئی۔ ہاں، اگر میری اس تحریر کی سَنَد درکار ہو تو تاریخ شعرائے عرب، مولفۂ مولوی کریم الدین صاحب پانی پتی،[۵] جو دریں ولا اُمرت سر کے ضلع میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ہیں، ملاحظہ ہو۔ اُس میں اِن سب عورتوں کے شعرِ عربی بھی موجود ہیں۔

[ان کے علاوہ اِس فرقے میں بہت سی پاک طینت، نیک نیّت بی بیاں عالمہ، فاضلہ، عاملہ، حافظہ، روشن ضمیر، خوش تقریر، صاحبِ عرفان، برگزیدہ منّان گزری ہیں، جن کے نام نامی و اِسمِ گرامی تبرکاً رسالہ تہذیب النّسواں، مصنفہ حکیم سیّد حسین صاحب سے لکھتا ہوں:

حضرت زاہدہ، کنیزِ باتمیز جناب صدّیقؓ اکبر؛ بی بی حاج، بی بی ناج، بی بی حُور، بی بی نُور، بی بی گوہر، بی بی شہناز: دُختران نیک اختر حضرت عقیلؓ خلف حضرت علیؓ؛ بی بی شعرانہ، بی بی عفیرہ، بی بی رابعہ بصری، بی بی نفسہ، بی بی فاطمہ نیشاپوری، بی بی تحفہ، بی بی میمونہ، بی بی سیّدہ خدیجہ، بی بی سادہ، بی بی فاطمہ سام، بی بی فریسہ، بی بی زلیخا، بی بی فاطمہ سیّدہ گیلانی، بی بی جمالی خاتون، وغیرہما رضی اللہ عنہما اجمعین۔ حدیثِ زندہ گویم، مُردہ در گور

عہدِ حکومت سلطان الغازی عبدالمجید خاں ثانی، فرماں روائے تُرکی، دام سلطنتہ، ترجمہ "دوازدہ سالہ حکومت"، مرتبۂ جناب محبوب عالم صاحب [کذا!] ڈیٹر پیسہ اخبار، لاہور، مطبوعہ سنہ ۱۸۹۵ء، بار دوم کے صفحہ ۱۳ کے نوٹ کو ملاحظہ فرماؤ! جہاں لکھا ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں جیسی تعلیم ملتی ہے، بل کہ مدارس میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں سے زیادہ ہے۔ نہایت مشہور زندہ شاعروں میں تین عورتیں ہیں۔ ایک پری شیخ خانم، سلطان مصطفےٰ کی پرائیوٹ سکریٹری تھی۔ محمد علی پاشا، خدیوِ مصر کی خفیہ خط کتابت کرنے والیاں دو لیڈیاں [کذا] سکریٹری تھیں۔ آگے بڑھ کر صفحہ ۱۱۷ سے جو مضمون تعلیم نسواں کا، اصل مولف لیڈی صاحبہ لکھا گیا ہے، وہ بھی ملاحظے کے لائق ہے۔ بندہ اس کو بہ خوف طوالت نہیں لکھتا۔][۲۱]

روشن پیرایے کلکِ جواہر سلک براے قومِ ہنود، بہ جوازِ علم آموزیِ عورات، حسبِ دھرم و رواج ایں فرقۂ صاحبِ کشف و کرامات

اب اُور مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں، یعنی ہند کی شاعرہ عورتوں کا بیان لکھتا ہوں۔

نور جہاں : یہ تو بندے کو ثابت نہیں ہوا کہ اُردو زبان میں پہلے پہل کس عورت نے شعر کہا، کیوں کہ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ نور جہاں، حرمِ جہاں گیر بن اکبر بادشاہ نے اُردو شعر کہا، بل کہ یہ شعر اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں:

کل تم جو یہ کہتے تھے، شمشیر ہے اور میں ہوں[۴۲] یہ طشت ہے، یہ سر ہے، تقصیر ہے اور میں ہوں

دیگر

چمن میں ہے جو یہ تنی سی بوٹی نگہ کے بوجھ سے جاتی ہے ٹوٹی

دیگر

ظاہر میں میرے حال کو سرسبز نہ جانو پوشیدہ جگر رکھتی ہوں، مانند حنا کی

الاّ، یہ قول پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اِس کا حال تذکرۂ نادر الاذکار میں مفصّل لکھ دیا ہے اور کچھ نور جہاں کے بیان میں آ جائے گا۔

چندا: مگر ہاں، یہ تحقیق ہے کہ سب سے پہلے عورتوں میں اُردو زبان کی صاحبِ دیوان چندا رنڈی دکنی ہوئی ہے۔ دیکھو! کیا خدا کی شان ہے کہ مَردوں میں بھی صاحبِ دیوان سب سے پہلا ولی دکنی ہی ہے۔[۴۳]

سنسکرت و بھاشا، یعنی ہندی زبان میں اُردو فارسی زبانوں کے سے تذکرے نہیں ہیں، جو ہندو عورتوں کا حال مفصّل لکھا جائے۔ [سُنا ہے کہ شیو سنگھ سروج نامی کتاب بہ حروفِ ناگری و زبانِ بھاشا، در بیانِ کبی ایشوراں☆ ؛ اَودھ اخبار پریس، لکھنؤ سے چھپ گیا ہے [کذا]۔ اُس میں بہت سی کبرانیوں☆ کے دوہرے وغیرہ موجود ہیں۔][۴۴] اِلاّ، یہ بات بہ خوبی ثابت ہوگئی کہ ہماری

بزرگ زادیاں نوشت خواند سے بہرہ ور تھیں۔ اب ہندی کی چند فاضلہ عورتوں کے نام لکھتا ہوں۔

کارگی : کارگی نامی ایک عورت نے یاگ دلک رشی سے راجا جنگ کے وقت میں خوب مباحثۂ علمی کیا۔ گو انجام کو ہار گئی مگر دادِ فصاحت و بلاغت دے گئی، مَردوں میں نام کر گئی۔

مندودری : مندودری — لنکا کے راجا راون کی بیاہتا بیوی۔ ایسی عقیل تھی کہ جس نے شطرنج بازی کا کھیل اختراع کیا۔ بندہ اپنے رسالہ شطرنج مسمّیٰ بہ ہشت ثمنہ (۴۵) میں اس بازی کا حال بہت مفصل لکھ چکا ہے مگر افسوس کہ یہ حال اُس رسالہ کے چھپنے کے بعد مجھے معلوم ہوا، لہٰذا یہاں مختصراً بیان کرتا ہوں۔

اگرچہ بہت سی قومیں اس بازیِ جمیلہ کے اختراع کا دعوا کرتی ہیں مگر سر ولیم جونز صاحب انگریز نے خوب تحقیق کر کے لکھا ہے کہ یہ کھیل ہندوؤں ہی نے ایجاد کیا، اور ہندو اِس کو مندودریِ مذکور سے منسوب کرتے ہیں۔

اصل میں اِس کا نام چترنگ تھا۔ چتر، چار اور انگ، حصّہ۔ اِن دو لفظوں سے یہ نام بنایا گیا ہے۔ قدیم زمانہ میں ہندوؤں کے لشکر میں رتھ، ہاتھی، گھوڑے تو سواروں کے لیے ہوتے تھے اور پیادوں کی فوج بھی اُن کے ہم راہ رہتی تھی۔ پس، ابتدا میں اِس کھیل کے مُہرے انھیں ناموں سے اختراع ہوئے تھے۔ پھر رَتھ کی جگہ کشتی کا لفظ مقرر ہوا، چناں چہ اَب تک پنڈت لوگ رُخ کو نوکا، یعنی کشتی کہتے ہیں، کیوں کہ جب بحری فوج کی ضرورت ہوئی تو کشتی لانی ضرور پڑی۔ بعض کے نزدیک اس کا نام شترن جے تھا۔ اِس کا ترجمہ دشمنوں پر فتح ہے، کیوں کہ شتر، دشمن، نون جمع کی علامت، جے، فتح۔ اِس کی ترکیب سے یہ لفظ بنا، بگڑ کر شطرنج ہو گیا۔

ہاں، اِسی طرح بنگالہ کی عورتوں نے مُغل پٹھان کا کھیل ایجاد کر رکھا ہے، جو میرزا بابر کے وقت میں اختراع ہوا ہو گا۔

سنکرمتی : خیر، یہ بحث اپنے مطلب کے منافی جان کر عرض کرتا ہوں کہ [راجا اشوک، خلف راجا بندوسار (۴۶) پسر راجا چندر گپت بن راجا نند، کی بیٹی مسماۃ سنکرمتی، بدھ مت کی مہنتنی ☆ ،

بڑی فاضلہ و عالمہ، تارک الدنیا گزری ہے، جس کا ذکرِ خیر مہاراجا اشوک کی سوانح عمری میں موجود ہے۔ اُس وقت زبانِ پالی برسرِ عروج تھی۔ یہ راجا دو سو بائیس (۲۲۲) برس، پہلے حضرت مسیحؑ سے، تارک الدنیا ہو کر پرم لوک کو روانہ ہوا تھا۔][۴۷]

بگیا : ایک عورت بگیا نامی دکن کی، زوجۂ چندر ہاس، جو کتوال کا راجا ہو گیا تھا، بڑی زبردست سنسکرِت کی فاضلہ تھی۔

بدیا تما : بدیا تما، کالی داس کی بیوی، راجا سرودانندن برہمن کی بیٹی بھی عالمہ فاضلہ تھی، جس نے اپنے زمانہ کے اچھے اچھے پنڈتوں کو زک دی تھی۔

لیلاوتی : لیلاوتی بنتِ بھاسکر آچارج۔ علاوہ اَور علموں کے ریاضی، خصوصاً حساب میں بڑی دست گاہ رکھتی تھی۔ اس کا حال اپنے رسالۂ حساب مسمّابہ سوالاتِ عجیبہ مع قواعدِ غریبہ کے پہلے حصّہ میں مفصّل لکھ چکا ہوں۔[افسوس ہے کہ تعلیم النسا کے پہلے حصّہ کی ساتویں فصل میں لیلاوتی زوجہ بھاشکر اچارج چھاپ کر ناظرینِ باتمکین کو، اُس کے مولّف نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ بندے نے بخوبی تحقیق کر کے نکلت الحساب میں اسے بنتِ آچاری موصوف لکھا تھا، وہ ہی گلشنِ ناز کے ابتدائی مضمون میں درج ہوا، ایسا ہی مشاہیرِ نسواں والا لکھتا ہے، دیکھو اُس کا صفحہ ۱۰۵۔ لیلاوتی، ہندُستان کے قدیم ریاضی داں بھاشکر آچاریہ کی بیٹی کا نام ہے۔ یہ آچاریہ سنہ ۱۱۱۵ء میں پیدا ہوا تھا۔][۴۸]

کھونا : کھونا — درہمیر، جو راجا بکرماجیت کا مُنتری تھا اور ہیئت دانوں میں مشتری تھا، یہ اُس کی بیوی بھی عالمہ، فاضلہ گزری ہے، چناں چہ آج تک جوتشی اُس کو مانتے ہیں۔

کھونا : کھونا، زوجۂ کنور لچھمن سین بن راجا بلال سین، فرماں روائے گوڑ، جو دسویں (۱۰) صدی عیسوی میں تھی، نہایت عاقلہ، فاضلہ اپنے زمانہ کی گزری ہے۔

میراں بائی : میراں بائی، مارواڑی راجاؤں میں میرتا کے راجا، قوم راٹھور کی بیٹی، پندرھویں صدی مسیحی میں شاعرۂ نامی گرامی گزری ہے۔ اس کے بہت سے گیت اور بھجن ہندُستانی گاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کا کلام جے دیو، بنگالی شاعر، صاحب گیت گوبند کے ہم پلّہ ہے۔

مرگ نینا : مرگ نینا گوجری زوجۂ راجا مان سنگھ گوالیاری۔ جو کہ اس راجا کو سنکیرن، یعنی ملے ہوئے راگ بہت پسند تھے، رانی نے اِس طرح کے بہت سے راگ ایجاد کیے۔ ازاں جملہ گوجری، بھل گوجری، مل گوجری، منگل گوجری، یہ چار اُس کے نام سے اب تک مشہور ہیں۔ (۲۹) (تان سَین نامی گویّا بھی اُسی کے وقت میں واردِ گوالیر ہوا، جس کے نام پر آج تک سارے گانے والے اپنا اپنا کان پکڑتے ہیں)۔

روپ متی : رُوپ متی — مالوے میں اُجین کے قریب کالی سندھ ندی کے کنارے سارنگ پور شہر میں پیدا ہوئی۔ وہاں کے شاہدانِ بازاری میں اپنے حُسن و ہُنر و شاعری کے سبب سب سے فائق تھی، شاہی محلوں کے لائق تھی۔ اِسی سبب باز بہادر نے، حاکمِ مالوہ نے اُس کو اپنے نکاح میں قبول کیا۔ جب سنہ ۱۵۶۰ء، پندرہ سو ساٹھ عیسوی میں اکبر بادشاہ نے آدم خاں (یا اَدھم خاں اور پیر محمد خاں) کو باز بہادر کے مقابلے پر روانہ کیا اور باز کی فوج بھاگ گئی۔ ناچار، یہ بے چارہ بھی بے پر ہو کر ہوا ہو گیا۔ اُس وقت اِس شاعرہ مغنّیہ نے اپنے تئیں آپ ہلاک کر ڈالا۔ (۳۰)

باز بھوپ کلیان

اُس کے ایک گیت کا ترجمہ، جسے باز بھوپ کلیان کہتے ہیں، ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۷۲ء کے رسالۂ اتالیقِ پنجاب سے نقل کیا جاتا ہے۔ وھوالہذا:

کرنے دو فخر اُن کو جو ہیں صاحب دَوَل
مضبوط قُفل دل کا ہے، اِس گنج پر لگا
محفوظ چشمِ غیر سے ہے اور بے خطر
سرمایہ ہوتا جاتا ہے ہر روز کچھ سوا

سرمایۂ نشاط ہے یہاں عشق بے دخل
اِس کو نگاہ رکھتی ہوں میں جان سے سوا
کُنجی ہے اُس کی بس میں مرے، قصہ مختصر
اِس گنجِ شائگاں کو ہے گھٹنے سے کام کیا

اُب دل میں ٹھان لی ہے کہ ہو نفع یا ضرر دینا ہے ساتھ باز بہادر کا عمر بھر اور ابتداے عشق میں جو گیت اِس نے بنایا تھا، وہ خاص اُسی کی بولی میں یہ ہے:

پاپی پران رہت گھٹ بھیتر کو چاہت سکھ راج
روپ متی! پیا ہم سے دکھیا گیا بہادر باج (۳۱)

اور مرتے وقت اُس نے یہ کہا تھا:

تُم بن جیورا رہت نہیں، مانگت ہے سکھ راج روپ متی دکھیا بھئی، بنا بہادر راج

اہلیا: اہلیا بائی۔ یہ مرہٹن رانی سنہ ۱۷۳۵ء میں سیندھیا کے خاندان میں پیدا ہوئی۔ میانہ اندام، سبزہ رنگ، اکہرے بدن کی تھی۔ یہ عورت اپنی (۳۲) قوم کی عورتوں میں بڑی مہذب تھی۔ راج نیت کے (۳۳) گرنتھ اکثر اِس کے مطالعہ میں رہتے تھے۔ جب اس کا شوہر کندے راؤ بن ملہر راؤ ہلکر اِس کو تخمیناً بیس برس کا چھوڑ کر راہیِ ملکِ بقا ہوا، تو اِس نے اپنے بیٹے ملی راؤ اور بیٹی مچھا بائی کی پرورش میں اپنا وقت اچھی طرح صرف کیا۔ ملہر راؤ کے بعد ملی راؤ صرف نو مہینے سلطنت کر کے، بہ عارضۂ خفقان رحلت کر گیا تو اِس عورت نے اُس ریاست کا انتظام تیس برس تک اس خوبی و خوش اُسلوبی سے کیا کہ جس کا ثانی ہونا مشکل ہے۔ جیسا جلال الدین محمد اکبر بادشاہ، ہندستان، بل کہ تمام جہان میں لاثانی سمجھا جاتا ہے، اُسی طرح عورتوں میں اس عورت کو خیال کرنا چاہیے۔

اتالیقِ پنجاب کے اخیر رسالہ میں اِس عورت کے بیان کے سترہ (۱۷) صفحہ پُر ہیں۔ یہ مختصرہ کُل بیان کی گنجائش نہیں رکھتا۔ پس، اِسی قدر کافی ہے، اور اس عورت کی وفات سنہ ۱۷۹۵ء میں لکھی ہے۔

....

یہ تمام بیان، ہندوؤں کی مشہور عورتوں کا، اتالیقِ پنجاب، سنہ ۱۸۷۲ء کے مختلف رسالوں سے لیا گیا ہے، جو پنجاب کے سررشتۂ تعلیم سے جاری ہوتا تھا۔ جن صاحبوں کو اِن کا مفصل احوال معلوم کرنا ہو، اور تیز اُور نام آور عورتوں کا ذکر دیکھنا ہو، رسائلِ مذکور ملاحظہ فرمائیں۔

[جیون چلتر، یعنی سوانح عمری دیانند سرتی جی مہاراج کے صفحہ ۱۶۵، تحت سُرخی ''بنارس کے مباحثوں کی مفصل کیفیت'' کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سمبت ۱۹۳۶ بکرمی [مطابق ۱۸۷۹ء] میں وہاں ایک برہمنی، سنسکرت کی فاضلہ، مسماۃ بدھ نگری رونق افروز تھی، اور صفحہ ۵۰۹ پر راما بائی سنسکرت دان لکچرار دکنی کا ذکرِ خیر موجود ہے۔

سمبت ۱۹۵۸و۵۷ [۳۴] راجا دھرم نیت بکرماجیت [مطابق ۱۹۰۱-۱۹۰۰ء] کو [کذا]، خاص اسی شہرِ کرامت بحر دہلی میں جس وقت سناتن دھرم مہامنڈل کا جلسہ ہو رہا تھا، ایک برہمنی بال بدھوا، بڑی پدوان، سنسکرت بولنے والی بھی آئی تھی۔ وہ نیل کے کٹرا کی دھرم سالا میں فروکش ہوئی تھی، جس کے درشن ہزاروں آدمیوں نے کیے تھے۔

اخبار وکیل، امرت سر، مطبوعہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۸ (ب)، کولم ۲ کی فہرستِ کتب سے معلوم ہوا کہ سوانح عمری آنندی بائی جوشی، جو امریکا سے ڈاکٹری کی سَنَد لے کر آئی ہے، بارہ (۱۲/ر) آنے پر ملتی ہے۔ دیکھو! یہ بھی ایک ہندنی فاضلہ کا پتا بتاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ہند کی اقوامِ مختلفہ میں زمانے کی رفتار نے اپنا اثر ظاہر کرنا شروع کر دیا ہے۔ اغلب کہ اب اِس قوم کی جہالت دُور ہو، تعلیمِ نسواں ترقّی پائے۔

اخبار وطن، لاہور، نمبر ۷، جلد ۳، مطبوعہ ۲۰ فروری سنہ ۱۹۰۳ء کے صفحہ ۷، کولم دوم سے معلوم ہوا کہ مہارانی کالج، بنگلور سے دو برہمنیوں نے بی اے کا امتحان پاس کر کے فضیلت کی سَنَد حاصل کی ہے۔] [۳۵]

گلدستہ بندیِ قلم فیض توام، بہ نتیجۂ عجیبۂ ایں باغِ حسنات، یعنی در بیانِ احوالِ تعلیمِ نسوانِ زمانۂ حال —— چند کلمات

ہندو اور مسلمانوں کے قدیم زمانے کی عورتوں کا حال، تحریرِ بالا سے بخوبی ظاہر ہو گیا، اور نیز میری تحریرِ سابقہ سے یہ بھی ہویدا ہو گیا کہ اہلِ ہنود نے اپنی عورتوں کو اُس وقت سے جاہل رکھنا

October 10, 1885

Dr.Anandabai Joshee,Seranysore,India
Dr. Kei Okami, Tokio, Japan
Dr. Tabat M. Islambooly,Damascus,Syria

شروع کیا ہے، جب سے مسلمانوں نے اِس ملک پر غلبہ پایا ہے۔ پہلے بڑی بڑی زبردست عالمہ فاضلہ عورتیں گزری ہیں۔ ہماری دیوانگناں اور اَوتاروں کی بیویاں اور راجاؤں کی رانیاں اور رشیوں کی گھر والیاں، سب سنسکرت اور پراکرت کی جاننے والیاں (۳۶) ہوئی ہیں۔ بھوج پربندھ کا کچھ خلاصہ بھی پہلے لکھ دیا ہے، مگر تُرکوں کے خوف سے یہ سب باتیں یک لخت موقوف ہو گئیں، کیوں کہ اُن کے ہاتھوں سے اس گروہ نے نہایت ذلّتیں اُٹھائیں ہیں [کذا]۔

اب، جو کہ سرکارِ اَبد پائدار، صاحبانِ عالی شاں کی عمل داری انگلستان سے ہندستان تک پھیلی اور ہر نوع کے اَمن و امان نے رواج پایا، تو پھر یہ سلسلہ بھی اِس طرح قائم ہوا کہ مدارسِ زنانہ جابجا کھل گئے، اُستانیاں و پنڈتانیاں یا بائیاں پڑھانے کو مقرّر ہوئیں۔ اِس شفقتِ شاہانہ اور مرحمتِ مادرانۂ حضور ملکۂ معظمہ کوئین وکٹوریہ صاحبہ زاد اللہ سلطنتہما وشوکتہما، شاہنشاہِ ہندستان کے کیا کہنے ہیں۔ ایسے عہدِ دولت مہد میں بھی اگر کوئی اپنی عارضی جہالت کو نہ چھوڑے تو مجبوری ہے۔

بس، اب میں اس مقدّمے کو ختم کرتا ہوں اور اس کتاب کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ پہلے حصّے میں عوراتِ فارسی گو درج ہوتی ہیں، دوسرے میں اُردو زبان کی شاعرہ گنی جاتی ہیں۔

....

تحریر کانپی دفعۂ ثانی: ۱۵ جولائی سنہ ۱۸۸۳ عیسوی،

مطابق ۹ رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۰ ہجری نبوی۔

ادا پہلے حمدِ خدا کو کرو | پھر آغاز اس تذکرہ کا سنو

خدائے سخن آفرین کے فضل سے یہ تذکرہ فارسی اور اردو شاعرہ عورتونکا مسمی مرات خیالی ملقب بہ

گلشن ناز

مولفہ حضرت عباد قادر درگا پرشاد نادر کشتری دہلوی بہ تصحیح تمام و سعی لا کلام

شہر دہلی کی مطبع وقت کاشی مین باہتمام منشی نبی بخش شاد چھپکر مرتب ہوا

قیمت فی جلد

تعداد جلد ۵۰۰

هر که نام رفتگان آرد بیاد | نام نیکش در جهان آباد باد

تذکرۃ النساء نادری

الموسوم باسم تاریخی

مرآت خیالی

متضمن بر دو حصہ کہ بہر دو الفنش یعنی

[illegible]

مؤلفہ احقر العباد قادر درگا پرشاد نادر کھتری دہلوی

کہ اینک بشہر لاہور در اجو کے سشنل پریس عہدہ ڈپٹی اکزمنری دارد

دیگر کتب ذیل مصنفہ مؤلف [illegible] رسالہ [illegible] تذکرۂ نادر [illegible] شعرائے دکنی

در مطبع فوق کاشی دہلی | مطبوع نمود انبی پرشاد

۱۵۰ ا ۵۰۰ ـ ۲ ـ

گلشنِ ناز

maablib.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ہست کلید در گنجِ حکیم

گلشنِ ناز

حدیقہ آرائیِ خامہ بخل بندِ گلستانِ فرخی نشان، بہ تسطیرِ حالات ومقالاتِ شاعراتِ عجمی نشان

فارسی زبان میں عورتوں کی شاعری بھی اُسی وقت سے گنی جاتی ہے، جس وقت سے مَردوں نے شعرگوئی اختیار کی ہے۔ جیسا علمِ عروض کے اکثر رسالوں میں مسطور ہے، تذکروں میں بھی اِس کا مذکور ہے کہ بہرام گور، فارس کے بادشاہ نے ایک روز شکارگاہ میں کسی شیر کو زندہ پکڑ کر یہ مصرع موزوں کیا:

منم آں شیرِ ژیاں ومنم آں شیرِ یلہ

اُسی وقت اُس کی محبوبہ، مرغوبہ دل آرام (۳۷) نامی نے، جو ہم رکاب تھی، یہ جواب باصواب دیا:

نام بہرام ترا وپدرت بو جُبلہ

پس، اِس پر دو مصرع اَور لگا کر "چارگانی" نام رکھا گیا تھا۔ نیمروز، وغیرہ مقامات میں اب تک اس قسم کی چارگانی مشہور ہیں، زبان زدِ نزدیک وذُور ہیں۔ رودکی کی ہم عصر شاعرہ کا کلام آگے آجائے گا، یہ بھی اِس دعوے کا مصداق سمجھا جائے گا۔

اب بہ ترتیبِ حروفِ ابجد، فارسی زبان کی شاعراؤں کا حال ومقال ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا حصہ

فارسی زبان کی شاعراؤں کا بیان

آتون

تخلص ہے مسماۃ توتی آتون، منکوحۂ ملا بقائی ؒ کا، جس کا معتقد میر نظام الدین علی شیر تھا۔ ان دونوں میں خوب مباحثۂ شعری ہوتا تھا، چناں چہ ایک روز ملا نے یہ رباعی کہی:

یاراں! ستم پیر زنے گشت مرا کاواک شدہ چونے ازو پشت مرا
گر پشت بسوے او دمے خواب کنم بیدار کند بہ ضرب انگشت مرا

آتون نے یہ دومان سنائے:

ہم خوابگی سست رگے گشت مرا روزے نبود ازو بجز پشت مرا (۳۸)
قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

آرام

آرام تخلص، دل آرام نام، کسی بادشاہ کی بیگم، شاعرہ، شاطرہ (۳۹) بڑی علامہ تھی۔ بعض نے اس کو جہاں گیر سے منسوب کیا ہے۔ (۴۰) چمنِ بے نظیر والا اپنی مرأت العاشقین میں شاہ جہاں لکھتا ہے۔ ملاحت المقال کا مولف شاہِ ایران کی منکوحہ بتاتا ہے۔ [سحرِ محفل والا بادشاہ شاطر ہی لکھ کر اپنا پیچھا چھڑاتا ہے]۔ (۴۱)

بہرکیف، کہتے ہیں کہ اُس بادشاہ کے تین بیویاں اَور بھی تھیں: جہاں، حیات، فنا۔ ایک دفعہ بادشاہِ مذکور کسی اَور ولایت کے شہزادہ سے یا سوداگر سے شطرنج کھیلنے بیٹھا اور یہ شرط بدی گئی کہ جو شخص

ہارے، اپنی منکوحہ حریف کے حوالہ کرے۔ زمانہ کج رفتار نے بادشاہ کی بازی مات کے قریب پہنچائی، تو شہریار کو یہ دُھن سمائی کہ تیرے چار بیویاں ہیں، اُن میں سے کس کو دے گا؟ پس، اِس کا تصفیہ کرنے محل میں درآمد ہوئے اور چاروں بیگموں کو جمع فرما کر شرط کا ماجرا سُنایا اور فرمایا کہ کہو! حریف کے ہم راہ کس کو جانا منظور ہے؟ پہلے جہاںؔ نے یہ شعر سُنایا:

تُو بادشاہِ جہانی، جہاں ز دست مدہ — کہ بادشاہ جہاں را جہاں بکار آید

پھر حیاتؔ نے اپنی خوشی یوں ظاہر کی:

جہاں خوش است ولیکن حیات می باید — اگر حیات نہ باشد، جہاں چہ کار آید

فناؔ نے ان سب کی یوں دھجیاں اُڑائیں:

جہان و حیات و ہمہ بے وفاست — فنا را نگہ دار، آخر فناست

دل آرام، جو شاطرانِ زمانہ کو خیال میں نہ لاتی تھی، حریف کو ایک ہی دو چال میں زچ کر دیتی تھی، دو چار رفتار میں شہ مات کہہ سُناتی تھی؛ یوں گوہر افشاں ہوئی کہ حضور جس چال کے پنجہ میں پھنس کر ششدر ہیں، وہ نقشہ تو لونڈی کو بتائیں! شاید جاں نثار (۴۲) کوئی ایسی ترکیب عرض کرے کہ طرفِ ثانی کے چھکّے چھوٹ جائیں، لینے کے دینے پڑ جائیں، حضور کو پَو بارہ نظر آئیں، اُسے تین کانے ہی دکھائی دیں۔ بادشاہ نے نقشہ بچھایا، بیگم نے بدیہہ یہ شعر سُنایا:

شاہا! دو رُخ بدہ و دل آرام را مدہ — پیل و پیادہ پیش کن از اسپ کشت مات

شاہ نے بازیچہ خانہ میں آ، یہی چالیں چلیں اور بازی جیت لی۔

شاطر جانتے ہیں کہ یہ نقشہ روی چالوں کا ہے، جس میں فیلہ صرف تین ہی گھر آڑا چلتا ہے اور سدِّ راہ کو خیال میں نہیں لاتا۔ یہ نقشہ اپنے رسالۂ شطرنج مسمّیٰ بہ ہشت ثمنہ میں، مع حل، لکھ چکا ہوں، جو چھپ کر مشہور ہو گیا ہے۔

اب یہ شعر، آرامؔ کے نام کے، لکھتا ہوں:

محو از دلِ خود ساز ہمہ نقشِ عدم را — منزل بگہِ اغیار مکن فرشِ حرم را
سرمایۂ عقبیٰ بکف آور کہ مبادا — تقدیر کشد بر سرِ تُو تیغِ دو دم را

....

به آه و ناله کردم صیدِ خود وحشی نگاہاں را بزورِ جذب کردم رام باخود کج کلاہاں را
بنوشیدم سحر گه چوں شرابِ ارغوانی را گرو کردم به جامِ مے لباسِ پارسائی را
شدم ہمدم بہ مے خواراں بخلوت خانۂ حیرت شکستم ساغر و پیانۂ زہد ریائی را
گرفتم دامنِ صحرا شدم ہم پیشۂ مجنوں سبق آموز گشتم درسِ عشقِ بے نوائی را

آرزو

آرزو تخلّص کی کوئی عورت سمرقندی خوش گو تھی:

مانند داغِ عشقِ اُو بر جانم از ہر آرزو آرزو! سوز است عشق و من سراپا آرزو

آرزوئی (۴۴)

آرزوئی تخلّص کی یہ خوش خیال بھی سمرقندی تھی:

شویم خاک رہت گر بہ درد ما نہ رسی چناں رویم کہ دیگر بہ گرد ما نہ رسی

آقا[۹]

آقا تخلّص، مہتر، یعنی دارغہ رکاب خانۂ محمد جان ترکمان مسمّا بہ مہتر فزائی خراسانی کی دُخترِ نیک اختر کا یہ مطلع زبان زد ہے:

زہشیارانِ عالم ہر کرا دیدم غمے دارد دلا دیوانہ شو دیوانگی ہم عالمے دارد

آقا بیگم[۱۰]

آقا بیگم متخلّص بہ نام، ہراتی شاعرہ، سلطان حسین بہادر خاں کے عہد میں مرجع خاص و عام تھی۔ ہر سال شاعروں کو غلّہ، بہ طور وظیفہ کے دیا کرتی تھی۔ اتفاقاً ایک سال خواجہ آصفی کا وظیفہ نہ پہنچا تو یوں تقاضا ہوا:[۱۱]

ایا عروسِ خطا بخش جُرم پوش بگو کہ گے وظیفۂ ما را قرار خواہی داد

بوقت غلّہ مرا گفتۂ کہ باز دہم سرم فداے درت چند بار خواہی داد

جواہر العجائب میں اِس کا نام آفاق جلائرُ لکھا ہے، اور یہ ہی درست معلوم ہوتا ہے۔ نیز کتاب مذکور سے معلوم ہوا کہ یہ شاعرہ میر علی جلائر کی بیٹی، سلطان احمد بغدادی بادشاہ کی نسل میں تھی اور امیر علی درویش کتاب دار کی حرم تھی۔ ایک ر.ز میرزا بدیع الزماں کے حضور حاضر تھی اور شراب کا پیالہ دوڑ رہا تھا، اور اُن کی وہ مثل تھی کہ "نو سو چوہے کھا کے بلّی حج کو چلی"، یعنی مے نوشی سے تائب تھیں۔ غرض کہ اُس وقت یہ شعر کہا:

من اگر توبہ ز مے کردہ ام، اے سروِ سہی! تُو خود ایں توبہ نکردی کہ مرا مے نہ دہی (۴۵)

دیگر

اشکے کہ سر ز گوشۂ چشم، بروں کند بر رُوے من نشیند و دعواے خوں کند (۴۶)

آہ! ازاں زُلفے کہ دارد رشتۂ جاں تاب ازو واے زاں لعلے کہ ہر دم میخورم خوں ناب ازو

....

نتواں دید رُخِ خوب ترا ماہ بماہ زاں کہ آساں نتواں کرد بخورشید نگاہ

ترانہ

آبے کہ فلک بلب چکاند ما را سر گشتہ بروے خود دواند ما را

اے کاش! بمنزلے رساند ما را کز ہستیِ خود باز رہاند ما را

تنبیہ: منجملہ اشعارِ بالا کے، پہلا شعر ایک کتاب میں کسی اَور کے نام سے لکھا ہے۔

امانی

امانی تخلص، زیب النسا مخفی کی کنیز خاص با اختصاص تھی، جس کا مکان دہلی میں کلاں محل کے متصل تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مخفی و امانی گل گشتِ چمن میں مصروف تھیں، یک بیک شہزادی کے غنچۂ دہن سے یہ صداے جاں (۴۷) فزا نکلی:

اے امانی! گلِ صد برگ چرا می خندد؟

اُس عندلیبِ ہزار داستاں نے بھی فوراً اپنی منقاریوں کھولی:

بر بقاے خود و بر غفلتِ ما می خندد

الختصر، اِس کا کلام کم یاب ہے۔ صرف یہ ہی شعر نظر سے گزرا:

آں قدر روزِ ازل تیرہ نصیبم کردند تیرگی می طلبد شامِ غریباں از من

بادشاہ خاتون

بادشاہ خاتون نامی ایک شہ زادی قطب الدین محمد سلطان کرمانی کی بیٹی، سلطان قازن کے وقت میں خوش نویس اور فاضلہ گزری ہے۔ اکثر مصحف کی کتابت سے بسر اوقات کرتی تھی۔ جب کہ خود زیب دہِ چمنِ سلطنت ہوئی، اربابِ فضل و کمال کو نہال کر دیا۔ یہ شعر اِس کے نامِ نامی سے ممتاز ہیں:

درونِ[۱۲] پردۂ عصمت کہ تکیہ گاہِ من ست مسافرانِ ہوا را گزر بہ دشواریست

ہمیشہ بادِ سرِ زن بزیرِ مقنعۂ من کہ تار و پود وے از عصمت نکوکاریست

....

آں روز کہ در ازل نشانش کردند آسائشِ جاں بہ بے دلانش کردند

دعوا بہ لبِ نگار می کرد نبات زاں روی سہ چوب در دہانش کردند

....

بر لعل کہ دید ہرگز از مشک رقم با غالیہ بر دوش کجا راندہ قلم

جاناں! اثرِ خالِ سیہ بر لبِ تُو تاریک بہ آبِ زندگانیست بہم

بزرگی

بزرگی تخلص کی ایک کشمیری کنجری، یعنی کسبی تھی۔ جہاں گیر بادشاہ کے وقت میں اپنا پیشہ ترک کر، متوکلانہ اوقات بسر کرنے لگی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اِس کی شہرت سُن کر چار شاعر، سفرِ دور دراز طے کر اِس کی ملاقات کو آئے مگر باریاب نہ ہوئے۔ اِس اثنا میں کوئی عرب بچہ، اوباش وضع، آ نکلا اور دَرّانہ اندر چلا گیا۔ شاعروں نے جھلّا کر یہ رباعی لکھ بھیجی:

اے شیوۂ کفر و دیں بہم ساختۂ! غم را بوجودِ خود عدم ساختۂ

آثارِ بزرگی از جبینت پیداست گہ با عرب و گہ بعجم ساختۂ

اس شاعرہ نے یہ جواب لکھا:

روزے کہ نہادیم دریں دیر قدم را گفتیم صلاحیت عرب را و عجم را

الغرض، یہ شعر بھی اِسی کا ہے:

مو بمو در نالہ اَم گوئی کہ اُستادِ ازل رشتۂ جانم بجاے تار بر طنبور بست

بیچہ منجمہ [۴۷]

بیچہ منجمہ نامی عورت، علمِ نجوم کی فاضلۂ لاکلام تھی۔ شاعرۂ لطیفہ گو اور عارفۂ نادرہ ایام تھی۔ سامانِ دنیوی سے نہال، امرا و سلاطین کی ملاقاتوں سے خوش حال تھی۔ مُلّا جامؔی سے اِس کی نہایت ظرافت رہتی تھی۔ یہ بھی خوب خوب چوٹ چلتی تھی۔ کہتے ہیں کہ مُلّا صاحب نے حمام و مدرسہ و مسجد تیار کیے۔ اِس نے بھی ایسے ہی مکان بنوائے، شہر کے اکابروں کو نماز کے واسطے بلوایا، نہایت تکلف کیا مگر مُلّا رونق افزا نہ ہوا، بل کہ ایک قطعہ لکھ بھیجا جس کا ایک ہی شعر بندے کو ملا:

نہ گزارم بمسجدِ تُو نماز زاں کہ محرابِ آں نمازی نیست

اِس نے سُنتے ہی گھبرا کر کہا کہ ''ہیں! ملا جی کیا فرماتے ہیں! جو شے اُنھوں نے بنوائی، میں نے بھی تیار کروائی۔ جو جو فضائل اُن میں ہیں، مجھ میں بھی ہیں۔ پھر اُن کو کس بات پر ناز ہے؟'' جامؔی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ''ہم ایک ایسی چیز رکھتے ہیں، جو اُس کے پاس نہیں ہے۔'' اِس نے کہلا بھیجا کہ ''ہمارے پاس بھی ایسی شے ہے کہ وہ نہیں رکھتے، بل کہ وہ ہمارے محتاج ہیں۔'' حضرت کو یہ لطیفہ پسند آیا اور اُس کے مکان میں قدم رنجہ فرمایا۔

یہ مطلع اس کا، جو اس نے اپنے خاوند کے مرثیہ میں لکھا تھا، مشہور ہے:

کوکبِ بختم کہ بود از وے منوّر آسماں بنگر اے مہ! کز فراقت درز میں است ایں زماں

بیدلؔ (۴۸)

بیدلؔ تخلص، منکوحۂ شیخ عبداللہ دیوانہ، پسر خواجہ حکیم، کا ہے، جو شہر ہرات میں نہایت خوش طبع

مشہور تھا۔ اس کا حال امیر علی شیر نے اپنے تذکرۂ شعرا میں بہت لکھا ہے۔ غرض، یہ شعر بے دلی کا ہے:

روم بہ باغ و ز نرگس دو دیدہ وام کنم — کہ تا نظارۂ آں سروِ خوش خرام کنم

پرتوی

پرتوی تخلص کی کوئی تبریزی خوش گپ تھی:

جامہ گل گونے در آمد مست در کاشانہ ام — خیز، اے ہم دم! کہ اُفتاد آتشے در خانہ ام

جمالی[۱۴]

جمالی تخلص، مولانا بدرالدین ہلالی کی بیٹی، جس کے کمال کی خوبی اسی غزل سے واضح ہے۔ جامۂ جمالی:

بہار و سبزہ و گل خوش بہ روے جانان ست — وگرنہ ہر یک ازیں جملہ آفتِ جان ست

بہ غنچہ مہر چہ بندد ز گل چہ بہ کشاید — ولے کہ خوں شدہ از خار خارِ ہجران ست

مراں بخواریم، اے باغباں! ز مجلسِ خویش — کہ پنج روز دگر گل بخاک یکسان ست

حدیثِ زُلفِ دل آویز، اے نگار اُمشب — زمن مپرس! کہ بس خاطرم پریشان ست

بگوئی شعرِ جمالی کہ نزدِ سیم براں — ہزار بیت و غزل پیش مجہ یکسان ست

جمیلہ

جمیلہ تخلص کی کوئی زنِ فصیحہ اصفہانی، بطریقِ مُتعہ، حبیب اللہ تُرک کے گھر میں تھی:

جُز خارِ غم نہ رست ز گل زارِ بختِ ما — آں ہم خلیدہ در جگرِ لختِ لختِ ما

جہاں آرا

جہاں آرا تخلص ہے بنتِ کلاں شاہ جہاں، ہمشیرۂ اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ دہلی کا،

جو سنہ ۱۰۹۲ ہجری میں فردوس آرا ہوئی۔ اِس کا مزار نظام الدین اولیا کی درگاہ میں واقع ہے، اور لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے:

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا — کہ قبر پوشِ غریباں ہمی گیاہ بس است (۴۹)

درگاہِ موصوف کے خادم، شعرِ مسطور شہزادیِ مذکورہ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس لیے یہاں لکھا گیا۔

جہاں

جہاں خاتون نامی، منکوحۂ خواجہ قوام الدین امین الدولہ، وزیرِ ابو اسحاق۔ سلمانؔ و عبیدؔ شاعروں کی ہم عصر تھی۔ عبیدؔ زاکانی پر یہ بلیغہ، فصیحہ، اپنے نکاح سے ایک روز پیش تر غلبہ پا چکی تھی۔ اس نظر سے عبیدِ مذکور، نکاح کے دن اِس کے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ اس نے نکاح کر لیا ہے۔ پس، ایک قطعہ لکھ بھیجا، جس کا آخری مصرع یہ ہے (۵۰):

خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

وزیرِ خوش تدبیر نے اُس کا ماجرا دریافت کر، اُسے بُلا لیا اور اپنی صحبتِ خلوت میں دوبالا گرم جوش ہوا۔ (۵۱) سُنا ہے کہ عبیدؔ زاکانی نے یہ شعر بھی اِس کی شان میں کہا تھا:

گر غزل ہائے جہاں خاتون بہ ہندستاں فتد — روحِ خسروؔ ہم حسنؔ گوید کہ ایں کس گفتہ ست

کہتے ہیں کہ خواجہ شمس الدین حافظِؔ شیراز بھی اِس شاعرہ سے ملے تھے، بل کہ اُنھوں نے اپنی ایک غزل بھی اِس کو سُنائی تھی جس میں یہ شعر تھا:

اعتمادے نیست بر کارِ جہاں — بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم

خاتون نے اپنے نام کی ہجو سمجھ کر یوں جواب دیا:

حافظا! ایں مے پرستی تا بکے — اے ز تو بیزار و مستاں نیز ہم

یہ شعر بھی اِسی کا ہے۔ (تنبیہ: منتخب التواریخ والا لکھتا ہے کہ سنہ ۷۲۳ ہجری [مطابق ۲۳-۱۳۲۲ء] میں بہ عہدِ غیاث الدین تغلق، عبیدؔ زاکانی شاعر، الغ خان شاہ زادۂ تغلقیہ کے ہم راہ تھا۵۲، جس نے امیر خسروؔ کی نسبت یہ شعر کہا تھا:

(غلط اُفتاد خسرو راز خامی کہ سکپا☆ پخت در دیگِ نظامی)

مصوّریست کہ صورت ز آب می سازد ز ذرّہ ذرّۂ خاک آفتاب می سازد

حجابی

حجابی تخلص، بنتِ خواجہ ہادی استرآبادی کا ہے، جو ہمیشہ نقاب کے حجاب میں رہتی تھی:

خطِ عذارِ تُو و مشکِ ناب، ہر دو یکے است مہِ جمالِ تُو و آفتاب، ہر دو یکے است [۴۹]

حیات

حیات تخلص، حیات النساے متذکرہ تحتِ آرام، کے یہ شعر اَور ہیں:

چہ سازم طوفِ دیر و کعبہ و بُت خانہ و مسجد بگردِ چشم و ابرویت، دلم ہر لحظہ می گردد

بیا زاہد، کہ جامِ بادۂ گُل گوں بنوشانم مرد در کعبہ کانجا نیست جز خونِ جگر خوردن

حیات [۵۰]

حیات تخلص، یہ ظریفہ و عارفہ، خواجہ قوام الدین شوہرِ جہاں خاتونِ مذکور کی پہلی منکوحہ تھی۔ جب اِس نے نکاحِ ثانی کی خبر سُنی، خواجہ کو لکھ بھیجا:

ہر کہ غمِ جہاں خورد، گے خورد از حیات بر رو تُو غمِ جہاں مخور تا ز حیات بر خوری

حیاتی

حیاتی تخلص کی ایک عورت، لطیفہ گو، حسینہ جمیلہ تھی، جس کی یہ غزل مشہور ہوئی:

عجب شیریں لبے، لیلیٰ عذارے کردہ اَم پیدا[۵۲] دریں ایّام خوش حالم کہ یارے کردہ اَم پیدا

بیادِ لعلِ شیریں می کنم چوں کوہ کن جانے چو فرہاد از براے خویش کارے کردہ اَم پیدا

ز پا اُفتادم، ز اندوہِ ہجراں چوں کنم، یارب! کہ ایں اندوہ از دستِ نگارے کردہ اَم پیدا

چو مجنوں می نہم رُو بر کفِ پائے سگِ کویش من دیوانہ نیکو غم گسارے کردہ اَم پیدا
بیک دم صرفِ راہِ آں بُتے بیگانہ وش کردم حیاتی آں چہ من در روزگارے کردہ اَم پیدا (۵۳)

خان زادی[۱۸]

کوئی اِس کو تبریزی لکھتا ہے، کوئی ترکی، کسی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاعرہ فخر النسا نسائی کی بہن تھی اور امیر یادگار کی بیٹی۔ بہر کیف، یہ مطلع اِس کا ہے:

شبے در منزلِ ما، میہماں خواہی شدن یا نہ؟ انیسِ خاطرِ ایں ناتواں، خواہی شدن یا نہ؟

دوستی[۱۹]

دوستی تخلص، نسائی نام، دخترِ میر قیام سبزواری کے یہ شعر ہیں:

ہر کجا آں مہ بہ آں زلفِ پریشاں بگزرد ہر کہ کفرِ زُلفِ اُو بیند ز ایماں بگزرد
اے محبّاں! بوالعجب دردیست دردِ عاشقی ہر کہ دامن گیرد ایں دردش ز درماں بگزرد
ہر کہ عاشق شُد ازو دیگر سروساماں مجو زاں کہ عاشق ترکِ سر گوید ز ساماں بگزرد
در فراقش دوستی گرید چو ابرِ نوبہار گریۂ زارش چو بیند یار گریاں بگزرد

....

ز آشنائیِ تُو عاقبت جدائی بود فغاں کہ با تُو مرا ایں چہ آشنائی بود؟

زائری[۲۰]

زائری تخلص، مجہول الحال[۲۱] کوئی خوش مقال تھی، جس کا کلام یہ ہے: (۵۴)

خوردنِ خونِ دل از چشمِ تر آموختہ اَم خونِ دل خوردہ اَم و ایں ہُنر آموختہ اَم
کارِ من بے تُو بجز خونِ [جگر] خوردن نیست (۵۵) طرفہ کارے کہ بخونِ جگر آموختہ اَم
شیوۂ عاشقی و طرزِ نظر بازی را ہمہ از مردمِ صاحب نظر آموختہ اَم
ناصحا! چند کنی منع من از عشقِ بُتاں من ز اُستادِ قضا، ایں قدر آموختہ اَم

زارؔی! بہرِ طوافِ حرمِ کوے بُتاں صبح خیزی ز نسیمِ سحر آموختہ اَم (۵۶)

سلطاںؔ

سلطاںؔ تخلص، خدیجہ سلطان بیگم نام، دُخترِ علی قلی خاں والہؔ داغستانی۔ بعض کا خیال ہے کہ خانِ مذکور اِس پر نہایت شیفتہ و فریفتہ تھا۔ غرض کہ اِس کے کلام کا یہ نمونہ ہے:

من ساقی اَم و شراب حاضر اے عاشقِ تشنہ! آب حاضر
باحسنِ من آفتاب ہیچ است ایک من و آفتاب حاضر
سلطاںؔ! چو من نبود در دہر عالم عالم کتاب حاضر

شیریںؔ

شیریںؔ تخلص ہے، سلطان رضیہ بیگم نام، بنتِ سلطان شمس الدین التمش کا۔ جب کہ سنہ ۱۲۳۶ء میں التمش کی وفات ہوئی تو رکن الدین فیروز اپنی والدہ ظالمہ کے طور پر، سلطنت کو چھوڑ کر عیاشی میں مصروف ہو، سات ہی مہینے میں معزول ہوا اور اُس کی بہن، یعنی یہ ہی رضیہ بیگم تخت پر بیٹھی۔ اِس نے اصطبل کے داروغہ حبشی غلام کو، جو اِس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر گھوڑے پر سوار کروایا کرتا تھا، امیر الامرائی کا خطاب دیا۔ ارکانِ سلطنت کو یہ اَمر سخت ناگوار گزرا، چناں چہ اِسی فساد میں بیگم مع غلامِ مذکور شہید ہوئی۔ اِس کی قبر بلبلی خانہ کے محلّے میں، اندر شہرِ دہلی، بہ علاقۂ ترکمان دروازہ موجود ہے:

بازآ شیریں! منہ در راہِ اُلفت گامِ خویش ہاں، و لے نہ شنیدہ باشی قصۂ فرہاد را (۵۷)

....

غلطیدنِ نُورِ رُخِ خورشید بُجز ایں چہ؟ بسمل شدۂ تیغِ نگاہِ غضبِ ماست
از ماست کہ بر ماست، چہ تقصیرِ دلِ زار؟ آں کشتۂ اندازِ غمِ بے سببِ ماست

....

کنم بہ برکتِ پا چرخِ تختِ سلطانی دہم بہ بالِ ہما، خدمتِ مگس رانی

ضعیفی

ضعیفی تخلص ہے، کسی ہم عصرِ آرزو مذکور کا۔ آرزو کے شعرِ مسطور کا جواب اُس کی طرف سے یہ ہوا:

در دلم بود آرزویت پیش از ہر آرزو — دیدم آں روے وفزوں شد آرزو بر آرزو

کہتے ہیں کہ ضعیفی نے اپنے ضعیف خاوند کی شان میں یہ دو بیت انشا کی تھی:

اے مرد! تُرا بہ مہرم انگیزی نیست — ہم پیر و ضعیفی و ترا خیزی نیست

باایں ہمہ می دہی نہیبم ز زدن — خود قوت آں تُرا کہ برخیزی نیست

جس کا جواب اِس طرح سُنا تھا:

اے زن! دگر آں کہ بامن آمیزی نیست — کارِ تُو بغیر فتنہ انگیزی نیست

دارم ہمہ عیب را کہ گفتی لیکن — بے بتر از بلاے برخیزی نیست

عائشہ

عائشہ تخلص، کسی سمرقندی کی یہ دو مان ملی ہے:

اشکے کہ ز چشمِ من بہ رو غلطید است — در گوش کسے واہ کہ مروارید است (۵۸)

از گوش بروں آر کہ بدنامیِ تست — کاں را بہ رخم تمام عالم دید است

عصمتی [۲۲]

اِس تخلص کی تین عورتوں کا کلام اِس وقت پیشِ نظر ہے۔

اوّل، قاضی زادی سمرقندی، جس کو ایک تذکرہ والا بنام دُختر لکھتا ہے: [۲۳]

مگر رسواے عشق از مردمِ عالم غمے دارد — کہ عاشق گشتن و رسوا شدن ہم عالمے دارد

عصمتی

دوم، خواف کے حاکم متخلص بہ حاکی صاحبِ دیوان کی ہمشیرۂ پارسا (۵۹) جو باکرہ ہی مرگئی:

از پا شکستگاں، طلبِ کعبہ مشکل است آں کعبہ کہ دست دہد کعبۂ دلست

عصمتی

سیوم، نواب جہاں آرا بیگم، جس کے نام پر بہارستانِ ناز میں ایک قصۂ غیر معتبر مصلح الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمتہ کا لکھ کر یہ شعر لکھے ہیں:

ہمیں اُمید وارم از تُو، اے پروردگارِ من! چو من دیوانہ گردد آں بُتِ زنار دارِ من

نمی دانم کہ رشکِ ماہ گرد آلودہ از خاکم کہ نُورِ عرش را شرمندہ می سازد غبارِ من

یقینِ بے بہاے سازشں اے عصمتی! آں دم بگوشش گر رسد دُرِّ کلامِ آب دارِ من

عفتی

عفتی تخلص، اسفر کی عفت پناہ، شیخ آذری کی خادمہ کا ہے، جو نہایت شیریں کلام تھی:

قامتِ سَرو کہ در آب نمودار شدہ کردہ دعوا ز قدِ یارنگوں سار شدہ

فنا[۲۴]

فنا تخلص، نواب فتاۃ النسا بیگم، متذکرہ تحتِ آرام کا یہ کلام ہے:

مکن تکرار، اے دل! ہر نفس درسِ محبت را مدہ در ہر دو عالم، نشۂ صہباے حیرت را

....

جُز تو، اے شاہ جہاں بخش! اندریں عالم کیست؟ جُز جمع آورِ ارواح، تنِ آدم کیست؟

....

ہنگامِ سحر، دلبرِ من جلوہ گر آید صد فتنۂ خوابیدۂ محشر بہ سر آید

....

من از فراقِ تُو الماسِ غم بہ دل خوردم تُو دل شکستی و سوگندِ وصلِ ما خوردی

گنا بیگم

گنا بیگم نامی صبیہ علی قلی خاں والہ داغستانی، زوجہ نواب عماد الملک بہادر کی تھی۔ کہتے ہیں، جس روز اِس کا لختِ جگر فوت ہوا اور نواب نے خبر منگائی، تو اِس نے اپنی سوزشِ درونی یوں جتائی:

از حالِ ما مپرس کہ دل چاک کردہ اَم لختِ جگر بریدہ تہِ خاک کردہ اَم

بعض کا قول ہے کہ اس شعر کا مصرعِ ثانی کسی اُستاد کا ہے۔ پس، واللہ اعلم کہ اِس کو توارد ہوا یا اِس نے تضمیناً باندھا۔ بہر کیف، ترانہ لاحقہ بھی اِسی کا ہے۔ (''چمن انداز'' میں اِسی کو بہ تخلّصِ شوخ لکھا ہے۔ اخترِ تاباں والا کہتا ہے کہ یہ عروسِ ۱۶ سالہ دکھائی دیتی تھی۔ وزن میں نو سو روپیا بھر، یعنی ۱۱¼ [سوا گیارہ] سیر کئی دفعہ تلی تھی):

فوارہ ز ہر گوشہ شرارہ برزد از تار ترشح گرہِ گوہر زد
نے نے غلطم کہ در رگ و ریشۂ آب فصادِ ہوا ہزار جا نشتر زد

لالہ خاتون

لالہ خاتون نامی عورتِ مردانہ، بنتِ قطب الدین محمد، ولایتِ کرمان کی حکم ران تھی، جس کی طرف اشعارِ لاحقہ تذکرہ نویسوں نے منسوب کیے ہیں:

من آں زنم کہ ہمہ کارِ من نکوکاریست بزیرِ مقنعۂ من بسے کلہ داریست
نہ ہر زنے بہ دو گز مقنعہ است کد بانو نہ ہر سرے بہ کلاہے سزائے سرداریست
درونِ تکیۂ عصمت کہ تکیہ گاہِ منست مسافرانِ صبا را گزر بہ دشواریست
جمالِ سایۂ خود را دریغ می دارم ز آفتاب کہ او کوچہ گردِ بازاریست

تنبیہ: آقا بیگم کے بیان میں جو شعر: من اگر توبہ زنی...... الخ ــــ لکھا گیا ہے، بعض نے وہ بھی اس کی انشا پردازی گِنی ہے مگر میرے نزدیک قولِ اوّل، اوّل ہے اور تیسرا شعر، جو اِس کے نام پر لکھا گیا ہے، وہ بادشاہ خاتون کے نام پر بھی آچکا ہے۔ نہیں معلوم کہ اِس کا کیا سبب ہے۔ مرے نزدیک بادشاہ خاتون اور لالہ خاتون، ایک ہی مسمّا کے دو اسم ہیں۔

لطیفؔ

لطیفؔ تخلص کی لطیف النسا، زوجۂ شمشیر خاں، متوطن عظیم آباد، فارسی و اُردو گو تھی:

یادِ زلفت سر بہ سر داریم ما ۔۔۔ شغل ایں شام و سحر داریم ما
گاہ سر برسنگ و گہ برسنگ سر ۔۔۔ کے جز ایں شغلِ دگر داریم ما
دیدہ ام من آفتاب و روے تُو ۔۔۔ بر رُخِ مہ چوں نظر داریم ما؟
کاوشے بیجاست، اے چرخِ عدو! ۔۔۔ صاحبِ حشمت نہ زر داریم ما
گاہ در کعبہ و گہ در بُت کدہ ۔۔۔ جستجویت در بدر داریم ما
از کہ پُرسم؟ من زحالِ رفتگاں ۔۔۔ کس نمی گوید خبر داریم ما
بیم و غم دیگر نمی دارم لطیفؔ ۔۔۔ لیک از محشر خطر داریم ما

مخفیؔ

(اخترِ تاباں والا اِس کو بہ تخلصِ زیبؔ لکھتا ہے اور صاحبِ دیوان نہیں مانتا)۔ اگرچہ شہرت کے باعث اِس کا احوال سب پر عیاں ہے، بل کہ جب سے اِس کا دیوان چھپ گیا، یہ خود ظہوری ہو گئی، مگر جو کہ بعض اشخاص اِس کے صاحبِ دیوان ہونے کے قائل نہیں ہیں، اِس واسطے یہ چند سطور لکھتا ہوں۔

واضح ہو کہ اورنگ زیب بادشاہ [۴۵] کے پانچ لڑکے اور پانچ ہی لڑکیاں تھیں۔ ازاں جملہ صرف شاہ زادہ محمد سلطان سے چھوٹی اور سب سے بڑی یہ شہ زادی، نواب زیب النسا نامی، دسویں شوال سنہ ۱۰۴۸ ہجری [مطابق ۴ فروری ۱۶۳۹ء] میں [کذا] دل رس بانو دخترِ شاہ نواز خاں کے بطن سے پیدا ہوئی اور پینسٹھ برس کی عمر پا کر سنہ ۱۱۱۳ نبوی [مطابق ۱۷۰۲-۱۷۰۱ء] میں فوت ہو گئی۔ اِس کی وفات کی تاریخ میرے مہربان، خوش تقریر، شاہ بہاء الدین صاحب بشیرؔ نے یوں موزوں فرمائی ہے:

تاریخ

بہرِ تاریخِ مخفیؔ ام، ہیہات! ۔۔۔ 'ودخلی جنتی' بشیرؔ نگاشت

غرض کہ یہ شہ زادی؛ سعید اشرف پسر مصالح مازندرانی اصفہانی کی شاگردی سے صاحب

دیوان ہوئی۔ اگرچہ بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ دیوان، جو اِس کے نام سے چھپ کر مشتہر ہو رہا ہے، مخفی رشتی (۶۱) کا ہے۔ جس کو ملا جامی کا اُستاد خیال کرتے ہیں۔ سنہ ۱۸۷۶ء کی فہرست کتب مطبع منشی نول کشور صاحب میں لکھا ہے کہ یہ دیوان مخفی رشتی کا ہے، اور رشت، فارس میں ایک شہر کا نام ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ زیب النسا کا تخلص خفی تھا۔ کوئی لکھتا ہے کہ یہ اپنا نام ہی موزوں کرتی تھی، اور کچھ تخلص نہ تھا۔ ایک لکھتا ہے کہ یہ سنہ ۱۱۱۲[ھ۔ مطابق ۰۱-۱۷۰۰ء] میں، دہلی کے کابلی دروازہ کے باہر دفن ہوئی، اور دوسرا بتاتا ہے کہ لاہور کے قریب موضع نواں کوٹ اِس کا مزار ہے۔ الاّ، دہلوی اِسی بات پر قائم ہیں کہ اِس کی قبر دلّی کے تیس ہزاری باغ میں تھی، جو اَب چٹیل میدان پڑا ہے۔

[تاریخ دل چسپ اُردو، مطبوعہ سنہ ۱۳۱۳ ہجری [مطابق ۹۶-۱۸۹۵ء]، کے پہلے حصے سے ظاہر ہوا کہ دولت آباد کا قلعہ، اورنگ آباد سے پانچ کوس پر ہے۔ یاں پہاڑ کاٹ کر ایک لاثانی قلعہ ہندوؤں کے زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ اِس کے تین کوس پرے خُلد آباد موضع ہے۔ وہیں اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ کی قبر ہے، جس کی تاریخِ وفات وہاں کے مجاوروں کو "مغلا مُوا" (۱۱۱۸[ھ۔ مطابق ۰۷-۱۷۰۶ء]) یاد ہے۔ (اِس کلام سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ وہاں کی کسی جلی بھُنی بیگم یارانی نے یہ تاریخ کہہ دی ہو۔ اِسی نظر سے اِس موقع پر لکھی جاتی ہے)۔

یہ بھی یاد رہے کہ کتاب مسطور میں زیب النسا شہزادی کا کچھ ذکر نہیں لکھا۔ بس، سفرنامہ کی عبارتِ مندرجہٴ انتباہِ آئندہٴ متن، پایہٴ اعتبار سے گر گئی۔] (۶۲)

انتباہ : یہ رسالہ پہلی دفعہ سنہ ۱۸۷۶ء میں چھپ کر مشتہر ہو گیا تھا کہ بندہ موٴلف ۷ اپریل سنہ ۱۸۸۰ء کو بہ حصولِ پنشن، نوکری سے دست بردار ہوا، اپنے گھر پر مطالعہٴ کتبِ مختلفہ میں مصروف رہا۔ یکایک ایک کتاب علمِ سِیَر میں نہایت عمدہ، موسوم بہ تاریخ یوسفی مشہور بہ عجائباتِ فرنگ (۶۳) ہاتھ آئی کہ دراصل وہ کتاب یوسف خاں کمبل پوش سلیمانی مذہب کا سفرنامہ ہے۔ جو سنہ ۱۸۳۸ء میں اپنے وطن حیدرآباد سے نکل کر نیپال، مندراج، شاہ جہاں آباد، وغیرہ کی سیر کرتا ہوا لکھنؤ میں، بہ عہد شاہ نصیر الدین حیدر، رسالہٴ خاص کا جماعدار (جس کو جمعدار بولتے ہیں) اور پھر صوبے دار رہ کر سنہ ۱۸۳۶ء کو کلکتہ گیا۔ وہاں سے سنہ ۱۸۳۷ء کے مارچ مہینے میں لندن، فرانس، وغیرہ ممالک

کی سیر کو گیا۔ آتے ہوئے مصر، بمبئی ہوتا ہوا اور نگ آباد آیا۔

وہ لکھتا ہے کہ اِس جگہ عالم گیر کی قبر ہے۔ اُس کے مقبرہ کے پاس زیب النسا کا مزار ہے اور نہایت عمدہ مقبرہ سنگِ مَرمَر کا بنا ہوا ہے۔ فی الحال اِس کے پتھر نظام الملک نکال کر اپنی والدہ کے مقبرہ میں لگوا رہا ہے۔ واللہ اعلم بہ حقیقتِ حال۔

ہاں، یہ بھی سُنا ہے کہ یہ دیوان، جو لکھنؤ اور دلّی اور میرٹھ میں اِس کے نام سے چھپا ہے، نہایت مختصر ہے۔ اِس کا کلیاتِ ضخیم (۶۴) قلمی، لوگوں کے پاس موجود ہے، اور ایک انشا بھی اِس کی نشانی ہے، جس کا ایک رقعہ نمونے کے طور پر یہاں لکھا جاتا ہے۔

رقعہٗ زیب النسا، جو اُس نے اپنے پیر کو لکھا تھا

"نقطہٗ پرکارِ تدویرِ وجودِ ہفتم، خطِ محیطِ صفحہٗ فلکِ ہشتم، حضرتِ پیرِ من! ظلکم ابدا! بہ مردیِ مردانِ خدا، ورد رسیدۂ زیب النسا حرمانے کہ دارد، پایانے ندارد۔ اگر از تجریدِ خود دم تفرید زنم، رواست۔ من کہ بصورتِ گرفتارم از معنی خبردار۔ ابیات:

با لبِ دم سازِ خود گر خفتمے ہم چو نے من گفتنی ہا گفتمے (۶۵)
آں کہ اُو از ہم زبانے شد جدا (۶۶) بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

[ابیاتِ بالا مثنوی (۶۷) کے پہلے دفتر کے شروع ہی کے ہیں اور مولانا محمد عبدالرحمٰن صاحب راسخ نے اپنی کتاب مرقوم، حصّہٗ اوّل، دفترِ اوّل، شرح اُردو مثنوی مولانا روم میں پہلے شعر کی شرح چار طرح پر لکھی ہے اور خوب مشرّح کر کے سمجھایا ہے۔ غرض، وہ کُل کتاب ہی دیکھنے کے لائق ہے۔ وہاں اِن شعروں کا ترجمہ یہ لکھا ہے:

میں اگر ملتا لبِ دم ساز سے مثلِ نَے آگاہ کرتا راز سے
ہو گیا ہو ہم زباں جس کا جدا بے نوا ہے، گرچہ ہووے با نوا

میں نے یہ نوٹ صرف اِس خیال سے لکھا ہے کہ اِن بیتوں سے کوئی مجھ سا کم فہم یہ خیال خام نہ کرے کہ زیب النسا اپنی ناکدخدائی کا ملال ظاہر کرتی ہے۔ لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ۔] (۶۸)

المختصر، اِس خوش نویس شاعرہ، فاضلہ، حافظہ کے لطائف و ظرائف بھی اکثر زبان زدِ جمہور ہیں۔ [جیسے یہ لطیفہ ہے: کہتے ہیں، بادشاہ عالم گیر کے حضور ایک شاعر حاضر ہوا، جس نے بدیہ گوئی کا

ایماپایا۔ اُس نے گردن اُٹھا، جھروکے کی طرف دیکھا، زیب النسا کا جلوہ نظر پڑا، فوراً بول اُٹھا:

نازنینے دیدم اندر غرفۂ مہ جبینے، عشوہ سنجے طرفۂ حیلہٗ باید ز بہرِ دیدنش

(خندۂ یا عطسۂ یا سُرفۂ)[69]۔

تین ہی مصرعے کہہ کر خاموش ہو رہا۔ ہر چند سوچا، چوتھا مصرع خیال میں نہ آیا۔ شاہِ جم جاہ نے جملہ شُعَرائے دربار سے اِس کا پیوند چاہا، پر کوئی عہدہ برآ نہ ہوسکا۔ بالآخر مخفیؔ ہی نے چوتھا مصرع کہلا بھیجا، جو بریکٹ بالائی میں درج ہوا۔][70]

بندہ بہ خوفِ طوالت سب کو ترک کر کر چند شعرِ مشہورہ، دیوان کی سَنَد ہونے کے لکھتا ہے[71]:

آہستہ، برگِ گُل بفشاں بر مزارِ ما بس نازک است شیشۂ دل در کنارِ ما

گرچہ من لیلیٰ اساسم دل چو مجنوں در ہواست سر بہ صحرا می زنم لیکن حیا زنجیرِ پاست

کہتے ہیں، اِس شعر کا جواب عاقل خاں رازیؔ نے یہ دیا تھا:

عشق تا خام است باشد بستۂ ناموس و ننگ پختہ مغزانِ جنوں را کے حیا زنجیرِ پاست؟

اس نے ردِّ جواب اِس طرح سنایا:

پاک بازانِ محبت را حیا باشد مدام چوں تُو مرغِ بے حیا را کے حیا زنجیرِ پاست؟

اِس غزل کا مقطع، جو دیوان کو اِسی کا ثابت کرتا ہے، یہ ہے:

دخترِ شاہم و لیکن رو بہ فقر آوردہ اَم زیب و زینت بس ہمیں، نامم چو زیب النساست[72]

....

اے عندلیبِ نالاں! دم در گلو گرہ گیر نازک مزاجِ شاہاں تابِ سخن ندارد

....

آفریں بر جگرم باد کہ در کشورِ ہند سکّۂ نقدِ سخن رائجِ ایران زدہ اَم

تنبیہ: ہاں، ناظرانِ باعزّ و شان! میں نے اپنے تذکرۂ نادر الاذکار میں اقسامِ شعریہ مع امثلہ، مفصّل لکھے مگر اِس کے دیوانِ فصاحت تبیان میں ایک مسمّط قسمیہ عجیب و غریب نظر آیا، جس کا ثانی آج تک دیکھا، نہ سُنا۔ پس، اِس کو تو طرزِ مرصّع کہنا زیبا ہے، جس کے مطلع و مقطع کا بند یہ ہے:

بہ سنانِ نگہِ یار قسم بہ سرِ طرّۂ دل دار قسم

به کماں خانهٔ ابرو سوگند　　به سرِ نرگسِ جادو سوگند
که شدم کشتهٔ چشم [د] نگہت　　خاکِ رہ کشتهٔ طرزِ ستمت

....

به صفائے ملک العرش قسم　　از سما تا به سرِ عرش قسم
بخدا و بحقیقت سوگند　　به سرِ شمعِ نبوّت سوگند
مدعا خاکِ رہِ جاں ست　　نظرِ لطف پےِ درماں ست

مُشتری

مشتری تخلص ہے موجود الوقت، قمرن جان (۷۲) نام، بی منجھو لقب کا، جو طوائفانِ لکھنؤ سے ہے اور بہ شاگردی میاں تحسّس صاحب کے، اپنے تئیں فلکِ چہارم سے بھی بلندی پر سمجھتی ہے۔ جب کمانِ زبان کوزہ کرتی ہے تو بے تحاشا (۷۳) زبان آورانِ زمان کو گرم و سرد سناتی ہے، اپنے نزدیک اَوروں کو مچھلیوں کی طرح بھونتی (۷۴) ہے۔ الا، اِس کو بھی ہوا بتانے والیاں موجود ہیں۔ گو یہ مردانہ دَم مارتی ہے مگر اُن کے رُوبرو اِس کی تمام نفسانیتیں بے سُود ہیں۔ الغرض، یہ شاعرہ اُردو کے شعر بھی کہتی ہے اور زہرہ نامی اِس کی بہن بھی اُردو کی شاعرہ ہے۔ بس، اِن کا جھگڑا ان شاء اللہ تعالیٰ دوسرے حصّہ میں لکھوں گا۔ اب اِس کے اشعارِ فارسی [ﷺ] سنیے:

بر درِ یار جبهه سائی ها　　به ازیں نیست پارسائی ها
رتبهٔ من فزوں ز شاہاں ست　　می کنم بر درش گدائی ها
از که آموختی؟ سرت گردم　　جانِ من! طرزِ دل ربائی ها
چه قدر ساده است آئینه　　می کند باتُو خودنمائی ها
از تو آموخت مشتری شاید　　عندلیبانِ غزل سرائی ها

مطربہ

مطربہ تخلص کی کوئی کاشغری عورت، طغان شاہ کے گھر میں تھی، جس کے مرثیے میں یہ رباعی کہہ گئی ہے:

در ماتمت، اے شاہ! بیہ شد روزم بے روے تُو دیدگاں خود بر دوزم
تیغ تُو کجاست؟ اے دریغا! تا من خون ریختن از دیدہ بہ او آموزم

ملکہ

ملکہ[۲۸]، جس کو اکثروں نے سیّد بیگم کے نام سے لکھا ہے، بنتِ سیّد حسن کارہ گیا، باشندۂ جرجان معروف بہ استر آباد، پایۂ تختِ ماژندران۔ ساداتِ عالی نسب سے تھی۔ اِس کا دیوان بھی موجود ہے لیکن اُس سے بہت کم لوگ واقف ہیں:

مرا دردیست در دلِ بے قرار از ہجر یارِ خود[۲۹] چہ گویم؟ پیشِ بے درداں ز دردِ بے قرارِ خود
بہ دردِ دل چناں گریم کہ خوں گردد دلِ خارا چو یاد آرم من سرگشتہ از یار و دیارِ خود
ازاں پیوستہ در عالم چنیں سرگشت می گردم کہ می بینم چو زُلفِ اُو پریشاں روزگارِ خود
گلے از باغِ وصلِ اُو، بچیدم بر مرادِ خود (۷۵) چو غنچہ گرچہ خوں دیدم، دلِ اُمید وارِ خود
ز استغنا ندارد گوش یک بار آں جفا پیشہ اگر در پیشِ اُو صد بار گویم حالِ زارِ خود
بکارِ خویش حیرانم کہ از عشقِ بُتاں ہرگز سر و ساماں نمی بینم منِ مسکیں بکارِ خود
ازیں سوزے کہ من دارم ز عشقِ اُو پس از مُردن بخواہد سوخت آخر اے ملک! لوحِ مزارِ خود[۳۰]

مہری

مہری ہراتی۔ اِس کے بیان میں تذکرہ نویسوں نے عجب عجب گل کھلائے ہیں۔ سب سے معتبر قول تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعرہ شاہ رُخ میرزا کے عہد میں، بہ ملازمتِ گوہر شاہ بیگم ممتاز تھی۔ خواجہ عبدالعزیز حکیم اِس کا خاوند تھا جو سرکاری طبیب کہلاتا تھا۔ اصل اِس کی کوکان سے ہے۔ بعض کا

خیال تھا کہ یہ، بیگم موصوف کے بھانجے سے میل رکھتی تھی، چناں چہ اِس کے خاوند نے اسی اشتباہ میں اسے قید کیا تو اس نے یہ رُباعی موزوں کی:

سر کندہ نہاد سروِ سیمیں تن را زیں واقعہ شیون است مرد و زن را (۷۶)
افسوس! کہ در کندہ نخواہد سودن پاے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

(اخترِ تاباں ظاہر کرتا ہے کہ یہ مہریؔ ہرویہ شاعرہ ہم عصر جامیؔ کی تھی، شاہِ ایران کے محل میں رہتی تھی۔ اُسی نے اِسے قید کیا تھا، کیوں کہ کسی جوان سے پھنس گئی تھی۔ اس کے خاوند کو ضعفِ باہ تھا جو اُسی کے کلام سے ظاہر ہے۔ یہ رباعی اُس کی ہے، نہ کہ مہریؔ ہراتی کی (۷۷)۔ اشعارِ ذیل سے شعر نمبر ۲ و ۳ و ۴ و ۵، یعنی ہر دو رباعیِ اوّل مع اِس رباعی کے، ہرویہ کا کلام ہے، باقی ہراتیہ کا)۔

اور معتبر نقل ہے کہ ایک روز سلطان مسعود میرزا، خواہر زادۂ بیگم ممدوح، اس کو لیے مع عبیدیؔ شاعر کے، اختیار الدین کے قلعہ پر، جو ہرات میں مشہور مقام ہے، رونق افروز تھا کہ اس کا خاوند دکھائی دیا۔ میرزا نے مسکرا کر اشارہ کیا، اُس نے بدیہہ یہ شعر سُنایا:

کردم بر اوجِ برجِ مہ خویشتن طلوع ہاں، اے حکیم! طالعِ مسعود من نگر

اور روایت ہے کہ ایک دفعہ بہار کے موسم میں سُرخ محل کے نیچے بہت آدمی گل گشت کر رہے تھے۔ یہ بھی جھروکا سے دیکھ رہی تھی کہ اِس کی نگاہ ایک بڈھے پر پڑی جو اِسی کو گھور رہا تھا۔ اِس نے اُس سے استفسارِ حال کیا، اُس نے یوں جواب دیا۔ مصرع:

آں جا کہ عیاں ست، چہ حاجت بہ بیاں ست

اس حاضر جواب نے قہقہہ لگا کر کہا:

یارب! کہ سر شتم زچہ آب و چہ گل است؟ میلم ہمہ سُوے دلبرانِ چہ گل است
گر میل مرا بہ سوے پیراں بودے از پیر ضعیفِ ناتوانم چہ گل است

اُور سُنیے! کہ ایک روز یہ لطیفہ گو، بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر تھی کہ حکیم جی دکھائی دیے۔ بیگم نے بلوایا۔ وہ بے چارہ کبر سِنی و ضعف کے باعث عصا ٹیکتا، ٹھوکے کھاتا، لُڑھکتا پڑھکتا، دُعائیں دیتا حاضر ہوا۔ اُس نے اپنی مخدومہ کے اشارہ سے کہا کہ:

مرا با تو سرِ یاری نمانده   سرِ مہر و وفاداری نمانده
ترا از ضعف و پیری قوت و زور   چناں کہ پاے برداری نمانده

اب اِس کے احوال کی مختلف کیفیتیں دیکھیے۔ایک کہتا ہے کہ یہ نور جہاں کی جلیسِ خاص تھی اور ترانہ بالامخفی کا کلام ہے۔دوسرا کہتا ہے، نہیں، یہ اِسی کی طبعِ رسا کا کام ہے۔حیرت کا مقام ہے کہ نور جہاں جہاں گیر کی حرم، اور مخفی اُس کی پوتی عالم گیر کی بیٹی، اور یہ اکبر شاہ والدِ جہاں گیر سے پہلے زمانے کی۔تیسرے کا مقولہ ہے کہ مہری، جلائر قوم کی شاعرہ، تقی اوحدی کی ہم عصر فاضلہ گزری ہے۔

المختصر، اشعارِ لاحقہ بھی لوگوں نے اِسی کی طرف منسوب کیے ہیں۔ابیات :

ده چه پستان؟ دو ترنجِ سیماب   زده سر جوش لطافت دو حباب

....

در خانۂ تو آں چه مرا شاید نیست   بندی ز دلِ رمیده بکشاید نیست
گوئی، همه چیز دارم از مال و منال   آرے همه هست آں چه می شاید نیست

....

شوی زنِ نوجواں اگر پیر بود   چوں پیر بود، همیشه دل گیر بود
آرے مثل است آں که گویند زناں   "در پہلوے زن تیر به از پیر بود"

....

حلِ هر نکته که بر پیرِ خرد مشکل بود   آزمودیم بیک جرعۂ مے حاصل بود
گفتم از مدرسه پرسم سببِ حرمتِ مے   در، هر کس که زدم بے خود و لایعقل بود
خواستم سوزِ دلِ خویش بگویم باشمع   داشت او خود بزباں آں چه مرا در دل بود
در چمن صبح دم از گریه و از نالۂ من   لالۂ سوخته خوں در دل و پا در گل بود
آں چه از بابل و هاروت روایت کردند   سحرِ چشمِ تو دیدم همه را شامل بود
دولتے بود تماشاے رخت مہری را   حیف! صد حیف! که آں دولتِ مستعجل بود

....

شیخ هر خارے که آں از خاکِ من حاصل شود   زاهد ار مسواک سازد مست و لایعقل شود

....

سرو گویند نے آرد بار قدت آورد ز پستاں دو انار(۷۸)

....

گفتم بیا بہ مردمکِ دیدہ اُم نشیں گفتا کہ من بہ خانۂ مردم نمی روم

....

حیف! کہ از علم نہ بر رہ روی شمع بکف گیری و در چہ شوی

مہستی

مہستی تخلص، گنجہ کی اکابر زادی کا تھا۔ بعض نے اِس کو نیشاپوری سمجھا ہے۔ بہر کیف، سلطان سنجر کے معزز سر فرازوں میں تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ عبداللہ خاں اُزبک کی فتنہ پردازی کے وقت یہ شاعرہ موجود تھی۔ بہر حال، ایک رات کا ذکر ہے کہ وہ سنجر کے پاس سے استنجے کے واسطے باہر آئی تو واپسی پر سلطان نے باہر کا حال استفسار فرمایا، اِس نے یوں ادا کیا:

شاہا! فلکت اسپ سعادت زیں کرد و ز جملۂ خسرواں تُرا تحسیں کرد

در حرکت سمندِ زرّیں نعلت بر گل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

اگر چہ اِس کا اَور کلام بھی میرے پاس موجود ہے مگر وہ تمام ہزل و فحش انضمام ہے، اس لیے نہیں لکھتا۔ صرف یہ شعر اَور دیکھ لو:

جام را بر کفِ دستِ تُو نشستے دگر است یدِ بیضا دگر و دستِ تُو دستِ دگر است

نسائی

اس تخلص کی دو شاعرہ دریافت ہوئی ہیں۔ ایک خراسانی سیّد زادی، جس کا نام فخر النسا تھا۔ یہ غزل اُس کی ہے:

شادم اگر دلم ز تُو بے غم نمی شود آرے غمِ تُو از دلِ من کم نمی شود

مرہم میار بہرِ دوائے من، اے طبیب! کیں دردِ عاشقی است بہ مرہم نمی شود

محراب ابرو است فقط تا نیایدم از بہرِ سجدہ قامتِ من خم نمی شود

داغے نہاد بر دلم آں بے وفا کہ عمر بگوشت و دردمندی آں کم نمی شود
سازد بہ داغ ہجر نسائی خاکسار چوں خاطرش بہ وصلِ تُو خرم نمی شود

اس شاعرہ نے عصمتی قاضی زادی سمرقندی کے مطلع کا جواب یوں موزوں کیا تھا:

بہ عالم ہر کرا بینی بہ دل درد و غمے دارد زدستِ غم منال اے دل! کہ غم ہم عالمے دارد

اور ایک یہ شعر بھی اِس کا مشہور ہے، اکثر تذکروں میں مسطور ہے:

عاشقی بر قامتے ابرو کمندے کردہ اَم (۷۹) باہمہ پستی تمنّاے بلندی کردہ اَم

نسائی ۳۱

دوسری نسائی، ولایت کی رہنے والی کا صرف ایک ہی شعر دیکھا گیا، سو بھی وہ شعر جو میں حجابی کے نام پر لکھ چکا ہوں لیکن یہ معتبر اُستادِ ولایت زا کی تحریر ہے، اِس لیے مکرر لکھتا ہوں:

مہِ جمالِ تُو و آفتاب، ہر دو یکے است خطِ عذارِ تُو و مشک ناب، ہر دو یکے است

نور جہاں ۳۲

نُور جہاں، حرمِ محترم جہاں گیر بن اکبر شاہ بادشاہِ ہند کا نامِ نامی ہے، جس کے نام سے خطبہ وسکّہ نے بھی زینت پائی تھی۔

اِس کے بیان میں تذکرہ نویسوں نے خوب خوب گُل کھلائے ہیں، عجیب عجیب طرح کے فقرے اُڑائے ہیں۔ سب سے بڑھ کر تو یہ لطیفہ ہے کہ دو چار شعر اُردو کے اس کی طرف منسوب کیے گئے اور یہ نہ سمجھا گیا کہ یہ ایاز تاتاری کی بیٹی، قندھار کے جنگل میں پیدا ہوئی، اپنے والدین کے ہم راہ اکبر شاہ کے زمانہ میں واردِ ہند ہو کر شیر افگن خان ترکمان سے منسوب ہوئی، جو اِس کو اپنی جاگیر اضلاعِ پُورب میں لے گیا اور جہاں گیر نے تخت نشیں ہو کر سنہ جلوسی چھ یا سات میں شیرِ مذکور کو مروا اسے اپنی محل میں داخل کیا تھا۔ پس، فرمایئے کہ اِس کی زبان کس طرح سے اُردو ہو سکتی ہے؟ کیا معنے کہ گو خلجیوں کے زمانہ میں حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ نے کچھ کچھ چھیڑ چھاڑ ہندی بولی میں

شروع کی تھی۔ اِلّا، اُردو کی زبان شاہ جہاں کے وقت سے مقرر ہوئی ہے، بل کہ شعر گوئی تو اُس کے زمانہ میں بھی، بہ خوبی نہ ہوئی تھی۔ ہاں! عالم گیر کے وقت میں صادقؔ و جعفرؔ و ولیؔ صاحبِ دیوان اِس زبان کے ہوئے، پھر نور جہاں کیوں کر اُردو کے شعر کہتی؟ شاید ایسا ہو کہ اس شاعرہ فاضلہ نے وہ مضامین فارسی میں ادا کیے ہوں، متاخرین نے اپنی (۸۰) زبان میں ترجمہ کر لیے۔ جیسا کہ ایک شعر کا ترجمہ اِسی رسالہ میں موجود ہے۔ بہر کیف، وہ اُردو شعر، جو لوگوں نے اُس کے قرار دے رکھے ہیں، یہ ہیں:

کل تُم جو یہ کہتے تھے شمشیر ہے اور میں ہوں ۔۔۔ یہ طشت ہے، یہ سر ہے، تقصیر ہے اور میں ہوں (۸۱)

....

ظاہر میں مرے (۸۲) حال کو سر سبز نہ جانو ۔۔۔ پوشیدہ جگر رکھتی ہوں مانند حنا کے

....

چمن میں ہے جو یہ ننھی سی بُوٹی ۔۔۔ نگہ کے بوجھ سے جاتی ہے ٹوٹی

اگر چہ یہ ماجرا دوسرے حصّہ میں لکھنا مناسب تھا مگر جو کہ مجھے اس حقیقت کی بے حقیقتی ثابت کرنی تھی، اس لیے اِس موقع پر اشارہ کر دیا۔ اب اِس کا فارسی کلام مختلف کتابوں سے جمع کیا جاتا ہے اور اس باب میں جو جو اختلافات ہیں، وہ شعروں کے بعد عرض کروں گا، اور جو جو شعر لطیفے پر دال ہے، اُس کا بیان بہ سبب طوالت کے ترک کیا گیا۔ بعض کا یہ قول بھی ہے کہ گلاب کا عطر اور چاندنی کا فرش اور ملمّع کا زیور، نور جہاں ہی نے ایجاد کیا تھا۔ بعض نے اس کا تخلّص مخفی لکھا ہے: (۸۳)

گرہ ز کار چو نکشاد بے قراریِ ما ۔۔۔ مگر چہ سود دلا! از فغان و زاریِ ما

....

بلبل از گل بگورد گر در چمن بیند مرا ۔۔۔ بُت پرستی کے کند؟ گر برہمن بیند مرا

در سخن پنہاں شدم چوں بوئے گل در برگِ گل ۔۔۔ میل دیدن ہر کہ دارد در سخن بیند مرا

....

بظاہرم منگر گرچہ سر بسر سبز ام ۔۔۔ ولیک باطنِ من چوں حنا پُر از خوں ست

....

در نہاں خونیم ظاہر گرچہ رنگِ ما خوش است ۔۔۔ رنگِ من در من نہاں، چوں رنگِ سرخ اندر حناست

....

نورجہاں گرچہ بظاہر زن ست　　در صفِ مرداں زنِ شیر افگن ست

....

ایں خانہ برانداز کہ در خانہ زیں ست　　معمار تمنّاے منِ خاکِ نشیں ست
دقیقہ ہاے معنیش در سوادِ حروف　　چو در سیاہیِ شب روشنیِ پرویں ست

....

بقتل چون منی گر خاطرت خوشنود می گردد　　بجان منّت ولے تیغ تو خوں آلودمی گردد(۸۴)

....

رندانِ خرابات کرا بادہ فریسند　　خود سادہ بخواہند کرا سادہ فریسند
تو مادۂ آفاقی و ہم گادۂ آفاق　　حیف است! کہ برمادہ دگر مادہ فریسند

....

ز نارِ عشق گر ظاہر کنم، گل در چمن سوزد　　اگر نالم بخلوت خانہ شمعِ انجمن سوزد

....

سبزہ ام سبز نہ گردید، بہار آخر شد　　روے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

....

ہنگامِ سحر دل برِ من جلوہ گر آمد　　جاں بر لبم از قالبِ فرسودہ برآمد
غافل منشیں، اے دلِ غفلت اثرِ من!　　برخیز کہ ہنگامِ قضاے بسر آمد

....

گزشت وقتِ خزاں، موسمِ بہار آمد　　ہزار نخلِ خزاں کشتہ ام بہ بار آمد

....

عشقت چناں گداخت تنم را کہ آب شد　　گردے کہ ماند سرمۂ چشمِ حباب شد

....

ہنوز آں طفل خندیدن نداند　　نگہ دزدیدن و دیدن نداند

....

ہلالِ عید بر اَوجِ فلک ہویدا شد　　کلیدِ مے کدہ گم گشتہ بود پیدا شد

....

ترا نہ تکمۂ لعل است در قباے حریر(۸۵)　　شدہ است قطرۂ خوں منت گریباں گیر

....

دست ز گل چیدنم امشب بدار(۸۶)　　می چکد از برگِ گلم آبِ نار

....

نامِ تُو بردم و زدم آتش بجانِ خویش   در آتشم چو شمع زدستِ زبانِ خویش

....

من در طلبت گرد جہاں می گردم گیرستا حک[کذا]   گر باد شوی بہ موے زُلفم نرسی شش پنج دو یک[کذا]

....

بنیِ و چشم [و] دو ابروے تُو، اے گل اندام!   شاخ بادام، دو بادام، دو برگِ بادام

....

نورم، نارم، حدیقہ اَم، گل زارم   دیرم، صنم، برہمنم، زُنّارم
نے نے غلطم ہر آں چہ گفتیم نیم   بوے گلم و طبیعتِ گل زارم

....

نیست فوارہ کہ بنیِ بہ سرِ آب رواں   آب از گرمیِ ایں فصل برآوردہ زباں

....

زیرِ دامانِ تُو پنہاں چیست؟ اے نازک بدن!   نقشِ سُمِ آہوے چین است بر برگِ سمن
گرد دو پیکِ صبا اندر دہانِ تنگِ اُو   قطرہ قطرہ می چکد لعلِ بدخشاں، دُرِ یمن

رباعی

دل بہ صورت ندہم ناشدہ سیرت معلوم   بندہ عشقم و ہفتاد دو ملت معلوم
زاہدا! ہولِ قیامت بہ دلِ ما مفگن   ہولِ ہجراں گزراندیم قیامت معلوم

....

ستارہ نیست بدیں طول سر بر آوردہ   فلک بہ شاطریِ شاہ سر بر آوردہ

تنبیہ: واضح راے ناظرانِ تحقیق طلب ہو کہ اِن شعروں میں پہلا اور چوتھا شعر اور دوسرے اور آخری شعر سے پہلی رباعی زیب النسا کا کلام ہے۔ جس کا جی چاہے، اُس کے دیوانِ مطبوعہ ہی میں دیکھ لے، مگر ایک شخص نے پہلی رباعی کا ایک شعر حکیم حاذق کے نام پر بھی لکھا ہے، وہ بھی غلطی پر ہے۔ پانچواں شعر کسی ظریف طبع نے اِس شاعرہ کی شان میں کہا تھا، وہ بھی اِس کا نہیں ہے۔ شعر پانزدہم کا پہلا مصرع جہاں گیر کا، دوسرا نور جہاں کا؛ اُنیسویں کا پہلا یمہ کسی امیر زادہ کا، دوسرا نور جہاں کا؛ رباعی نمبر ۲۳ کا پہلا مصرع سوالیہ بادشاہ کا، باقی تین مصرعے جوابیہ بیگم کے ہیں؛ اخیر کے تین اختلاط تو ایجادِ بندہ ہیں، باقی تذکرہ نویسوں کی غلطیاں ہیں۔ میں طوالت سے ڈرتا ہوں، ورنہ

ایک ایک کا حال مفصل لکھتا۔

[نور جہاں کا مقبرہ، واقع شاہ درہ، لاہور میں اُس کی لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے جس کو بندے نے بھی بہ نظرِ عبرت دیکھا ہے:

برمزارِ ما غریباں نے چراغے، نے گلے　　نے پرِ پروانہ سوزد، نے صداے بُلبلے](۸۷)

نہانی

نہانی۔ اس تخلص کی پانچ عورتوں کا کلام دست یاب ہوا ہے۔ ازاں جملہ ایک کو بعض نے بہ نامِ ؎ بیگم لکھا ہے۔ اَور کچھ احوال اس کا معلوم نہیں:

خواہم کہ بہ آں سینہ نہم سینۂ خود را　　تا دل بہ تُو گوید غمِ دیرینۂ خود را

....

تہِ زُلفِ خالش بلاے نہان ست　　بترس از بلاے کہ شب درمیان ست ؎

....

ہم چُو من بر رُخِ خوباں نظرِ پاک انداز　　ہر کجا دیدۂ آلودہ بود خاک انداز

نہانی

دوسری نہانی کرمانی، خواجۂ افضل دیوان کی ہمشیرہ تھی:

اگرچہ مہر ز تقدیرِ لا یزال بر آید　　بہ ماہِ من نرسد گر ہزار سال بر آید

نہانی

تیسری نہانی شیرازی، جو اپنے زمانہ میں مشہور تھی اور ملّا جامی کے بعد ہوئی تھی، چناں چہ ملّا موصوف کی غزل پر غزل لکھی، جس کا مطلع یہ ہے:

شدم دیوانہ تا در خواب دیدم آں پری رُو را　　چہ باشد حال گر بیند بہ بیداری کسے اُو را

دیگر

شب سگِ کویت بہر جاے کہ پہلو می نہد　　روز خورشید آں زمیں را بوسہ بر رُوی نہد

اور یہ شعر: مگر رسواے عشق — جو عصمتی کے نام پر لکھا گیا ہے، بعض نے اِس کا سمجھا ہے۔

نہانی

چوتھی نہانی دہلوی، کوئی امیر زادی، والدۂ شاہ سلیمان کی جلیس تھی، جس نے اپنا نکاح اِس رُباعی کے جواب پر منحصر رکھا تھا:

از مردِ برہنہ روے زر ے طلبم　　از خانۂ عنکبوت پر ے طلبم
من از دہنِ مار شکر ے طلبم　　از پشۂ مادہ شیرِ نر ے طلبم

اس کا جواب مدت کے بعد سعد اللہ خاں وزیر نے اس طرح دیا ہے:

علم است برہنہ رُو کہ تحصیلِ زرست　　تن خانۂ عنکبوت، دلِ بال و پرست
زہر است جفاے علم، معنی شکرست　　ہر پشۂ کزو چشید واں شیرِ نرست

الغرض، یہ شعر بھی کسی کسی نے، اِس کے نام پر لکھے ہیں:

در مذہبِ ما توبہ زے خانہ حرام است　　زُہد و ورع و سبحۂ صد دانہ حرام است

....

با بادہ فروشاں غمِ ایّام حرام است　　با دُرد کشاں دولتِ بہرام حرام است
فرض است بہ عاشق کہ بنو شد بےِ تجرید　　با زاہدِ خودبیں بےِ گل فام حرام است
مارند قدح نوش دو عالم زدہ برہم　　اندیشۂ نان و طمعِ خام حرام است

....

قدم بہ خانۂ چشم بنہ کہ جا ایں جاست　　رواقِ منظرِ خوبانِ خوش ادا ایں جاست[۳۵]

....

سفر کردم بہ شہرِ عشق زادم عشقِ جاناں ست　　غم و دردے کہ در دل داشتم آخر دو چنداں ست
دریں گلشن بسانِ غنچہ چنداں خونِ دل خوردم　　گلِ مقصودِ من تا از نسیمِ صبح خنداں ست

....

رنداں نظر بہ جلوۂ دنیا نمی کنند — جز آرزوے ساغرِ صہبا نمی کنند
افتادہ براہِ تُو کہ باشد کہ نہ باشد(۸۸) — محوِ نگاہِ تُو کہ باشد کہ نہ باشد [کذا]

....

ز بہرِ دردِ من ایں دیدہ خوں فشاں بستم — نظر بغیرِ تُو حیف است من ازاں بستم

قطعہ[۳۶]

آہ! ایں شاعرانِ نا دیدہ — کہ ندارند نور در دیدہ
قدِ خوباں بہ سرو می خوانند — رُخِ ایشاں بہ ماہ مانیدہ
ماہ قرصی است ناتمام عیار — سرو چوبی است نا تراشیدہ

تنبیہ: میرا گمان ہے کہ تذکرہ نویسوں نے ضرور ایک نہانی کا کلام دوسری کے نام(۸۹) لکھ دیا ہوگا۔ ولا، اس کی تمیز اپنی(۹۰) حدِ امکان سے باہر ہے۔

نہانی

پانچویں نہانی، جعفر اُحدی کی والدہ، جو اکبر شاہ کے وقت کشمیر میں بہ خدمتِ میر بحری مقرر تھا۔ آگرہ کی رہنے والی بخشی ہر دلی کی قرابت دار گزری ہے:

روزِ غم، شب دردِ بے آرام پیدا کردہ اَم — دردمندی ہا دریں ایام پیدا کردہ اَم

صاحبِ منتخب التواریخ، بدایونی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ہر چند شاعرانِ دہر جواب ہا گفتہ، اما ہیچ کدام در برابر نیامدہ۔ مصرع:
چہ مردے بود، گرزنے کم بود"(۹۱)

وزیر

وزیر تخلص، وزیر النسا نام۔ لاہور کے سررشتۂ تعلیمِ نسواں کی ممتحنہ اور مدرسہ جو تخفیفاً برخاست ہو کر سنہ ۱۸۷۳ء میں اپنے وطن قُرب و جوارِ دہلی کو روانہ ہوئی۔ میرزا خاور سیستانی،[۳۷] حال

رونق افروز پٹیالہ کی شاگرد ہے اور اُردو کے شعر پہلے سے کہتی ہے:

دلم از کوچۂ آں زلفِ دوتا باز آمد رفتہ بود آں چہ زما باز ہماں باز آمد

ہمدمؔی

ہمدمؔی تخلّص، شریفہ بانو نامی کی یہ چامہ ہے:

من سوختۂ لالہ رُخانم چہ تواں کرد؟ والہ شدۂ سبز خطانم چہ تواں کرد؟
صد تیرِ بلا و ستم و جور رسیدہ زاں ناوکِ دل دوز بہ جانم چہ تواں کرد؟
مجنوں صفت از عشقِ بتاں زار و نزارم دیوانۂ لیلیٰ صفتانم چہ تواں کرد؟
جز نام توام ہر نفسے ذکرِ دگر نیست نامت شدہ چوں وردِ زبانم چہ تواں کرد؟
اے ہمدمؔی! از جورِ محبانِ ستم گار بر چرخ بریں رفت فغانم چہ تواں کرد؟

تنبیہ: ایک مصنف نے اس کے نام پر یہ شعر بھی لکھ دیا ہے: قامت سرو......الخ — جو میں عفتؔی کے نام پر، ایک مستند کتاب سے لکھ چکا ہوں۔

حکایت: ایک دیوانہ بغداد کا رہنے والا، عاشق پیشہ، چارستانِ بغداد میں لباسِ نفیس زیب تن کیے بوریہ پر بیٹھا ایک شعر بہ آوازِ دردناک بہ طورِ وظیفہ پڑھتا تھا۔ وھو ھٰذا:

در عشقِ تُو انگشت نمائی زن و مردم در لحظہ فزونست ز سودائے تُو دردم

خلقت کا ازدحام اُس کے گرد حلقہ زن تھا۔ ناگاہ کسی دل جلے نے آگے بڑھ کر استفسارِ حال کیا تو اُس نے یوں جواب دیا: ’’بہ محلۂ حجاج، بہ سرائے احمد دہقان، خانۂ ترسائی است۔ رُو بہ قبلہ برو و از زبانِ من بگو:

در عشقِ تُوام طاقتِ تنہائی نیست در ہجرِ تُو اَم روئے شکیبائی نیست
تا وسع تواں بود تحمل کردم دیگر چہ کنم؟ وسع توانائی نیست‘‘

کہتے ہیں کہ یہ صاحب دل بھی پتا مذکور پر پہنچا اور دروازہ کو دستک دیتے ہی ایک ضعیفہ آئی، دیوانہ کا ماجرا سُن پھر اندر گئی اور اُلٹے ہی پاؤں آ کر گویا ہوئی کہ ’’محبوبہ اش چنیں فرمودہ:

در عشق کسے را کہ توانائی نیست در ہجر تحمل و شکیبائی نیست
مرگست علاجِ اُو و بیرون از مرگ ہر مصلحت دگر کہ فرمائی نیست

غرض یہ کہ جب پیغامبر نے یہ جواب سنایا، عاشقِ صادق نے ایک آہ کے ساتھ دم دے دیا۔ اب اس شخص کو یہ شوق ہوا کہ یہ خبرِ وحشت اثر اُس سفاک، عاشق کُش کو بھی سُنائی چاہیے لیکن اُس کے گھر جاتے ہی معلوم ہوا کہ وہ بھی جہانِ گزراں سے گزر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ازاں جا کہ اِس عورت کا نام و تخلّص کچھ معلوم نہیں ہوا، اِس واسطے ختم پر یہ روایت عبرت خیز، حیرت انگیز حوالۂ قلم ہوئی۔

لاآور

روایت : سُنا ہے کہ امیر تیمور کے سائیس کی مدخولہ شاعرہ، اصفہان سے دہلی میں آئی تھی۔ وہ ایک شب شعر خوانی کر رہی تھی اور خود بدولت کہیں سُن رہے تھے۔ صبح سائیس کو بُلا کر احوالِ شبینہ دریافت فرمایا۔ اُس نے بعدِ عرض معروض اُس عورت کو حاضر کیا، جس نے بعدِ عذر و معذرت یہ دو شعر بدیہہ سُنائے:

بہ ہنگامے کہ لنگاں آفریدند ترا بر جملہ سلطان آفریدند
برائے بُردن گوے سعادت خمِ پاے تُو چوگان آفریدند

آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ تُو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حبّ الوطن دامنِ دل کھینچتا ہے،(۹۲) مگر جس شخص کے پاس ہوں، وہ بھی ہم راہ چلے تو لُطف ہے۔ امیر صاحب نے انعام و اکرام سے مالا مال کر اصفہان کو روانہ کر دیا۔

فقط خدا کے فضل و کرم سے پہلا حصّہ تمام ہوا۔

....

ایں تحفۂ مختصر ست نادر

تاریخِ تحریر کاپی، بنا بر انطباعِ دفعۂ ثانی، ۲۰ راگست سنہ ۱۸۸۳ء

تکملۂ گلشنِ ناز

maablib.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ہست صلاح سرِ خوانِ کریم

تکملۂ گلشنِ ناز

تمہید

واہ! ہمارے معبود و مسجود کی کیا ذاتِ مسبب الاسباب ہے کہ انسان ضعیف البنیان جس طرف کو عنانِ توجہ پھیرتا ہے، اُسی جانب خزانۂ غیب سے گنجِ شایگاں پاتا ہے۔ دیکھو! مجھ ہیچ مداں نے جو یہ زنانہ تذکرہ تیار کیا تو کس قدر ذخیرہ حاصل ہو گیا کہ آج تک دوسرے کو میسّر نہیں آیا، اور روز بروز اُس کے فضل و افضال سے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، چناں چہ سنہ ۱۸۷۶ع میں جو گلشنِ ناز چھپا تھا تو اُس میں صرف ترپین ہی شعر گو درج ہوئی تھیں، پھر سنہ ۱۸۷۸ع کو (۹۳) ''چمن انداز'' کے ہم راہ اِس کا ایک چھوٹا سا تکملہ شائع ہوا جس میں آٹھ کا کلام اَور لکھا گیا۔ اب سنہ ۱۸۸۳ء میں جو یہ تذکرہ کامل ازسرِ نو چھپتا ہے تو اُس تکملہ کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ کیا معنی کہ اِس میں ۲۹ شعر گویوں کا حال و مقال بہ قدرِ معلومات، لکھا جاتا ہے اور آئندہ اس قسم کی تحریر سے بھی یہ ہیچ مداں ہاتھ اُٹھاتا ہے، جس طرح شعر گوئی سے تائب ہے۔ اللہ التوفیق و ہو المستعان۔

آغازِ تکملہ (۹۴)

بانو بیگم

بانو بیگم دہلوی کا یہ مطلع اخترِ تاباں سے ملا، اور کچھ حال نہ کھلا، مجبور یہ ہی لکھا گیا:

گر میسّر شود آں روے چو خورشید مرا بادشاہی چہ کہ دعواے خدائی بکنم (۹۵)

بلیغہ

بلیغہ شیرازیہ کا یہ شعر بھی وہیں سے ملا ہے:

شب سگِ کویت بہر جاے کہ پہلو می زند روز خورشید آں زمیں را بوسہ بر رومی زند (۹۶)

بنت

بنت اصفہانی: صبیہ حسام الدین سالار۔ شاہ عباس صفوی کے زمانہ میں یوں سخن سرائی کرتی تھی:

روزے کہ طرب بالب و خالِ تو می کنیم جاں تازہ بہ فرخندہ جمالِ تو می کنیم
ایں جرم کہ زندہ ماندہ ام بے رُخِ تو در گردنِ اُمیدِ وصالِ تو می کنیم

بہشتی

بہشتی تخلص سے کوئی گنجہ کی شاعرہ، غزل و مثنوی کے آئین کی ماہرہ، اِس لب ولہجہ سے مترنم تھی:

بر خیز و بیا کہ حجرہ پرداختہ اُم از بہرِ تو پردۂ خوش انداختہ اُم
بامن بہ شرابے و کبابے می ساز کیں ہر دو ز دیدہ و دلم ساختہ اُم (۹۷)

بیدؔلی

بیدؔلی خیابانیہ ☆، رنڈی، ایران میں تھی اور اِس انداز کے شعر کہتی تھی:

چشمِ پُرخون و خیالِ خامِ آں دل بر درو مجمرِ پُرآتش ست و پارۂ عنبر درو

پرؔی

پرؔی بیگم نیشاپوری کا یہی شعر ملا، سو لکھا گیا:

سراسر جانی، اے بادِ صبا! در قالبِ شوقم سرت گردم مگر در کوے اُو بسیار می گردی

تصوؔیر

تصوؔیر ہندی مرشد آبادی، بلقیس خانم نامی، اَلسنہ اُردو فارسی کی شاعرہ، میر عشقؔی کی بیوی تھی۔ بدیہہ گوئی و حاضر جوابی میں لاثانی تھی۔ ایک روز اپنے بچّۂ شیر خوار کو لیے مکان کے صحن میں کھڑی تھی، اتفاقاً میر صاحب کی سواری آئی، ذاتِ بابرکات یہ کلامِ پیوستہ زبان پر لائی۔ مصرع :

دیدم بہ دوشِ آں مہ طفلے پری نزادے (۹۸)

جس کے جوابِ باصواب میں یہ خوش گپ یوں لب کشا ہوئی۔ مصرع :

چوں مصرعے کہ باشد پیوند مستزادے

الغرض، یہ شعر بھی تصوؔیر ہی کا سُنا گیا ہے:

فتنہ زائی، منت شناختہ اَم بد بلائی، منت شناختہ اَم

تنبیہ: خزینتہ العلوم فی متعلقات المنظوم کی پانچویں کلید کے اخیر پر جو بحث مستزاد کی بندہ نے لکھی ہے اور اُس میں ثابت کیا ہے کہ مستزاد کے ارکان زیادہ شدہ نثر کے فقرے نہیں ہوتے، بل کہ نظم کے شعر یا مصرعے ہوتے ہیں، اس کی تصدیق تصوؔیر کا مصرع مندرجہ بالا بھی کرتا ہے۔ پس، جو لوگ اس نکتہ سے بے خبر ہیں، وہ گویا با خبر عورتوں سے بھی کم تر ہیں۔ فافہم۔

توتی

توتی نامی کوئی ایرانی عورت پاک دامنہ تھی، جس کا شوہر اَمرد پرستی پر مائل تھا۔ ایک روز اس عصمت مآب نے دِق ہو کر اپنے شوہر کو یہ دو بیت بے بُغض و کیں تحریر کیں:

آں شوخ کہ ہست حسنِ عالم گیرش یارب! چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ! بیا تا من و تُو صلح کنیم تُو با کونش بساز و من با کیرش

اس کلامِ طرز انضمام نے ایسی تاثیر کی کہ اُس مردک نے فعلِ ناجائز سے فوراً توبہ کی اور باقی عمر اپنی منکوحہ کے ساتھ عیش و عشرت سے بسر کی۔ [مولوی نور احمد صاحب نور سلمۂ الغفور نے اپنے انوار الاخلاق (۸/) میں تحتِ بیانِ تعلیمِ نسواں، اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔][۹۹]

جاناں بیگم

جاناں بیگم، دُخترِ نیک اختر عبدالرحیم خاں خانِ خاناں۔ نہایت پارسا تھی، جس کے حُسن کا شہرہ سُن کر شہزادہ سلیم نے شادی کا پیغام کیا۔ خانِ ذیشان نے اس کے دانت توڑ، بال کُتر حضور میں لا حاضر کیا۔ طالب نے بہ کمال افسوس اُس کی عفت پر آفریں فرما مورِد الطاف شاہانہ فرمایا۔ یہ شعر اُس کا ملا:

عاشق ز خلق، عشقِ تُو پنہاں چساں کند پیداست از دو چشم ترش خوں گریستن

جہاؔنی

جہاؔنی دہلوی کا یہ شعر اخترِ تاباں میں شائع ہوا ہے:

گلِ باغ و رُخِ آں غنچہ دہن، ہر دو یکیست قدِ رعنائے وے و سروِ چمن، ہر دو یکیست

حاکمؔی [۴۸]

حاکمؔی، شہر خواف کی حکم راں تھی، اس انداز کے شعر موزوں فرماتی رہتی تھی:

کمانِ ابروے [من] فکرِ منِ زار بلاکش کن   فگن در سینہ اَم تیرے و پیکانش در آتش کن

حجابی

حجابی جربادقانیہ کے یہ دو شعر اختر تاباں سے ملے ہیں:

حفظِ ناموس تُو شد مانع رسوائی من   ورنہ مجنونِ تُو رسوا ترازیں می بایست

....

بہ عمرِ خویش کسے کز تُو یک سخن نشود   اگر کند گلہٗ از تُو شرم سارِ تو نیست(۱۰۰)

حسینہ

حسینہ تخلّص تھا، حسینا بیگم نام، زوجہ محمد عباس رفعت مرحوم کا جو محمد ابوالقاسم محتشم سلمہٗ مولف تذکرۂ اختر تاباں کی والدۂ ماجدہ تھی۔ اُردو بیش تر، فارسی کم تر کہتی تھی:

سرت گردم کجا بودے تُو امروز؟   وصالت شد مرا عیدِ دل افروز

....

ماہِ نو ہر کس ببیند بر رُخ آں ماہ رُو   ماہِ کامل بگورد اُو رابہ شادی بیگماں

دل شاد

دل شاد خاتون دخترِ امیر علی جلائر، نظم و نثر کے نکات سے ماہر کو اختر تاباں والا آقا بیگم متذکرہ گلشنِ ناز سے علاحدہ خیال کرتا ہے، میرے نزدیک وہی ہے، کیوں کہ یہ شعر اُس کے نام پر لکھنا میرے دعوے کو ثابت کرتا ہے: اشکے کہ سر......الخ ــــــ دوسرا شعر اس کے نام پر اس کتاب میں یہ لکھا گیا ہے:

حل شد از غم ہمہ مشکل کہ مرا در دل بود   جز غمِ عشق کہ حل کردنِ آں مشکل بود

دولت

دولت تخلّص، بی بی دولت نام، سمرقندی، نابینا۔ امیر تیمور کے وقت میں موجود تھی۔ مذکور

ہے کہ جب امیر نے اس شہر کو تاخت وتاراج کیا، لشکری لُوٹ کا مال اِس بے چاری کے سر پر رکھوا کر لائے۔ یہ بہ آوازِ بلند شعر خوانی کرتی چلی آتی تھی۔ اتفاقاً امیر، صاحب توقیر نے اس کا شعرِ لاحقہ سُن کر اس کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اِس نے جواب دیا کہ دولت۔ حضور نے ارشاد کیا: کیا دولت اندھی ہے؟ اِس حاضر جواب نے بے دھڑک کہا کہ اگر اندھی نہ ہوتی تو لنگڑے کے ہاتھ کیوں کر آتی! شاہِ ذی جاہ نے یہ لطیفہ نہایت پسند کیا۔ [سحرِ محفل والا یہ دولت کا لطیفہ کسی مطرب کی طرف سے منسوب کرتا ہے۔](۱۰۱)

آتش در شہرِ سمرقند باد وِیں تمر لنگ چو اسپند باد

رابعہ

رابعہ اصفہانی کے دو شعر نظر آشنا ہوئے۔ ازاں جاست:

دعوتم آنست بر تُو کایزدت عاشق کناد بر یکے سنگیں دل و نامہرباں چوں خویشتن

رابعہ

رابعہ بلخیہ شیرازیہ، ہم عصرِ رودکی، بکتاش نام غلام پر مرتی تھی، چناں چہ اِسی بدنامی میں اپنے بھائی حارث نامی کے ہاتھ سے ماری گئی۔ فارسی، بل کہ عربی شعر بھی اچھے کہتی تھی، جس کی یہ بانگی ہے:

چو رُہباں شد اندر لباسِ کبود بنفشہ مگر دیں ترسا گرفت

تنبیہ: ہاں، ناظرینِ باتمکین وسامعینِ تحقیق گزیں! یہ مقام میرے اُس بیان کا پورا گواہ ہے جو گلشنِ ناز کے شروع پر لکھ آیا ہوں کہ مُردوں کے ساتھ ہی ساتھ عورتوں کی شعر گوئی بھی شروع ہوئی ہے۔ کیا معنی! جیسا بعض کا اعتقاد ہے کہ رودکی ہی سے فارسی کی شعر گوئی کا اختراع ہے، ویسے ہی دیکھ لو کہ اُس کے زمانہ میں یہ شاعرہ موجود تھی۔

زبیدہ

زبیدہ خاتون، زوجۂ خلیفہ ہارون رشید عباسیہ نے اپنے بیٹے کے مرثیہ میں کہا ہے:

اے جانِ جہاں! جہان ناخوش، بے تُو بغداد پریشان و مشوش، بے تُو
رفتی تُو و من بے تُو بہ ماندم فریاد تُو در خاکی و من در آتش، بے تُو

زلیخا

زلیخا خانم، زوجۂ توغ بخش خاں ترک جنگ۔ دہلی میں مدفون ہوئی۔ اِس کی ایک مثنوی قصۂ رامی دوس خوب ہے [رامی دوس بے معنی معلوم ہوتا ہے، اغلب کہ نام رام داس ہو][۱۰۲]، جس کا یہ شعر اخترِ تاباں سے لکھا گیا جو نہایت مرغوب ہے:

چوں نہ باشی تُو شریر و اوباش؟ ہر دو چشمِ تُو جواں شیر، قزل باش [کذا]

زُہرہ

زُہرہ لکھنوی، خواہرِ مشتری شاگردِ عشق جس کا احوال ''چمنِ انداز'' میں مشرح درج ہے۔ فارسی میں یوں سخن سرا ہے:

ہے ہے! چہ بے حیاست کہ در پیشِ مردماں[۱۰۳] پروانہ را بہ بزم بغل گیر کرد شمع

زینت

زینت تخلص، زینت النسا بیگم نام، خواہر زیب النسا کا ہے۔ یہ ہی بانی زینت المساجد دہلی کی ہے، جو اُسی کے صحن میں آسودہ ہے اور یہ شعر اُس کے مزار پر کندہ ہے:

مونسِ ما در لحد فضلِ خدا تنہا بس است سایۂ از ابرِ رحمت قبر پوشِ ما بس است

سلیمہ

سلیمہ بیگم، زوجۂ بیرم خاں خانِ خاناں کا یہ مطلع ہاتھ آیا ہے:

کاکلت را گر ز مستی رشتۂ جاں گفتہ اَم مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ اَم

سیّد

سیّد بیگم سیّدانی جرجانی، مجہول الحال کا یہ شعر بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث میں ہے:

مرا درد یست در دلِ بے قرار از بیمِ یارِ خود چہ گویم پیشِ بے درداں ز دردِ بے قرار خود

تنبیہ: ہاں، اے ناظرانِ باعز و شاں! ملاحظہ فرمایئے کہ یہ وہی جرجانی صاحب دیوان ہے جس کا تخلص ملکہ گلشنِ ناز میں لکھا گیا ہے اور یہ شعر: دلے دارم بہ پہلو بے قرار از ہجرِ یارِ خود...... الخ ـــــ مع دیگر اشعار کے وہاں موجود ہے، یعنی پوری غزل اُس کی نقل ہوئی ہے۔ پس، جناب حکیم فصیح الدین صاحب رنجؔ کی تحقیقات کو ملاحظہ فرمایئے کہ کس پلّے کی ہے۔ میں نے اِس موقع پر صرف اِس بات کے ظاہر کرنے کو ہی یہ دو چار سطریں سیاہ کی ہیں۔ اللہ بس، ماسوا ہوس!

شاہ جہاں

شاہ جہاں تخلص، نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ والیِ بھوپال (۱۰۴) کا ہے۔ آپ اُردو زبان کے اشعار میں شیریں تخلص فرماتی ہیں۔ حضور کی دارالریاست میں، دریں ولا، فارسی شاعروں کے پانچ تذکرے نئے تالیف ہو کر چھپے (۱۰۵) ہیں: شمع انجمن، نگارستانِ سخن، صبحِ گلشن، روزِ روشن اور اخترِ تاباں۔ نسخۂ آخری میں صرف عورتوں ہی کا کلام ہے جو بندے کی نظر سے بھی گزرا ہے اور اُسی کی بدولت یہ تکملہ کامل ہوا ہے۔ کتابِ موصوف میں بہت سا کلامِ فیض انضمام، سرکار دولت مدار کا مندرج ہے۔ میں تبرّکاً یہ شعر زیبِ صفحہ کرتا ہوں:

اے چرخ! چہ کردی بہ سلیمان و سکندر؟ کز تو ہوسِ عیش بود شاہ جہاں را

شاہی

شاہی گیلانی فاحشہ (۱۰۶) کا فحش کلام اخترِ تاباں میں موجود ہے، بندہ اُس کی تحریر سے معذور ہے۔

شرم

اخترِ تاباں کے مولّف صاحب کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ کوئی رنڈی لکھنوی، زبانِ اُردو کی صاحب دیوان ہے۔ میرا یہ گمان ہے کہ یہ شاعرہ پاک دامنہ حکیم قمر الدین کی بیٹی متذکرۂ چمن انداز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (۱۰۷):

قامتش سرو و رخش گل قام است چشم بادام و دو زلفش دام است

شیریں

شیریں تخلص، بیگا نام، جو اُردو کی صاحب دیوان ہے۔ اِس کی تو غزلیں فارسی زبان کی مجھے ملی ہیں جو اس نے خوب کہی ہیں۔ اگر یہ کلام اِسی کا ہے تو بہت ہی اچھا ہے۔ اِس کے کلام سے یہ بھی تراوش کرتا ہے کہ اِس کا مذہب شیعہ ہے۔ بہر کیف، لکھنؤ میں یہ شاہد بازاری غنیمت ہے، جس کی ایسی طبیعت ہے: (۱۰۸)۔

ز نیکاں مر مرا مشمار من آنم کہ من دانم
طریقِ حسنِ ظن بگزار من آنم کہ من دانم

اسیرِ نفسِ غدّارم گنہ گار و خطا وارم
نیم کاذب بدیں گفتار من آنم کہ من دانم

رہِ نخوت نے پویم ہمی ہر بار می گویم
خراب و زشت و بد کردار من آنم کہ من دانم

اگر خلقم کند تحسین نگردم شاد، اے شیریں!
بہ خلوت خالی از اغیار من آنم کہ من دانم

صراحی

صراحیؔ تخلص، محترم النسا خانم، دخترِ میر علی اکبر مشہدی، زوجۂ میر مرتضیٰ شاہ کا یہ شعر ملا ہے:

صراحیؔ! اگر غمے داری ز بختِ سرنگونِ خود　　قدح را ہمدمِ خود ساز و خالی کن درونِ خود

فاطمہ

فاطمہ تخلص کسی شاعرہ، نکاتِ علوم کی ماہرہ، خراسانیہ کی یہ رباعی پسندیدہ ہاتھ آئی ہے۔

دومان:

اے! از تُو وفا و مہربانی نایاب　　بے وصلِ تُو لذتِ جوانی نایاب
وصلِ تُو حیاتِ جاودانی لیکن　　مانندِ حباب زندگانی نایاب

فاطمہ

فاطمہ تخلص، بی بی فاطمہ سام نام، دہلوی، قدس سرّہٗ۔ حدیقۃ الاولیا، مولفۂ مفتی غلام سرور صاحب لاہوری میں اِس عورتِ صالحہ قانعہ عارفہ کاملہ کا یہ کلامِ نصیحت انضمام نظر آیا جو یارانِ معنی طلب کو سنایا گیا اور پارسائے موصوف، حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ سے پہلے گزری ہے۔ چھ سو تینتالیس نبوی میں اِس کی وفات لکھی ہے:

ہم عشق طلب کنی و ہم جاں خواہی　　ہر دو طلبی ولے میسّر نہ شود

فصیحہ

فصیحہ خانم ہراتی۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ میں حبیب اللہ ترک اصفہانی سے نکاح کر اکبر شاہ کے وقت ہند میں آ سوداگری کرتے کرتے مرگئی۔ یہ کلام اُس کا ہے:

روزے کہ بہ خوانِ وصل مہماں گشتم شرمندہ ز انتظارِ ہجراں گشتم
زاں چشمۂ حیواں کہ کشیدم آبے از زندگی خویش پشیماں گشتم

قرۃ العین

قرۃ العین، زرّیں تاج اُمِ سلمہ؛ خلیفہ ما آب اللہ، مخترعِ مذہب بابی میرزا محمد صالح ایرانی مجتہد کی بیٹی۔ علم میں طاق، صاحب دیوان ہونے سے مشہور آفاق تھی۔ یہ مطلع اُس کے دیوان کا ہے:

لمعات وجهك اشرقت بشفاع طلعتك اعتلا زچہ رو الست بربکم نہ زنی بزن کہ بلے بلے

کاملہ

کاملہ بیگم دہلوی، پاک دامنہ، اکبر شاہ کے زمانہ میں تھی جس نے فیضی کے مرنے میں کہا ہے:

فیضی، مخور زیں غم کہ ذلت تنگی کرد یا پاے اُمیدِ عمر تو لنگی کرد
می خواست کہ مُرغ روح بیند رُخ دوست زیں واسطہ از قفسِ تن آہنگی کرد

کنیز فاطمہ

کنیز فاطمہ، والدۂ شاہ سلیمان کابلی کا یہ شعر نظر آیا ہے:

سزد کہ فخر بَرَد آسماں بدورانم کنیزِ فاطمہ و مادرِ سلیمانم

کوکبؔ

کوکبؔ تخلص، ستارہ بانو نام، نیک انجام، دُخترِ مصلح الدّین سعدیؔ شیرازی کا یہ مطلع ہاتھ آیا:

عشق بازاں رُو بہ سوے قبلہ آں کوکنید ہر کجا محرابِ اُبرویش نماید رُو کنید

گُل بدن

گُل بدن بیگم، دُخترِ بابر شاہ بادشاہِ ہند کا یہ شعر ہے :

ہر پری رُوے کہ اُو با عاشق خود یار نیست تو یقیں می داں کہ ہیچ از عمر برخوردار نیست

گُل چہرہ

گُل چہرہ بیگم، شاعرۂ ممدوحۂ بالا کی ہم شیرہ، یوں سخن سرا تھی:

ہیچ گہ آں شوخ گُل رخسار بے اغیار نیست راست بودست آں کہ در عالم گُلِ بے خار نیست (۱۰۹)

گلشن

گلشن۔اس شاعرۂ مجہول الحال کی یہ مقال ہے:

بہ خیالِ قدِ رعنائے تُو، اے غیرتِ گُل! سرو آہے ست کہ از سینۂ گلشن برخاست

ماہ۔ماہ لقا

ماہ یا ماہ لقا، جس کو بہ تخلصِ چندا چمن انداز میں زبانِ اُردو کا پہلا صاحب دیوان، عورتوں میں لکھا ہے۔فارسی زبان میں یوں گوہر ریز تھی:

گرانی می کند بارِ تبسم لعلِ جاناں را کہ آں لب از نزاکت برندارد سُرخی پاں را

ق

بہ روزِ حشر، الٰہی! چو نامۂ عملم کنند باز کہ آں روز باز خواہ منست

مکن مقابلہ آں را بہ سرنوشتِ ازل کمی و بیشی اگر باشد، آں گناہ منست

ماہی

ماہی، خواہر ملا شاری کے نام پر اختر تاباں میں وہی شعر لکھا گیا ہے جو بندہ نے آقا بیگم (۱۱۰)

کے نام پر لکھا ہے، یعنی: اشکے کہ سر...... الخ۔ دیکھو! دل شاد کا ذکرِ محرّرۂ بالا۔

محترم

محترم تخلّص، دخترِ ملّا علی مشہدی، زوجۂ میر مرتضیٰ ارتمانی۔ یہ وہی شاعرہ ہے جس کو بہ تخلّصِ صراحی اوپر لکھ آیا ہوں۔ بعضوں نے اِس کو اِس تخلّص سے بھی لکھا ہے مگر وہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

محوی

محوی قمی، عربی و فارسی کی شاعرہ کا یہ کلام ہے:

نقطہ از کلکِ قضا در انتخاب اُفتادہ است　　نیست، ایں خال بہ نِہ بر بیتِ ابرویت خوشت

مخدومہ

مخدومہ، یزدی پردہ نشینِ عصمت کا یہ کلام محبت القیام ہے:

با اُو دل و جاں دست و گریباں کردم　　شب عربدہ با محبّتِ ہجراں کردم
جاں دادم و کارِ بر خود آساں کردم　　چوں دیدم از [و] روے خلاصی مشکل

مدینہ

مدینہ مغلانی کے نام سے یہ شعر ریاضِ قصائد میں مرقوم ہیں:

ہزار بہمن و بیژن در تو رو نکند(۱۱۱)　　تہمتنے کہ نہد زین گر بہ پشتِ سمند
کہ نام نامیش از فرش تا بہ عرش بلند　　امیر اعظم و لقماں خرد، ارسطو جاہ

مستورہ

مستورہ تخلّص، ماہ شرف نامی گردستانی، پاک دامنہ، صبیۂ ابوالحسن بیگ، زوجۂ خسرو خاں

نے سنہ ۱۲۶۳ ہجری میں وفات پائی۔ اخترِ تاباں والا کو یہ بات تذکرۂ مجمع الفصحا، مولفۂ مرزا رضا قلی ہدایت، مطبوعۂ طہران سے ہاتھ آئی، یاروں نے بھی وہیں سے اِدھر اُڑائی۔ بہرکیف، اس مستورہ کی یہ ہے سخن سرائی:

سرو پوشید بہ خود کسوت کوتاہی را　　پیشِ بالاے بلندت بہ چمن، از سرِ شرم

....

رحمے بہ دل و جانم، دستِ من و دامانت　　می سوزم و می نالم پیوستہ بہ ہجرانت[۱۱۲]

سرگشتہ و مجنونم از نرگسِ بیمارت　　دل خستہ و محزونم از زُلفِ پریشانت

نظیر

نظیر، مرزا امان اللہ بیگ شیرازی کی بیوی یوں سخن سرا تھی:

کز چمن رائحۂ مشکِ ختن می آید　　مگر آں سرو چماں سوے چمن می آید

کہ ہنوز از لب تو بوے لبن می آید　　شوخ عاشق کُشِ من ایں ہمہ بے باک مباش

نہائی[۱۱۳]

نہائی اصفہانی، آتونِ خاتونِ سلطان حسین مرزا یوں گویا تھی:

در مذہب ما سجہ و زنار نہ باشد　　از ہر دو طرف در طلمِ زُلفِ نگارت

ہما

ہما، افراسیاب بیگ خاں تُرک جنگ کی بیٹی کا یہ شعر ملا ہے:

رخش یک سادہ قراں بود از خونم ترحم شد　　زخونم چہرۂ قاتل چو افشاں وقتِ ذبحم شد

یاسمین بو

یاسمین بو، ہم سر مرزا عسکری اور امغانی میرزا مہدی اقبال شیرازی کی تھی۔ جب اس کا شوہر

گل برگہ، واقعِ دکن میں مرگیا تو یہ کسی امیر کے ہم راہ دہلی میں آئی۔ شاعری کے علاوہ شکست، نسخ، شفیعہ (۴۴) اور نستعلیق خطوط خوب لکھتی تھی۔ یہ اُس کی جودتِ طبع کی نشانی رہی:

ایں قدر ریش، چہ معنی دارد؟ صورت میش، چہ معنی دارد؟
کشتن و زندہ نمودن بہ ادا اے ستم کیش! چہ معنی دارد؟

لاعلم

لاعلم، مولانا مجدالدین ہم گر (پیوند کنندہ) شیرازی کی بیوی نہایت کریہ منظر تھی۔ ایک روز اُس نے یہ مصرع کہا:

پیش از من وتُو لیل ونہارے بودہ است

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ البتہ مجھ سے پہلے ہوا ہے مگر تجھ سے پہلے ہرگز نہ تھا۔

تمت، بعون الملک

''چمن اَنداز''

maablib.org

ھوالنادر

چمن انداز

یعنی مراۃِ خیالی (۱۲۹۲) نامی تذکرۃ النّسا نادری کا دوسرا حصّہ،
جس میں زبانِ اُردو کی شاعراؤں کا ذکر ہے

مؤلّفہ

عجز بنیاد دُرگا پرشاد کھتری دہلوی، پنشنر سر رشتۂ تعلیم ممالکِ پنجاب، جس کی تصنیف و تالیف سے کتبِ ذیل پہلے چھپ کر شائع ہوئی ہیں: مطلع الحساب، نکات الحساب :۰۶/، معلم المبتدی، شجرۂ خاندانِ تیموریہ :۰۲/، گل دستۂ اخلاق یعنی [اخلاقِ] ناصری کا خلاصہ مع ترجمہ و فرہنگ:۰۲/، تشریح طالع نامہ، رسالۂ شطرنج مختصر قصّۂ ممتاز، قصّۂ مہرو ماہ، ترجمۂ رسالۂ نحو فارسی مع ترجمۂ رسالۂ کافی در علمِ قوافی :۰۲/، خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم:۶/ (۱۱۵)

اور یہ وہی تذکرہ ہے، جو پہلے حصّہ حصّہ چھپا تھا،

اب مکرّر، تکملہ کی تکمیل اور ضمیمے کی ایزادی سے مجموعتاً

سنہ ۱۸۸۳ع کو

دہلی کے اکمل المطابع میں سیّد فخر الدین مہتمم کے اہتمام سے چھپا

چمن پیراے قلم معجز بیاں، بہ تسویدِ حالاتِ چینی نسواں

تمہید

اللہ اللہ! وہ ذاتِ جامع الصفات کیا مسبب الاسباب ہے، جس کا وصفِ بے پایاں، عشرِ عشیر بھی زبانِ قلم دولسان سے ادا نہیں ہوسکتا۔ میں نے پہلے حصے میں لکھ دیا تھا کہ چین کی مستورات کے حالات میں کوئی کتاب اُردو زبان میں موجود نہیں ہے، ورنہ اُن کا احوال بھی لکھتا۔ اب اِس کتاب کے چھپتے چھپتے اَوَدھ اخبار، مطبوعہ ۶ ستمبر سنہ ۱۸۷۶ع میں ایک مضمون اپنے مفیدِ مطلب مل گیا، جس کا مدّعا ہے کہ چین میں ایک کتاب مسمّا بہ توشن یعنی ہدایتِ نسواں، مروّج ہے، جس کے بموجب وہاں بہ خوبی عمل درآمد ہوتا ہے۔ اُس کے چند قاعدوں کا ترجمہ، جو نہایت مفید و بہ کار آمدِ ہر شہر و دیار اور ہر قوم و ملّتِ روزگار ہے، ہدیۂ ناظرینِ با تمکین کیا جاتا ہے۔

لُبِّ لباب خلاصۂ توشن، اعنی ہدایۃ النسواں

لڑکیوں کو لازم ہے کہ بڑے بھائیوں اور بہنوں کو بجاے والدین کے سمجھیں، بزرگوں کو صبح شام سلام کریں، ہمیشہ اُن کی رضاجُو رہیں۔ اگر وہ ناراض ہو کر کچھ کہیں تو سر جھکا کر سنیں اور جواب نہ دیں، بل کہ آئندہ اُس سے دست بردار ہوں، جو ناراضی کا باعث ہوا ہو۔ لکھنے پڑھنے میں کوشش کریں، متقدمینوں کی تصنیفیں دیکھیں مگر وہ کتابیں نہ کھولیں جن میں عشقیہ مضامین ہوں۔ حساب کا سیکھنا ایک اَمرِ ضروری ہے، ورنہ مصارفِ خانگی کی نوشت خواند میں محتاج رہیں گی۔ یہ جوہرِ ذاتی پیدا کریں: نرم گوئی، کم گوئی، نیک خلقی، آہستہ روی، تعمیلِ ارشادِ بزرگاں۔ جو باتیں آگے بتائی جاتی ہیں، اُن کا ترک کرنا لازم جانیں: سخت کلامی، تُرش روئی، بے حجابی، بے باکی، عدول حکمی اور جواب دہی بہ حکمِ والیان۔

جب لڑکیوں کی شادی ہو جائے تو اُنھیں والدین کی یاد فراموش نہ کرنی چاہیے، بل کہ خاوند سے اجازت لے کر گاہے ماہے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کریں۔ ساس سُسرے کی تعظیم بھی مثل والدین کے کریں۔ فروتنی کی عادت پیدا کریں۔ بزرگوں کی اطاعت فرض جانیں۔ تلوّن مزاجی سے باز رہیں۔ رستہ چلتے پیچھے پھر پھر کر نہ دیکھیں۔ جب گھر میں مرد آئیں، مستورات کو علاحدہ مکان میں ہو جانا ضرور ہے۔ مَردوں کی طرف حسرت و حیرت کی نگاہ سے دیکھنا بُرا دستور ہے، بل کہ جو لُگائی مرد کی جانب آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے، وہ بڑی ذی شعور ہے۔ مستورات کو لازم ہے کہ مندروں میں نہ جائیں، قہقہہ مار کر نہ ہنسیں، سادی وضع کا لباس رکھیں، بیش قیمت زیور کی طمع نہ کریں۔

بیوہ عورت اپنی ہیئت کذائی [۱۱۶] کو ایسا تبدیل کرے کہ بالکل خاک سار ہو جائے، حتّا کہ لوگوں کو اُس کی صورت سے نفرت ہوا کرے۔ جس طرح لڑکیوں کو والدین اور بھائیوں کی اطاعت اور جوانوں کو خاوند کی فرماں برداری و متابعت فرض ہے، اُسی طرح ضعیفہ کو اپنے فرزندِ ارجمند کی رضا جُوئی مقدم ہے۔

[اِس فقرہ کی تائید میں یہ نوٹ لکھا جاتا ہے۔ **انتباہ:** رسالہ قومی رفیق، دہلی، جلد ا، نمبر ۳، مطبوعہ ۱۰ اکتبر سنہ ۱۹۰۲ء، صفحہ ۳، کولم اوّل، سطر ۱۱ پر دھرم گزٹ، لاہور؛ نمبر ۵، جلد اوّل سے نقل کرتا ہے کہ لڑکی ہو، جوان ہو یا بوڑھی، مگر عورت کو واجب نہیں جو اپنے گھر میں کوئی کام اپنی آزاد دلی یا خود رائی سے کرے۔ بچپن میں وہ ماباپ کے اختیار میں رہے، جوانی میں خاوند کی تابع دار، (ضعیفی میں اپنی اولاد کی رضا جُو) رہے: از منوسمرتی، اُدھیاے پنجم، اَشلوک ۱۴۶_] [۱۱۷]

ترغیبِ تعلیمِ نسواں بہ اہلِ ہند

دیکھو! چین کی ولایت میں بھی کیا عمدہ قاعدے مستورات کے لیے مقرر ہیں۔ کہو! ان کی پابندی سے کیا عمدہ [۱۱۸] نتیجہ نکلتا ہوگا۔ اگر ہمارے دیسی بھائی بھی اِس پر غور فرمائیں اور تعلیمِ نسواں کی ترقی میں کوشش کریں تو کیا اچھی بات ہو۔

دیکھو! جس وقت ہندوؤں (۱۱۹) کا دور دورہ تھا، اُس وقت اس کی کس قدر ترقی تھی، جس کا حال بھوج پربندھ وغیرہ سے، پہلے حصّہ میں لکھا گیا [انتباہ: گزشتہ منوسمرتی سے اس کی تصدیق بہ خوبی ظاہر ہوگئی ہے] (۱۲۰)، پھر مسلمانوں کی حملہ آوری نے اس سررشتہ کو معدوم کر دیا۔ زاں بعد سرکارِ انگلشیہ کے ظلِّ حمایت میں کمپنی بہادر کا عہدہ ہوا تو تعلیم کا سلسلہ بھی کھلا۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد، جو حضور ملکۂ معظمہ کوئین وکٹوریہ زاد اللہ سلطنتہا نے ہندستان جنت نشاں کی باگِ حکومت دستِ مبارک میں سنبھالی، اس محکمے نے زیادہ رونق پائی۔ [جنابِ ممدوحہ (۱۲۱) سنہ ۱۹۰۱ء میں آرام گاہِ حقیقی کی رونق افزائی کو متوجہ ہوئیں۔ دیکھو فرہنگِ آصفیہ کی چوتھی جلد کا اخیر، جہاں حضور کا تعزیت نامہ درج ہے۔ بندۂ نمک خوارِ بے وقار نے اس واقعۂ تعب خیز کے یہ مادۂ تاریخی نکالے ہیں:

خبر وفات دی ہے (۱۳۱۸ھ) (۱۲۲) خاتمہ بالخیر ہوا (۱۹۰۱ء)

داخلِ مخلدے بریں (۱۲۳) شدند (۱۹۰۱ء)] (۱۲۴)

اب جو یکم جنوری سنہ ۱۸۷۷ء سے حضور ممدوحہ، بلقیسِ زماں، مریمِ دوراں، فرماں روائے انگلستان و ہندستاں نے اپنے سالِ جلوس کے انتالیسویں برس میں شاہنشاہی کا خطاب منظور فرمایا ہے تو یقینِ واثق ہے کہ اس ملک کی بہبودی کے واسطے تعلیم کی طرف زیادہ توجہ ہو۔

یادگارِ قیصری کا اہتمام ہے، مدّعائے اصلی پر جانے کا انتظام ہے

اگر چہ اِس مقام پر دلِ عقیدت منزل تو یہ چاہتا تھا کہ تاریخِ مذکور الصدر کو، جو دربارِ دربار دہلی میں نواب معلّی القاب حضور ویسرائے صاحب بہادر گورنر جنرل ہند، یعنی امیر کبیر لورڈ لیٹن صاحب بہادر زاد اللہ شرفاً نے، بہ حضوریِ جملہ راجگانِ ذی شان و نوابانِ رفیع المکان، مع والیانِ قرب وجوارِ ہندستان، منعقد فرمایا تھا، اُس کا مفصّل حال ابتدا سے انتہا تک قلم بند ہو لیکن پھر جو خیال کیا کہ اُس کی تحریر کو تو ایک دفتر چاہیے۔ اگر تو صرف معاملاتِ چشم دید ہی لکھیے تو بھی سو جزو کاغذ سے کم میں نہ سمائیں، چناں چہ دس دس بیس بیس جزوں کی کئی کتابیں، اس بیان میں شائع ہوگئی ہیں مگر اُن کے دیکھنے سے طبیعت مطمئن نہیں ہوتی، کیوں کہ اُن میں نہایت اختصار، ہر ایک بیان میں کیا گیا

ہے۔ پس، اس کے بیان میں اپنا مطلب رہ جائے گا۔ اسی واسطے ان چند سطروں ہی کو یادگارِ دربارِ قیصری، جس کا نظیر پیرِ فلک نے بھی شاید اب تک نہ دیکھا ہوگا، سمجھ کر مدعا نگاری پر آمادہ ہوتا ہوں۔

شعر:

اے کارسازِ قبلۂ حاجات کارہا! آغاز کردہ ام تو رسانی بہ انتہا

دیگر

گر خطائے رفتہ باشد در کتاب قاریا! برمن مکن تظرِ عتاب!

زمزمہ سرائی خامۂ ہزارداستان، بہ تحریرِ اشعارِ شاعراتِ اُردو زبان

واضح رائے علوم پیرائے ناظرین باعز و شان ہو کہ ہندی کے حروف تہجی کل باون (۵۲) ہیں۔ ازاں جملہ، بالاتفاق تین حرف خاص سنسکرت کے ہیں اور دو، یعنی لرِی، لری بھی بھاکھا میں بہت ہی کم آتے ہیں۔ دس حرف مرکب ہیں، ''ننا'' یعنی نون چار طرح کا ہوتا ہے مگر اُردو فارسی میں ایک ہی آتا ہے۔ پس، اٹھارہ حرف گویا اُردو میں نہیں بولے جاتے۔ باقی چونتیس حرف ہندی و اُردو زبان میں اشتراک رکھتے ہیں۔ ہاں، اُردو میں ث، س، ص: تین حرف ہیں اور ہندی میں صرف ایک سسّا۔ اسی سبب سے اس حصے میں چھتیس ردیفیں لکھنی مناسب معلوم ہوئیں، مگر ایسا تخلص یا نام کسی شاعرہ کا نہیں ملا جس کا سرِ حرف 'ڑ' مثقلہ ہندی ہو۔ پس، پینتیس ردیفوں پر اس رسالے کو محدود کیا۔

بندے نے بخوفِ طوالت شاعراؤں کا حال نہایت ہی اختصار سے لکھا ہے۔ پہلے مسودے میں بہت طول طویل تھا۔ اُس کو فضول سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اِس پر بھی اُس واحدۂ (۱۳۵) لاشریک کی عنایتِ بے غایت سے یہ کتاب لاجواب اس قدر ضخیم (۱۳۶) ہوگئی ہے کہ آج تک اس قدر، اس بیان میں کوئی رسالہ نظر نہیں آیا، بل کہ فارسی گو مستورات کا تذکرہ جواہر العجائب اور اُردو فارسی گویوں کا ملا جلا بہارستانِ نازؔ ہی چھپا ہے مگر یہ، دونو سے کئی حصے بڑھا ہوا ہے۔

ہاں! اب اگر کوئی اَور صاحب ہمّت ہمّت کرے تو اس کو کسی قدر اَور زیادہ کرے، کیوں کہ میں نے کچھ تمام زمانے کی شعر کہنے والیوں کو تو فراہم نہیں کیا، بل کہ صرف نمونے کے طور پر، جہاں تک ہو سکا، لکھ دیا۔ اللہ بس، ماسوا ہوس!

[اس کے بعد اخترِ تاباں، ماہِ درخشاں، شمیمِ سخن کا تیسرا حصّہ، دیوان نشاط، مشاہیرِ نسواں، وغیرہ وغیرہ تذکرے شاعرات وغیرہ کے بیان میں چھپ گئے ہیں اور ناگری میں بھی شیو سنگھ سروج نامی کتاب چھپی ہے، جس میں اکثر ہندنیوں کی شاعری بھی دکھائی گئی ہے۔][۱۲۷]

ہر کہ نامِ رفتگاں آرد بہ یاد نام نیکش در جہاں آباد باد

....

الف ممدودہ کی ردیف

آرائش

آرائش تخلص کی کوئی مجہول الاسم کبھی بازار دہلی کی زیبائش بڑھاتی تھی، اب کسی کے گھر کی نمائش کر رہی ہے۔ اس نے یہ شعر اپنے حسبِ حال کہا ہے:

جوانی میں بھلی معلوم ہوتی تھی یہ آرائش بڑھاپے میں تو مہندی مسّی کی ہے خاک زیبائش

الف مقصورہ کی ردیف

اچپل

اَچپل تخلص، چھنکن جان نام کسی چلبلی عورت کا، صرف ایک ہی شعر ہاتھ آیا۔ اس کے مزاج کی اُچپلاہٹ کو دیکھیے کہ چلبلاہٹ کے مارے اپنا احوال بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔[۳۹] خیر، اس کے کلام ہی کے چلبلے پن کو دیکھ کر اس کے اچپلے پن کو سمجھ لو!

ہے عیش اُس کے جی کو اجی غم بہت ہے یاں شادی وہاں رچائی ہے ماتم بہت ہے یاں

اختر

اختر تخلص ہے، نواب اختر محل نامی گرامی کا اور یہ نیک اختر تیموریہ خاندان کی ہے جس کا اخترِ طالع اب تک اَوجِ فلکِ نام آوری پر درخشاں ہے، اور کیوں نہ ہو! کہ یہ بلند اختر مضامینِ نغز و

منقبتی کی شاغلہ ہے۔ قدسیؔ قدس سرہٗ کی غزل کو اس نے کیا اچھی طرح تضمین کیا ہے جس نے ریختی کا مزہ بھی چکھا دیا ہے۔ عام شعر بھی اس اختر برج نکوئی کے عام پسند ہیں، عاشق مزاجوں کے دلوں کے پیوند ہیں:

خمسی اختر، در نعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

تجھ پہ قربان ہوں، اے ہاشمی و مطلبی! کہ ہے مشہورِ دو عالم تری عالی نسبی (۱۲۸)
دیکھ رُتبے کو ترے شوکتِ افلاک دبی مرحبا سیّدِ مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت کہ عجب خوش لقبی

وہ ترا نُور ہے ماہِ فلکِ مہرِ کرم تیرے جلوے سے منوّر ہوئے دونو عالم
تاب یوسف کو کہاں ہے کہ ترے دیکھے قدم منِ بیدل بہ جمالِ تُو عجب حیرانم
اللہ اللہ! چہ جمالست بدیں بوالعجبی

واہ! کیا درجہ ہے، کیا شان ہے اور کیا رُتبہ (۱۲۹) خالقِ ارض و سما خود ہے ترا مدح سرا
انبیا کہتے ہیں سب: صلِّ علیٰ، صلِّ علیٰ نسبتے نیست بذاتِ تُو بنی آدم را
برتر از آدم و عالم تُو چہ عالی نسبی

تُو ہے نیسانِ کرم اور سحابِ اکرام بھر دیا موتیوں سے دامنِ اُمّیدِ انام
بار آور ترے باعث سے ہے نخلِ اسلام نخلِ بُستانِ مدینہ ز تُو سر سبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

سب سے پہلے کیا پیدا ترا اللہ نے نور پردۂ ذات میں اُس نور کو رکھا مستور
اور اُس نور کا اظہار ہوا جب منظور ذاتِ پاکِ تُو دریں ملکِ عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

ہے ترے نُور سے پُر نور زمیں دشت بہ دشت گلشنِ چرخ ہے تیرے ہی برائے گل گشت (۱۳۰)
تیرے ہی واسطے ہیں خاص یہ جنّات ہشت شبِ معراج عروجِ تُو ز افلاک گزشت

بہ مقامے کہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

قدسیاں آنکھیں بچھاتے ہیں ترے زیرِ قدم　　خاکِ پا تیری ہی ہے سرمۂ چشمِ عالم
بخش دیجو مری تقصیر پر، اے شاہِ اُمم!　　نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگِ کوئی تو شد بے اَدبی

تختی حشر سے گھبرائے گی جب مخلوقات　　اور نہ بن آئے گی، اے ابرِ کرم! کوئی بھی بات
انبیا سب تجھے کہویں گے کہ اے ابرِ نجات!　　ماہمہ تشنہ لبانیم توئی آبِ حیات
لُطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی

ہو گئی لہو [و] لَعب میں ہے مری عمر بسر　　یادِ خالق میں نہ مصروف ہوئی میں دم بھر
گھستی ہوں ناصیۂ عجز کو تیرے در پر　　چشمِ رحمت بکشا سوے من اندازِ نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطّلبی

دردِ عصیاں کے سبب سے ہے مری جان چلی　　اور بچنے کی نہیں سوجھتی تدبیر کوئی
عرض اخترؔ کی بھی قدسیؔ کی طرح سے ہے یہی　　سیّدی أنت حبیبی و طبیبِ قلبی!
آمدہ سوے تُو قدسیؔ پےِ درماں طلبی

اخترؔ کے متفرق اشعار، پسندیدۂ عاشقِ زار

آستاں پر ترے پیشانی کو گھستے گھستے　　سر ہی غائب ہوا جس میں کہ ترا سودا تھا

....

اِک آہِ شعلہ بار سے دل کو جلا دیا　　لو! آج ہم نے اس کا بھی جھگڑا مٹا دیا
لکھ کر جو میرا نام زمیں پر مٹا دیا　　اُن کا تھا کھیل، خاک میں ہم کو ملا دیا
خط لے کے نامہ بر سے جو ٹکڑے اُڑا دیا　　غیروں نے آج اُن کے تئیں کچھ پڑھا دیا
تقصیر یار کی، نہ قصورِ عدو ہے کچھ　　اخترؔ! ہمارے دل ہی نے ہم کو جلا دیا

....

تیغِ نگاہِ یار کا دونو پہ وار ہے　　ٹکڑے اِدھر جگر ہے، اُدھر دل فگار ہے

اسیؔر

اسیؔر تخلص ہے، مسماۃ امیر بیگم نام کا، جو شاہ فخرالدین احمد صاحب دہلوی کے سلسلۂ شاگردی میں اسیر، بیگماتِ چغتائی کے زمرے میں امیر، بدیہہ گو بے نظیر، حاضر جواب خوش تقریر ہے۔ ایک روز میرے کسی مہربان نے اس شاعرہ کو یہ مصرع سنایا:

بے قراری، قرار ہے اپنا

اس لطیفہ گو نے فوراً پیش مصرع بہم پہنچایا، بل کہ ایک بیت اور اُس میں شامل کردی۔ وھو ہٰذا:

عشق دار و مدار ہے اپنا بے قراری قرار ہے اپنا
خاک میں مل گئی ہو جس پہ اسیؔر! اُن کے دل میں غبار ہے اپنا[۱۳۰]

اشکؔ

اشکؔ تخلص کسی شہزادی کا ہے، جس کا دہلی مقام ہے اور اِس طرز کا کلام ہے:

نہ بوسہ دینا آتا ہے، نہ دل بہلانا آتا ہے تجھے، اے کافرِ ترسا! فقط ترسانا آتا ہے
کسی عاشق کا بے شک استخواں ہے، میں نہ مانوں گا کہ شانہ تیرے رُخ تک اتنا بے باکانہ آتا ہے[۱۳۱]

امراؤؔ

امراؤ جان[۱۳۲]، متخلص بہ اسمِ خود، کوئی لکھنؤ کی شاہدِ بازاری سخن کی گرم بازاری اس طرح پر کرتی ہے:

گر نہ گُج کو سرِ کاکُلِ خم دار نہ ہوتا تو میں یوں بلاؤں میں گرفتار نہ ہوتا

....

پلادے ساقیا! زوروں پہ ہے عالم جوانی کا لگادے خُم مرے منہ سے شرابِ ارغوانی کا[۱۳۳]
نقاہت کو مری ناطاقتی مجھ پر رُلاتی ہے ہنساتا ہے ضعیفی کو مرا عالم جوانی کا[۱۳۴]
یہ دل، جیسے کہ خلوت خانہ اُس آئینہ رُو کا ہے ملا ہے دیدۂ حیراں کو عہدہ پاس بانی کا

امراؤ! کیا کہوں کہ شبِ ہجر نیشِ غم چبھتا رہا ہر اک رگِ جاں میں سحر تلک

امراؤ

امراؤ تخلص، حسینی بیگم نام، کسی پردہ نشیں دہلوی کا یہ کلام ہے:

باغِ عالم میں چھڑواتا تھا اگر اپنوں سے پہلے ہی سبزۂ بے گانہ بنایا ہوتا
گرچہ منظور نہ تھی خانہ نشینی میری تو مجھے ساکنِ ویرانہ بنایا ہوتا

امراؤ

امراؤ جان بنتِ امیر جان معروف بہ علی بخش والی، شاہدِ بازاری، دلّی کی مشہور ڈیرہ دار ہے۔ اُٹھتی جوانی، نئے (۱۳۵) جوبن کی بہار ہے۔ کہتے ہیں اُس کی یہ طرزِ گفتار ہے:

آئے، امراؤ! دن ترے اچھے دن بدن مفلسی جو گھٹتی ہے

امیر

امیر جان، متذکرۂ بالا کے نام کا یہ شعر گوش آشنا ہے:

غصّے سے چہرہ میرا گلِ نار ہو گیا بس، یار مجھ کو طعنۂ اغیار ہو گیا

تنبیہ: واضح رائے مشتاقانِ سخن ہو کہ میرے مہربان، نیک اساس میر عبّاس صاحب تاجرِ کتب دہلی نے یہ دونوں شعر علی بخش والیوں کے مجھے سنائے اور اس کتاب میں درج کرائے ہیں۔ افسوس! اِسی سال، یعنی سنہ ۱۲۹۵ ہجری [مطابق ۱۸۷۸ء]، جب کہ یہ رسالہ اوّل دفعہ چھپا تھا، میر موصوف نے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

امیر

امیر تخلص اور نام کسی لکھنوی گل فام کا ہے، جس کا یہ کلام ہاتھ آیا ہے:

چدھر کے دیکھنے سے جانِ زار جاتی ہے اُسی طرف کو نظر بار بار جاتی ہے
یہ بغض تھا کہ نہ چھوڑا تمھارے کوچے میں صبا لیے مرا مشتِ غبار جاتی ہے
یہ محوِ دیدِ رُخِ گل ہے بلبلِ شیدا نہیں خبر کہ چمن سے بہار جاتی ہے

باعربی کی ردیف

بستی

بستی نامی آگرہ کی رقاصہ کا صرف یہی مطلع نظر سے گزرا:

بستی! ضرور چاہیے اسبابِ ظاہری دنیا کے لوگ دیکھنے والے ہوا کے ہیں

بسم اللہ

بسم اللہ تخلص اور نام ایک عورت ہندی نزاد کا ہے، جس کی والدہ ولایت زا ہے۔ غدر کے بعد عام پیشے سے کنارہ کش ہو، کسی سے نکاح کرلیا ہے، یوں عیشِ مباح روا رکھا۔ میرے عنایت فرما منشی انعام اللہ صاحب سے مشورۂ سخن رہا۔ یہ کلام اُس کا براے یادگار لکھا گیا:

بسم اللہ! جان عشق میں قربان کیجیے مانندِ زُلف دل نہ پریشان کیجیے

....

تری اُلفت میں یہ حاصل ہوا ہے گہے مضطر ہے دل، گاہے تپاں ہے
نہ کیجے ناز حسنِ عارضی پر نہ سمجھو یہ بہارِ بے خزاں ہے

بنّو

بنّو نامی دہلی کی ایک گھرستن تھی جو گلاب سنگھ آشفتہ سے ربط ضبط رکھتی تھی۔ [ایک صاحب اہلِ برادری کے معزز رکن کی زبانی معلوم ہوا کہ بنّو مذکور کسبی تھی۔ آشفتہ صاحب قوم کے کھتری،

باشندۂ کوچۂ مہاجانی واقع بازار چاندنی چوک تھے جن کے خاندان میں آج کل لالہ بہادر سنگھ صاحب چودھری موجود ہیں۔](۱۳۶)

ایک روز آشفتہ آشفتہ مزاج نے اُس کی مفارقتِ اتفاقی سے اپنے گلے پر خنجر پھیر لیا، یوں زندگی کا قصہ پاک کیا، مگر واہ رے جذبۂ عشق! کہ دل بر سُنتے ہی مسیحائی کو دوڑا مگر خویش و اقارب نے بہ بہانۂ دیوانگی گھیر لیا۔ ناگزیر، اپنے مفتون کا یہ شعر پڑھنے لگی، اسی سے دلِ ناشکیب کی تسلی کرنے لگی:

یارب! نہ ہو کسی کو یہ آزار عشق کا بچتا نہیں ہے کوئی بھی بیمار عشق کا

الغرض، یہ شاعرہ اُسی روز ممنوعات سے تائب ہوئی اور چھ مہینے کے عرصہ میں اپنے محبِ صادق کی روح سے جا ملی۔ اِس موقع پر نواب نجم الدولہ، دبیر الملک، اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ متخلص بہ غالب، معروف بہ میرزا نوشہ صاحب مرحوم مغفور کا فرمودہ کیا برجستہ صادق آیا ہے:

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ(۱۳۷) ہاے! اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

انتباہ: حضرت کے نامِ نامی سے یاد آ گیا کہ اُن کی تاریخِ وفات کسی شاعر نے ''بر گل غالب و بر گل غالب'' (۱۲۸۵)(۱۳۸) [مطابق ۱۸۶۹ء]، نہایت عمدہ تجویز کی ہے۔ ہیچ مداں نے بھی دو بیتیں عرض کی ہیں، وہ بھی اس موقع پر لکھتا ہوں:

تاریخ وفات غالب سنہ ۱۸۶۹ء

اسد اللہ خاں بہادر را چوں اجل پیشِ حق تعالیٰ بُرد

گفت نادر خود از سرِ افسوس: غالبِ بے مثال، آہ!، بہ مرد(۱۳۹)

۱ [+] ۱۸۶۸ء [= ۱۸۶۹ء]

خیر، کہتے ہیں کہ بنو، آشفتہ کے غمِ ہجر میں بہ عارضۂ دق مبتلا ہوئی، کسی کے معالجہ سے افاقہ نہ ہوا تو اپنا دُکھڑا یوں رویا:

میں حبِ غم سے جلوں اور یہ کریں دق کا علاج ہو سمجھ اُلٹی طبیبوں کی تو اس کا کیا علاج

الغرض، یہ شعر اس کے مشہور ہیں، تذکروں میں مسطور ہیں:

چھوڑ کر مجھ کو کہاں اے بُتِ گم راہ! چلا؟ تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہم راہ چلا(۱۴۰)

چھٹ گیا غم سے مرا کشتۂ ابرو مر کر اِک چھری میرے گلے پر بھی مری آہ! چلا

....

نہ تو موت آتی ہے، نے زیست کا یارا مجھ کو ہاے آشفتہ! ترے مرنے نے مارا مجھ کو
موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا، ورنہ تو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھ کو
اب کسے چین، کہاں عیش، کدھر بسترِ خواب نہیں مخمل بھی کم از بسترِ خارا مجھ کو
کیا ہوئی، ہاے! فغاں کی ترے شور انگیزی لے چلے نعش کو تو تُو نے نہ پکارا مجھ کو

....

نعشِ آشفتہ کو بے رحموں نے پھونکا آگ سے آتشِ غم بھی جوانا مرگ کی کچھ کم نہ تھی (۱۴۱)

بہو

بہو، معروف بہ بہو بیگم صاحبہ مرحومہ، محلِ خاص نواب یوسف علی خاں بہادر مغفور ناظم والیِ رام پور، یوں گوہر فشاں ہیں، سبحان اللہ! کیا شیریں زباں ہیں:

قطعہ

شب بزم ملاقات میں ہر چند یہ چاہا آنکھیں تو لڑاؤں ذرا اُس رشکِ قمر سے (۱۴۲)
پر خوف مرے دل میں یہی آیا کہ ہے ہے! نازک ہے، نہ دب جائے کہیں تارِ نظر سے

بیگم

اِس تخلص کی تین شاعراؤں کا کلام اِس وقت پیشِ نظر ہے جو بالتفصیل یاروں کی نذر ہے۔

اوّل : میر محمد تقی کی بیٹی، لکھنوی، یوں سخن سرا ہے۔ اللہ اللہ! کس لب ولہجہ سے گویا ہے:

برسوں سرِ گیسو میں گرفتار تو رکھا لو! کہتے ہو کیا تم نے ہمیں مار تو رکھا (۱۴۳)
کچھ بے ادبی ہم نے نہ کی یار سے، شب بھر (۱۴۴) ہاں! یار کے رخسار پہ رخسار تو رکھا
اتنا بھی غنیمت ہے، تری طرف سے ظالم! (۱۴۵) کھڑکی نہ رکھی، روزنِ دیوار تو رکھا
وہ ذبح کرے یا نہ کرے، غم نہیں اس کا سر ہم نے تہِ خنجرِ خوں خوار تو رکھا

اِس عشق کی ہمت کے میں صدقے ہوں کہ بیگم! ہر وقت مجھے مرنے پہ تیار تو رکھا

بیگم

دوم: تارا بیگم مجہول الحال کی یہ مقال ہے، صاف صاف بول چال ہے:

کیوں وصل میں چھپاتا ہے تُو ہم سے یار پیٹ رکھتا ہے سو بہار کی یہ اک بہار پیٹ (۱۴۶)

بیگم

سوم: رشک محل، پنجابن، جو واجد علی شاہ صاحب بہادر کے متاع میں ہے اور ہم رکاب حضور، کلکتہ میں رہتی ہے، یوں ریختی کا ڈھنگ دکھاتی ہے:

نہ بھیجوں گی سُسرال میں تُم کو خانم! نہیں مُجھ کو دُوبھر ہے کھانا تمھارا (۱۴۷)
مری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو (۱۴۸) یہ احساں ہے سر پر دوگانہ تمھارا
ہوا بال بیکا جو مرزا! ہمارا تو پھر سنگ ہے اور شانہ تمھارا

....

گھر سہ گانہ کے دوگانہ مری مہمان گئی میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

پا فارسی کی ردیف

پارسا

پارسا، اِسم بامسمّا، بنتِ کلاں نواب میرزا تقی خاں ہوسؔ نیشاپوری لکھنوی، جو نواب آصف الدولہ بہادر مرحوم کے عزیزوں میں تھے اور اپنے نزدیک بڑے صاحب تمیزوں میں تھے۔ میرزا موصوف کی ایک عجیب وغریب روایت مشہور ہے جو کتابوں میں بھی مسطور ہے۔ آپ نے اس خیالِ خام سے اِس صاحب عصمت کی شادی کت خدائی نہ کی کہ کسی کو اپنا داماد بنانا باعثِ ننگ ہے، سُسرا

کھلانے سے دل تنگ ہے۔ افسوس! یہ نہ سمجھے کہ ہم بھی تو کسی کے داماد ہیں، جس کے سبب نہایت دل شاد ہیں۔

خیر، یہ تو عرصے کی بات ہے۔ اُس زمانہ میں وہ لوگ، جو محض بے علم اور جاہلِ مطلق تھے، دختر کشی کو جائز رکھتے تھے اور اسی مسئلے کے معتقد تھے مگر میں اس سے بہت بڑھ کر ایک اَور فقرہ سُناتا ہوں اور اہلِ دنیا کی خود غرضی ظاہر کرتا ہوں:

روایتِ حیرت خیز، عبرت انگیز

ایک ہندو، صاحبِ عالی خاندان، فارسی و ناگری خواں، ناظم و ناثرِ ہر دولساں، یعنی فارسی و ہندی، بل کہ اُردو میں بھی صاحبِ دیوان [۳۹] نے اپنے فرزندِ نرینہ، سعادت مندِ دیرینہ کی شادی اس خیال سے نہیں کی کہ مبادا لڑکا زن مرید ہو جائے تو ہماری ضعیفی برباد جائے۔ سبحان اللہ! جل جلالہٗ!

اس زمانہ میں بھی، باوجودے کہ اِس قدر علم کی روشنی نے جہالت کی تاریکی کو دور کر دیا ہے، پھر بھی ایسے ایسے خود بیں، خود مطلبی، اس دارِ ناپاے دار میں جلوہ افروزیاں کرتے رہتے ہیں۔ آفرین ہے اُن کے وابستگان پر کہ وہ کس کس طرح تجاہلِ عارفانہ سے، دیدہ دانستہ اِن ظلموں کو سہتے رہتے ہیں۔ الحاصل، ایسی لغویات سے خاندان غارت ہو جاتا ہے، بزرگوں کا نام ونشاں مٹ جاتا ہے، کوئی نام لیوا اور پانی دیوا نہیں رہتا۔ ہاں! یہ قصہ ضرور یادگارِ زمانہ رہتا ہے۔

خیر جی! اِن جھگڑوں کو چھوڑ کر پارسا کا کلامِ نیک فرجام سُنو!:

تن صورتِ حباب بنا اور بگڑ گیا — یہ قصر لاجواب بنا اور بگڑ گیا
چلتا نہیں ہے ابلقِ ایام ایک چال — اکثر یہ بد رکاب بنا اور بگڑ گیا

پٹاباز

پٹاباز کے نام سے صرف ایک شعر کسی عنایت فرما نے سُنایا تھا اور یہ ارشاد کیا تھا کہ یہ شاہدِ بازاری غدر سے پہلے سہارن پور میں موجود تھی۔ اب اِس کی حقیقت مفقود ہے مگر اِس کا شعرِ لاحقہ اچھا ہے، مضمون نیا ہے۔ جو سُنتا ہے، عش عش کرتا ہے، جو دل گدازی رکھتا ہے، اس تازہ مضمون پر

غش کرتا ہے:

گرتیاں جالی کی پہنیں ہیں جوانانِ حسیں حُسن کی فوج میں دیکھے یہ زرہ پوش نئے

تنبیہ: اِس کتاب کے اوّل دفعہ چھپنے کے بعد رام پور کا تذکرۃ الشعرا (۱۵۰) جو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ شعر عورت کا نہیں ہے، بل کہ مولوی وجیہ الزماں خاں رحیق تخلّص کا ہے۔

تا قرشت کی ردیف

تسلّی

تسلّی تخلّص، منا جان نام، کرنال کی خانگی کا یہ مقطع بہار (۱۵۱) میں دیکھا ہے۔

اے تسلّی! ترا دل چھین لیا ہے کس نے؟ ہاتھ سینہ پہ دھرے گور میں کیوں جاتی ہے

تصویر

تصویر: اِس گل اندام کے کلام سے نغمۂ عندلیب (۱۵۲) یوں گرم نوا ہے، یعنی صاحبِ گلستانِ بے خزاں کی، بہ زبانِ تصویر یہ صدا ہے:

چل ہوا کھا، نہ صبا اِس دلِ دل گیر کو چھیڑ! کیا مزہ پائے گی تُو غنچۂ تصویر کو چھیڑ؟

....

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

تنبیہ: سخن ورانِ معنی رس کو ظاہر ہو کہ کتابِ مذکورہ بالا حکیم میر قطب الدین صاحب باطن اکبر آبادی نے بہ جواب تذکرۂ گلشنِ بے خار، چھپوائی ہے۔ جس کا مختصر جواب الجواب مسمّابہ ارمغان (۱۲۹۲ھ [مطابق ۷۶-۱۸۷۵ء]) من جانب شعرائے دہلی، میرے ایک دوست نے چھپوا کے حکیم صاحب کی خدمت میں ارسال فرمایا مگر اکبر آباد سے صدائے برنخاست کا معاملہ پیش آیا، چناں چہ اس ارمغان کی تاریخِ طبع یہ ہے:

وحشی کا ہے کلام ز بس طرفہ بے نظیر ظاہر یہ ہے، بن آئے گا باطنؔ کو کیا جواب
باذوق داب طبع کی رُو سے لکھو میاں! "ہے یہ جواب گلشنِ بے خار کا جواب"(۱۵۴)

۴ [+] ۱۳۸۸ [= ۱۳۹۲]

ہاں! غرض اس تحریر سے اور مطلب اِس تقریر سے یہ ہے کہ شاید یہ شاعرہ حضرت باطنؔ ہی صاحب سے فیضِ ظاہری و باطنی حاصل کرتی ہوگی جو آپ نے اُس کی سکونت وغیرہ کا بھی پتا نہ لکھا، بقولِ حکیم مومن خاں صاحب مرحوم:

قہر رشکِ ہم کلامی ہے، میں گزرا داد سے بازپُرس اُس سے مگر کچھ، داورِ محشر! نہ ہو!

پس، اِس کلام پر اکتفا کی ہے، اِس عالمِ تصویر کی کوئی نشانی نہیں دی:

شکلِ حال اس کی بہ ہنگامِ نظارہ پردہ پوش، مصوّرِ طبع صفحۂ خیال پر حسرت سے ہم دوش۔(۱۵۴)

تاے مثقلۂ ہندی کی ردیف

ٹھٹھولی

ٹھٹھولی، کسی مجہول الاسم والمسکن کا شعر سُنیے جو اس تخلّص کا مصداق ہے :

ٹھٹھول باز کہے تھا یہ کل ٹھٹھولی سے کہ مان میرا کہا، آ! اُتر کے ڈولی سے

ثاے مثلّثہ کی ردیف

ثریّا

ثریّا تخلّص، بڑی بیگم نام، زوجہ میرزا علی خاں مرحوم وظیفہ خوارِ شاہِ دہلی، کا ہے جو غدر کے

بعد کسی اپنے عزیز کے پاس آگرہ چلی گئی۔ بحالتِ بیوگی شاعری سے بھی تائب ہوگئی۔ نیک بختوں کا ایسا ہی شیوہ ہوتا ہے۔ روزِ جزا ایسی ہی باتوں میں منہ اُجلا رہتا ہے:

بتادیں ہم تمھارے کاکلِ شب گوں کو کیا سمجھے؟ بہ بد بختی ہم اپنی یا اسے کالی بلا سمجھے
جدھر دیکھا، اُٹھا کر نیم بسمل کر دیا اُس کو تری مژگاں کو ہم سوفارِ پیکانِ قضا سمجھے (۱۵۵)

ثنا

ثنا، باشندۂ آگرہ کا یہ شعر نظر آشنا ہے، وہی نذرِ محبانِ باصفا ہے:

زاہدا! توبہ کی جلدی کیا ہے (۱۵۶) یہ بھی کر لیں گے جو فرصت ہو گی

جیم تازی کی ردیف

جان

جان تخلص، صاحب جان نام، فرخ آبادی مال بازاری، کا ہے جو دہلی میں بھی آئی تھی۔ مولّف گلدستۂ نازنیناں کے کسی دوست کی دوست رہی تھی۔ اُسی سے شعر کی اصلاح لی، پھر نہیں معلوم کہ نغمۂ عندلیب والا یہ راگ بے محل اور دور از قانون کہاں سے گاتا ہے، اپنی کتاب کے مشتاقوں کو سُناتا ہے کہ ''یہ جان صاحبہ فیض آبادی ہے۔'' شاید اس شخص کو افترا پردازی میں آزادی ہے۔ بہرکیف، اس شاعرہ کی طرزِ تحریر یہ ہے:

جان جاتی ہے، دل ترستا ہے جلد آ جاؤ! مِنھ برستا ہے
حالِ جاں بازی کا میں کس سے کہوں جس سے کہتی ہوں وہ ہی ہنستا ہے
جان و دل بیچتے ہیں ہم اپنا ایک بوسے پہ لے لو! سستا ہے

جانی

جانیؔ تخلص، بیگم جان نام، نواب قمر الدین خاں صاحب مرحوم کی دختر نیک اختر کا تھا جو بیگماتِ اَوَدھ میں بہو بیگم کے خطاب سے سرفراز تھی اور سب سے ممتاز تھی۔ مشہور ہے کہ بہ حالتِ بیماری آپ کی عیادت کو ہم دم نامی خواجہ سرا آیا، آپ نے یہ شعر سُنایا:

کیا پوچھتا ہے ہم دم! اِس جسمِ ناتواں کی؟ رگ رگ میں نیشِ غم ہے، کہیے کہاں کہاں کی؟

بہار میں ان کی نسبت ایک لطیفہ لکھا ہے جس میں یہ شعر درج ہے۔ (تنبیہ: تیسری دفعہ کی چھپی ہوئی بہار میں یہ چٹکلہ نہیں رہا):

نہیں پیکاں پہ جوہر ہے یہ نامہ تیر پر لکھا اشارہ قتل کا میرے یہ کس تقصیر پر لکھا؟

مگر دراصل یہ شعر سوداؔ کا ہے۔ اسی سبب سے میں نے وہ چٹکلہ نہیں لکھا:

بیاں میں کس سے کروں جا کے اب گلہ دل کا یہ دل کا دل ہی میں ہوئے گا فیصلہ دل کا[۱۳۶]

....

دل جس سے لگایا، وہ ہوا دشمنِ جانی کچھ دل کا لگانا ہی ہمیں راس نہ آیا

....

نہیں ٹانکے مرے زخمِ جگر پہ یہ اُس کا خندۂ دنداں نما ہے
نہیں ٹلتی کسی عنوان سر سے شبِ غم بھی کوئی کالی بلا ہے
دہاں پر تیرے تھا ہم کو توہّم یہ ہم کو آج ہی عقدہ کھلا ہے

جعفری

جعفریؔ تخلص، عارفہ کاملہ بیگم نام، شاگردہ شاہ نصیرؔ دہلوی مرحوم کی تھی، جو اکبر شاہ ثانی کے عہدِ دولت میں اس طرح سخن سرا تھی:

ساقیا! مجھ کو ترا ساغر پلانا یاد ہے[۱۳۷] کلمۂ لَاتَقْنَطُوْا سے دل چھکانا یاد ہے

....

تصورِ اُس صنم کا دل میں لائے جس کا جی چاہے ہماری بات سُن کر آزمائے جس کا جی چاہے

محبت کے محل میں عاشقِ جاں باز رہتا ہے نہیں خالہ کا گھر اس میں جو آئے جس کا جی چاہے
کہا منصور نے سُولی پہ چڑھ کر عشق بازوں سے "یہ اُس کے بام کا زینہ ہے، آئے! جس کا جی چاہے"
غرورِ حُسن پر ہم سے وہ ناحق جھانجھ کرتا ہے یہ نوبت چند روزہ ہے، بجائے جس کا جی چاہے

جمعیت

جمعیت تخلص اور نام ہے ایک عیسائی عورت کا، جس کی والدہ یا نانی ہندوستانی اور باپ انگریز تھا۔ میجر آر جسٹن صاحب بہادر سے اُس کی شادی ہوئی۔ پس، ہر طرح کے غم و اَلم سے اُس کو آزادی ہوئی۔ اُس کی بیٹیاں بھی صاحبانِ عالی شان سے منسوب ہیں۔ اِن میم صاحبہ کے اشعار آگرہ کے گویّوں کو مرغوب ہیں۔ سُنا ہے کہ علمِ موسیقی میں بھی اُس کو کمال ہے، آگرہ میں بالفعل یہ صاحبِ اقبال ہے۔ انگریزی داں، فارسی خواں، برج بھاکھا میں ہولیاں، دادرے، وغیرہ بناتی ہے، زبانِ اُردو میں یوں اشعار سُناتی ہے:

روٹھا ہے ہمارا جو وہ دل بر کئی دن سے اس واسطے رہتی ہوں میں مضطر کئی دن سے
مقسوم کی خوبی ہے یہ قسمت کا ہے احساں رہتا ہے خفا مجھ سے جو دل بر کئی دن سے

....

خدا کے رُوبرو جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے کوئی نیکی نہ بن آئی اُسی کی شرم ساری ہے

جینا

جینا تخلص، جینا بیگم نام، بنتِ مرزا بابر، محلِ خاص میرزا جہاں دار شاہ شاگردِ میرزا رفیع السّودا۔ دہلی کی خوش گپ تھی۔ اچھے شعر کہتی تھی:

یا الٰہی! یہ کس سے کام پڑا دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا

....

روٹھنے کا عبث بہانہ تھا مدعا، تم کو یاں نہ آنا تھا

....

یہ کس کی آتشِ غم نے جگر جلایا ہے؟ کہ تا فلک مرے شعلے نے سر اُٹھایا ہے

ڈبڈبائی آنکھ، آنسو تھم رہے کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسّر کیا جانیے کس ساعتِ بد آنکھ لگی تھی

نہ دل کو صبر نہ جی کو قرار رہتا ہے تمھارے آنے کا بت انتظار رہتا ہے

جیم عجمی کی ردیف

چنؔدا

چنؔدا دکنی کا حال یوں تحریر ہے، اُردو زبان میں سب سے پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ کے بیان میں یہ تقریر ہے:

(کیا خدا کی قدرت ہے، یہ بھی ایک بیانِ ندرت ہے، جاے عبرت ہے، دلّی والوں کے واسطے مقامِ غیرت ہے۔ اس بات کو سب جانتے ہیں، ادنا سے اعلا تک مانتے ہیں کہ زبانِ ریختہ اُردو خاص دلّی والوں کی میراث ہے۔(۱۵۸) یہ مقولہ زبان زدِ خاص و عام ہے، کیوں کہ اس زبان کا منبع و مخرج اُردو بازار، واقعِ شہر شاہ جہاں آباد ہے، جس کی بولی سے ہر ایک کا دل شاد ہے۔ لاَ، جو کہ اس شہر کی تعمیر سے پہلے بھی کسی قدر الفاظ ترکی، عربی، فارسی اور ہندی کے ملے جُلے بولے جاتے تھے مگر وہ بھی شاہانِ اسلام کے لشکر، علی الخصوص دارالخلافہ میں، جو اکثر اسی شہرِ کرامت بحر کے قرب و جوار میں رہا ہے۔ مثلاً کلوکھڑی، تغلق آباد، وغیرہ۔ پس، بندہ نے اپنے تذکرۂ شعراے دکنی مسمّا بہ گلدستۂ نادر الاذکار میں، جس میں تذکرے کے علاوہ قواعدِ علومِ مختلفہ متعلقۂ شعر کا بیان بھی صاف صاف اُردو ہی میں مع امثلہ درج کیا ہے، یہ خوبی ثابت کر دیا ہے کہ اشعارِ اُردو کی اکثر صنف کا موجد امیر خسؔرو دہلوی ہے، پر وہ اس زبان کا صاحبِ دیوان نہیں ہے، بل کہ اس بیت کا پہلا معمار ولی دکنی،

عالم گیر بادشاہ کے وقت میں پیدا ہوا ہے (۱۵۹)۔ اسی طرح تذکرۂ حکیم قاسم سے ثابت ہوا کہ عورتوں میں بھی سب سے پہلے اِسی عورت نے اُردو زبان کا دیوان فراہم کیا۔

اگرچہ اس سے پہلے بعض بعض نے شعر گوئی پر مبادرت کی، الّا، صاحب دیوان نہ ہوئی۔ مزید برآں یہ کہ ولی دکنی معروف و مشہور موجدِ شعرِ اُردو (۱۶۰)، عالم گیر اوّل کے زمانے میں موجود تھا تو چندا رنڈی دکنی نے بھی عالم گیر ثانی کے عہد میں یہ فخر پایا کہ عورات میں سب سے پہلے صاحب دیوان کہلائی، یعنی اس فن میں، جس کا چرچا عالم گیر ہوا، وہ عالم گیر ہی کے زمانے میں پیدا ہوا۔

لطیفہ: کیا اللہ جلِّ شانہٗ کی شانِ بے پایاں اس بیان میں جلوہ کناں ہے کہ اُس خالقِ مطلق نے جس قدر فرق مرد اور عورت کی خلقت میں رکھا ہے، اُس کا جلوہ یہاں بھی دکھایا ہے۔ ولی، جو مرد تھا، اُس شاہنشاہ کے عہدِ سلطنت میں پیدا ہوا جو درحقیقت عالم گیر تھا، اور چندا کو، جو عورت تھی، اُس وقت میں ظاہر فرمایا کہ جو زمانہ برائے نام عالم گیری کہلاتا تھا۔ غرض یہ کہ اس موقع پر بھی مذکر و مونث کا تفاوت قائم رکھا)۔

حکیم صاحب کا فرمودہ ہے کہ یہ رقاصۂ خوش اندام، مہ لقا نام، حیدرآبادی، عورت بازاری تھی اور بڑی مال دار گنی جاتی تھی۔ قریب پان سو آدمی کے سپاہی وغیرہ اس کے نوکر تھے، اکثر شاعر اس کے ثنا گستر تھے، اور کیوں نہ ہوتے کہ جو اُس کی مدح طرازی کرتا، صلۂ معقول سے اپنی مراد کا دامن بھرتا۔ اُس کو ورزش اور پہلوانی کا بھی نہایت شوق تھا، گھوڑے کی سواری کا کمال ذوق تھا۔ سوار ہو کر اس قدر آسن جماتی تھی کہ جولان گاہ میں اچھے اچھے چابک سواروں کا قافیہ تنگ کرتی تھی، شہ سواروں کا بخیہ اُدھیڑتی تھی، تیر اندازی کے میدان میں اپنا ہم ردیف نہ رکھتی تھی۔ الحاصل، یہ شاعرہ جامع کمالاتِ ظاہری تھی، چشمۂ فیوضاتِ باہری تھی۔ شیر محمد خاں متخلص بہ ایمان کی شاگردی سے صاحب دیوان ہوگئی، گویا ولی کے ہم عنان ہوگئی۔ تمت مفاد کلامہ۔

ہیچ مداں نے اُس کے اُستاد کے نام سے پتا لگایا ہے کہ یہ شاعرہ ارسطو جاہ صوبہ دار صوبہ دکن کے وقت میں موجود تھی اور وہ عالم گیر ثانی کا زمانہ تھا۔

طبقات الشعرا (۱۶۱) سے دریافت ہوا کہ سنہ ۱۱۹۹ھ میں اس یکتائے زمانہ نے اپنا دیوان

کسی مجرے گاہ میں، ایک صاحب ذی شان، عالی خاندان انگریز بہادر کو نذر دیا تھا جو سرکار کمپنی بہادر کے کتب خانہ موجودہ شہر لندن میں رکھا گیا (۱۶۲) مگر افسوس! کہ اُس کے کلام سے صرف یہی ایک شعر اکثر تذکروں میں دیکھا گیا، اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اخترِ تاباں سے ظاہر ہوا کہ چندا اُس کا نام اور مہ لقا تخلّص تھا۔ اُس کی وفات کے بعد کئی من سونا چاندی اور بہت سا جواہر، اس کی نوچیوں نے باہم تقسیم کیا، اور یہ عورت فارسی کے شعر بھی کہتی تھی (۱۶۳):

اخلاق سے تو اپنے واقف جہان ہے گا پر آپ کو غلط کچھ اُب تک گمان ہے گا

چھوٹے صاحب (۱۶۴)

چھوٹے صاحب نامی کوئی لکھنؤ کی شاہدِ بازاری، دربارِ اَوَدھ کی نوکر کا مطلع لاحقہ ایک مہربان کی بیاض سے نقل کیا گیا:

یار میرے ہاتھ آیا اس قدر چالاک ہے جس کی چالاکی کے آگے برق بھی غم ناک ہے

حائے حطّی کی ردیف

حاتم

حاتم تخلّص کسی پردہ نشیں، نجلۂ عصمت، دہلوی کا ہے۔ جس کے دو شعر ہاتھ آئے:

مجھ کو کدورتوں سے ملاؤ گے خاک میں کہہ دیجیے جو آپ کے دل میں غبار ہو
دشمن کا شکوہ تم نہیں سنتے، نہیں سہی میرا ہی غم سنو! نہ اگر ناگوار ہو

حبیب

حبیب تخلّص کسی پردہ نشیں، خواندہ، پاک دامنہ مرحومہ دہلوی کا ہے۔ جس نے غدر سے پہلے

اپنے چچا مقیم نابھہ کو یہ شعر موزوں فرما کے لکھا تھا:

رکھیں ہم نے باریک بٹ کر بٹیاں چچا! آ کے نابھا سے چٹ کر بٹیاں!

حجاب

حجاب تخلص، بی جان نام، سکنہ ہاپوڑ (۱۶۵) ضلع میرٹھ، مقیم بنارس کا صرف ایک شعر ہاتھ آیا، اور کچھ احوال نہ کھلا:

نکلے نہ کیوں کر بھلا منہ سے سدا واہ وا! نامِ خدا، اے صنم! تیری ادا، واہ وا!

حجاب

حجاب، یہ دوسری شاعرہ اسی تخلص کی ہے۔ جس کا نام عسکری بیگم ہے۔ یہ عفت پناہ: ملا محمد زمان اصفہانی کی پوتی، محمد علی خاں مسیحا کی شاگردہ، لکھنؤ کی ساکنہ ہے۔ کبھی اپنے مکانِ فیض نشان پر بزمِ مشاعرہ آراستہ فرماتی تھی، اب کسی کے عقدِ نکاح میں ہے مگر ہنوز مشقِ سخن جاری ہے، چناں چہ حال کے مشاعرے میں اس کی غزل پڑھی گئی جو لکھنؤ سے چھپ کر شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک شعر مجھے یاد آ گیا ہے، وہ ہی اس جگہ لکھا گیا:

رات کو آئیں گے ہم صاف معما یہ ہے وعدۂ وصل کیا اس نے دکھا کر گیسو

حجاب

حجاب، یہ تیسری شاعرہ پردۂ پاک دامنی میں محجوب، اپنے میاں کی محبوب ہے۔ یہ عورت دراصل کشمیرن ہے مگر بمبئی میں کسی بھلے مانس کے گھر خیمہ زن ہے۔ فارسی زبان کے شعر بھی کہتی ہے۔ اردو میں یوں بولتی ہے:

کیا جانے بھلا لذت دیدار کو اپنی جب تک کوئی بادیدۂ خوں بار نہ ہووے

حجاب

حجابؔ، یہ چوتھی نقاب پوش ہے جو بہ غایت ذی ہوش ہے۔ عالمؔ تخلص، نواب بادشاہ محل صاحبہ، منکوحۂ واجد علی شاہ صاحب اختر کا دیوان جو نظر سے گذرا تو اُس میں ایک خمسہ اِس کے نام کا بھی دکھائی دیا جس کا مقطع یہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تضمین کا ڈھنگ بھی اچھا ہے:

کہیں کیا اے حجابؔ! آخر یہ دیکھا آنکھ سے ہم نے　　کیا طوفاں بپا بحرِ سرشکِ چشمِ پُرنم نے
اُڑا دی نیند اُس کی جب فراقِ یار کے غم نے　　گزاری رات ساری تارے ہی گن گن کے عالمؔ نے
ہوا شب کو جو دھوکا اپنے اخترؔ کا ستاروں میں

حجاب

حجابؔ تخلص، نواب بیگم نام، عرف چھوٹی بیگم، دُخترِ داروغہ اعظم علی خاں فرزندِ نواب معتمد الدولہ بہادر برادرِ شاہ غازی الدین حیدر بادشاہِ اَودھ۔ سنہ ۱۲۵۹ ہجری [مطابق ۱۸۷۸ء] میں پیدا ہوئی۔ اُس کا دیوان چھپ گیا ہے۔ یہ شعر ایک مہربان کی تحریر سے لکھا جاتا ہے اور میرا قیاس چاہتا ہے کہ حجابؔ مذکورہ بالا شاید یہی ہو۔ اسی سبب سے میں نے اس کو پانچویں حجابؔ نہیں قرار دیا۔

[بے شک یہ مقولہ درست ہے۔ اِس کا دیوان، مطبوعہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری [مطابق ۱۸۷۳ء]، جو اُس کی حینِ حیات چھپا تھا (اُس میں آٹھ بحروں کے مختلف اوزانِ سالم و مزاحف مستعمل ہیں، ایک سو پانچ (۱۰۵) غزلیں، تین قطعے، تین رباعی، چار خمسے مع خمسۂ متذکرہ، ایک ترجیع بند، ایک تاریخِ دیوان کہ جس کا "تحریرِ عاشق" ۱۲۸۹ھ۔ مطابق ۱۸۷۲ء] نامِ تاریخی ہے، دوسری تاریخ اپنے پیدا ہونے کی لکھی ہے)، بندے کی نظر سے گزرا۔ نہایت عمدہ، قابلِ دید ہے۔][۱۲۶]

بن کے تصویر، حجابؔ! اُس کو سراپا دیکھو　　منہ سے بولو نہ کچھ آنکھوں سے تماشا دیکھو!

حُسن

حُسنؔ تخلص، وزیر جان نام، بنتِ گوہر جان، ساکن پاتا نالہ واقع لکھنؤ کی ایک غزل بہ سبیلِ

ڈاک ایک عنایت فرما کی معرفت آئی اور بجنسہٖ درج ہوئی۔ اُس کے اَور احوال سے بندہ بے خبر ہے:

اے زلیخا! ناز تجھ کو حسنِ یوسف پر ہوا دیکھ دل بر کو مرے جو نفسِ پیغمبر ہوا
بوسۂ اَبرو اگر مانگا، خفا دل بر ہوا شکلِ ماہِ نو خمیدہ وہ مہِ انور ہوا
پہلے وہ چشمِ عنایت اب یہ آئیں کیوں حضور وہ ستم کیوں کر سہے جو لطف کا خوگر ہوا
نالۂ سوزاں جو کھینچے روکے میں نے ہجر میں رشک سے بجلی جلی، شرمندہ ابرِ تر ہوا
وہ مریضِ غم ہوں میں جس کو دوا آئی نہ راس سر پہ جب صندل لگایا اَور دردِ سر ہوا
جب کہا میں نے مجھے عشقِ دلی ہے آپ سے ہنس کے فرمایا کہ "ہاں، سچ ہے! مجھے باور ہوا"
وصل کی شب بھی نہ باز آیا شرارت سے وہ شوخ مسکرا کر پھیر لی کروٹ ستم ہم پر ہوا
خُلد میں لُوٹے گا بے شبہہ وہ حوروں سے مزے حسنؔ! دنیا میں جو مستِ بادۂ کوثر ہوا

حشمتؔ

حشمتؔ تخلّص، مہر جان نام، شاگردۂ سیّد احمد معروف بہ چھوٹے صاحب متخلّص بہ نگہتؔ، مقیمِ پہاڑ گنج متصل دہلی، اس طرح سخن سرا ہے:

منہ کہیں پھرتا ہے، اے قاتل! تری تلوار کا خون بہ جائے نہ جب تک بے گنہ دو چار کا

حوؔر

حوؔر، اِس تخلّص کی دو عورتوں کا کلام ہاتھ آیا ہے، گویا اس کتاب میں حورین نے جلوہ ظہور فرمایا ہے۔

ازاں جملہ ایک بستی بیگم نامی دلّی میں کوئی خانگی بستی ہے جو ریختی میں معاملہ بندی کا ڈھنگ اس خوبی سے برتتی ہے:

باغ میں جاؤ گے کب؟ کیوں جی جہاں گیر! کہو! تم نے ٹھیرائی ہے جو مجھ سے وہ تدبیر کہو!
اپنے خواہندوں کو ان سب نے کیا دیوانہ نہ مجھے شیریں، نہ لیلیٰ، نہ ملا گیر کہو[۴۴]

حور

حور، یہ حورِ ثانی، منا جاں نامی، شاگردہ محمد رضا المتخلص بہ طور، بازار لکھنؤ کی کوئی شیریں ادا ہے، اس کا کلام بھی بامزہ ہے:

جو پہنا پاؤں میں سونے کا توڑا، اے پری! تُو نے مسلسل پاے دیوانہ ہوا زنجیرِ آہن سے
بدی کی جس نے ہم سے ہم نے اُس کے ساتھ نیکی کی ہماری خُو ہے یہ، ہم دوستی کرتے ہیں دشمن سے

حیا

حیا تخلص اور حیات النسا بیگم نام، معروف بہ بھورا بیگم، بنتِ شاہ عالم ثانی، شاگردہ شاہ نصیر صاحب مرحوم کی، شاعرۂ بے نظیرہ، دہلوی تھی۔ غدر سے پہلے بہ حالتِ ناکت خدائی کبر سنی میں اس پاک دامنہ نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اس پارسا کا صرف ایک ہی شعر ملا:

نہ کیوں حیرت ہو یارب! وہ زمانہ آ گیا ناقص حیا ڈھونڈے نہیں ملتی برائے نام سو سو کوس

حیا

حیا، یہ وہ صاحب حیا ہے جو پارسا مسطورہ ردیف پے کی چھوٹی بہن ہے۔

تنبیہ : اب بہار آرا کی بہار دیکھیے، نئے تذکرہ نویس کی گل کاریوں کا گل زار دیکھیے۔ پہلے تو حضرت سلامت اِس کو صاحب دیوان سمجھے اور دیوانِ مطبوعہ کے شعروں سے دو صفحے کے قریب سیاہ کیے، پھر ترمیم کے وقت اُس کی خوب ہی ترمیم کی۔ نہ وہ کلام رکھا، نہ اُس کو صاحب دیوان لکھا، بل کہ صرف یہ پانچ شعر اُس کے نام پر رہنے دیے، باقی سب اُڑا دیے:

نہ سُنیے گا کبھی بھولے سے بھی قصہ محبت کا اُڑا دیتی ہے نیند، اُلٹا اثر ہے اس کہانی کا

....

آج صیادِ ستم پیشہ نے کیا گل کترے دُور لے جا کے چمن سے پرِ بلبل کترے

....

دل صاف چرایا مرا کیا تیری نگہ نے اس بات پہ شاہد تری دُزدیدہ نظر ہے

....

بن گئی کان کی بالی تلک اُن کی بجلی گرمیِ حُسن غضب، روے غضب ناک میں ہے
دل میں اِک بوند تو رہنے دے لہو کی میرے (۱۶۹) چشمِ خوں بار! ترے ہاتھ سے دم ناک میں ہے

عرض بے غرض یہ ہے کہ شاید پہلی دفعہ حضرت کو حیاؔ کا دیوانِ ناقص ہاتھ آ گیا ہوگا جو اوّل آخر سے کم ہوگا۔ پس، اُس میں صاحبِ دیوان کا نام کہاں سے ملتا۔ حضور نے اُس کو حیات النسا کا کلام خیال فرمایا مگر درحقیقت وہ دیوان میرزا رحیم الدین صاحب حیاؔ خلف میرزا کریم الدین صاحب شہزادۂ والا تبار کا ہے، چناں چہ اشعارِ مندرجہ ذیل مرقومۂ بہار، اوّل — تذکرۂ گلستانِ سخن ہی میں دیکھ لو اور سمجھ لو کہ کس کا کلام قابلِ اعتبار ہے:

رونا کہاں ہوا مجھے دل کھول کر نصیب دو آنسوؤں میں نوحؑ کا طوفان آ گیا (۱۷۰)

....

یہ ناتواں ہوں کہ آیا نظر نہ مَوت کو میں قضا پھری مرے بستر کے گرد ساری رات
جگر وہ کیا کہ نہ ہو چاک دن میں سو سو بار وہ دل ہی کیا، نہ رہے جس کو بے قراری رات

....

اُلٹی چھری سے ایک تو کاٹا گلا مرا تڑپا جو میں تو اَور وہ اُلٹے خفا ہوئے
توبہ دھری رہی جو وہ آ بیٹھے اے حیاؔ! ہے کس کو اعتبار کہ تُم پارسا ہوئے

الحاصل، بہارستانِ ناز بلاترمیم و ترمیم شدہ اور گلستانِ سخن اور حیاؔ موصوف کا دیوان، چاروں کتابیں روبرو ہوں تو اس بیان کی تصدیق ہو۔ مجھے کسی سے تعرّض نہیں ہے، صرف اِطلاعاً سامعہ خراشی (۱۷۱) کی ہے۔

تنبیہ: تیسری دفعہ جو بہار چھپی ہے، تو پہلی بہار کا پہلا شعر اس شاعرہ کے نام پر پھر لکھ دیا ہے۔ وھوہٰذا:

ہے موتیوں کے ہار میں پَرتَو نگار کا آبِ گُہر میں عکس نہاتا ہے یار کا

اگر حضور پوری غزل ہے، مشتہرۂ دفعۂ اوّل درج فرماتے تو کیا کوئی مانع تھا؟ (۱۷۲) واللہ اعلم! اس خاص مطلع کے لکھنے کا کیا سبب ہوا ہے۔

حیدریؔ

حیدریؔ تخلص، حیدری خانم نام، زوجۂ بشارت اللہ خاں، خواصِ شاہِ دہلی۔ غدر سے پہلے ستر برس کی عمر میں عالمِ جاودانی کو سدھاری، یہ ہے اُس کی یادگاری:

حیدریؔ! نام ہے ترا کیا خوب! جو کہ تجھ سے پھرا وہ حیدر سے

خامعجمہ کی ردیف

خاکساریؔ

خاکساریؔ، سُنا ہے کہ کوئی پردہ نشینِ سرادقِ عصمت، دلّی میں کشمیری دروازے کے قریب رہتی ہے، اپنے نام کو اپنے جمال کی طرح حجابِ عفت ہی میں پنہاں رکھتی ہے۔ صرف ایک یہی شعر اُس کا ملا ہے:

لکھا نصیب کا کوئی مٹا نہیں سکتا کسی کے درد کو ہم دم بٹا نہیں سکتا

خفیؔ

خفیؔ تخلص، بادشاہ بیگم بنتِ چھوٹی بیگم کا ہے جن کا ڈیرا دلّی میں یوسف والیوں کے نام سے مشہور ہے۔ سُنا ہے کہ یہ شاعرہ، محمد یوسف سادہ کار کشمیری کی نواسی ہے اور بلاک صاحب بہادر سے پیدا ہوئی ہے۔ پیشۂ مادری کو چھوڑ کر کسی انگریز ہی سے منسوب ہے مگر صاحب بہادر کو نامرغوب ہے۔ زبانِ انگریزی سے بہرہ ور، فارسی خوانی وخوش خطی میں صاحب ہُنر ہے۔ میں نے اُس کے ہاتھ کی تحریر، بخطِ انگریزی و فارسی جلی قلم کی، دیکھی ہے۔ سبحان اللہ! کیا خوب لکھتی ہے۔ خاص خاص مردوں کو اصلاح بھی دیتی ہے۔ بالفعل یہ شاعرہ یہاں موجود نہیں ہے۔ مجبور، اس کا کلام بہار ہی سے نقل کرتا ہوں:

خود شوقِ اسیری سے پھنسے دام میں صیاد! شرمندہ ترے ایک بھی دانے کے نہیں ہم

....

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں ہم سے وہ بے وفائی کرتے ہیں
اے خفیؔ! اپنے اشکِ بے تاثیر مفت میں جگ ہنسائی کرتے ہیں

خورشید

خورشید نامی کوئی سیّد زادی دہلوی، عصمت پناہ، علومِ ضروری سے آگاہ، ناکدخدا، مرثیہ خوانی میں یکتا ہے، جس کا صرف ایک شعر سُنا گیا۔ اِلّا، مجھے اس میں بھی کلام ہے کہ یہ اُسی کا کلام ہے۔ وھوہٰذا:

اے جذبۂ دل! کیوں کہ اجازت دوں میں تجھ کو ہے سخت کشش تیری، وہ ایسا نہ ہو ڈر جائے

دال مہملہ کی ردیف

دلبرؔ

دلبرؔ تخلص، چھوٹی بیگم نام، اکبر آبادی یا حیدر آبادی کوئی رنڈی تھی جس کی تحریر تذکرہ نویسوں نے اس انداز کی لکھ رکھی ہے۔ اِلّا، اَور کچھ حقیقت نہیں کھلی:

ہر روز جو تم روٹھ کے تیوری ہو بدلتے بے جا تو ہمیں ناز اُٹھانا نہیں آتا

....

قسمت میں ہماری نہ ہوا، ہائے، صد افسوس! اِک روز لپٹ کر شبِ مہتاب میں سونا

....

جو اِک دن آپ پھر تشریف لائیں رقیبوں کے گِلے تم سے کہوں سب

....

دل ہمیں دو چار دن گر اپنا دو تم مستعار اُس کو سکھلائیں وفا ایسی کہ ہووے بے قرار

....

ہے چوکھٹ آپ کی اور سر ہمارا قیامت تک یہیں ٹکرائیں گے ہم

اپنے آنے کی جو سناتے ہو شیخی ناحق یہ تم جتاتے ہو
اس پہ قسمیں جو تم یہ کھاتے ہو مدعا یہ کہ دل لبھاتے ہو (۱۷۳)
لفظِ رخصت زباں پہ لاتے ہو جان کو میری تم گھٹاتے ہو
رات کو گاہ گاہ آتے ہو اپنے کشتے کو آ جلاتے ہو

دلبر مجھے اس واسطے لگتی ہے یہ سب خلق تا تجھ کو تو دل بری سمجھ کر کبھی آئے

دلھن

دلھن تخلص، دلھن بیگم نام، مشہور بہ نواب بہو، صبیۂ نواب انتظام الدولہ، زوجۂ نواب آصف الدولہ بہادر مرحوم والیِ اودھ، کا ہے جو سراپا سخن کی تیاری کے وقت فیض آباد میں رونق افروز تھیں، پارسا سیرت، مردانہ طبیعت رکھتی تھیں۔ یہ شعر اس شاعرہ کے مشہور ہیں، تذکروں میں مسطور ہیں:

بیاں میں کس سے کروں جاکے اب گلہ دل کا[۱۷۳] یہ دل کا دل ہی میں ہووے گا فیصلہ دل کا
بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں مثال لالہ کے دل داغ دار رکھتے ہیں

ایسے کم ظرف نہیں ہیں جو بہکتے جائیں ☆☆ گل کی مانند جدھر جائیں مہکتے جائیں

مت کرو فکر عمارت کی کوئی زیرِ فلک خانۂ دل جو گرا ہو، اُسے تعمیر کرو!

دن کٹا فریاد سے اور رات زاری سے کٹی عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

دیکھ دریا کو مرے دل پہ یہ لہر آتی ہے کشتیِ عمر یہ افسوس! بہی جاتی ہے

☆☆ چوتھے و پانچویں شعر جوابیہ ہیں، یعنی نواب آصف الدولہ بہادر کے ان شعروں کے جواب ہیں: (۱۷۴)

ساقیا! مے سے چھکا دے کہ بھکتے جاویں برق کی طرح جدھر جاویں لپکتے جاویں

....

جہاں میں جہاں تک جگہ پایئے عمارت بناتے چلے جایئے(۱۷۵)

دال مثقلہ ہندی کی ردیف

ڈھبؔ

ڈھبؔ تخلص، مُہراں نام، نازک بدن، خوش اندام، خوب صورت، نیک سیرت' نیکو افعال، سترہ اٹھارہ برس کا سن وسال، بقولِ حسنؔ۔ مصرع: جوانی کی راتیں مُرادوں کے دن نشۂ حُسن میں سرشار مگر ہنوز لذائذِ دنیوی سے مہجور و بر کنار کوئی ہندنی پردہ نشیں یوں شکر شکن سنی گئی ہے۔ گو حرف آشنا نہیں مگر ہم سایہ کے موزوں طبعوں کے فیض سے ایسی ہو گئی ہے کہ معاملہ بندی میں گاہ گاہ بول اُٹھتی ہے۔

[کس قیامت کا حسن پایا تھا، آپ اللہ نے بنایا تھا۔ افسوس! کہ نومبر سنہ ۱۹۰۲ء کو یہ وفا شعار، نیک کردار اِس دارِ ناپائدار سے رخصت ہوئی۔ مجھے اُس سے دلی پاک محبت تھی۔ یہ پاک دامن بھی بہ نظرِ اُلفت دیکھا کرتی تھی:

ملتا اُس شوخ سے تھا میں سرِ راہے گاہے کرتا تھا وہ بھی تو کچھ مجھ پہ نگاہے گاہے

اُس کی شان میں مَیں نے یہ شعر کہا تھا:

تجھ کو ہے مانع حیا اور مجھ کو مانع ننگ ہے پر جدائی تیری ظالم! دل پہ میرے سنگ ہے

اب اس کی وفاتِ حسرت سمات پر یہ تاریخ تحریر کی ہے:

گئی مہراں جو اس دنیا سے یارو! بہ سوے دارِ عقبیٰ ناگہانی
ہوس کی رُو سے نادر نے کہا یوں "چراغ اُنس تھی وہ آں جہانی"

۵ [+ ۱۳۱۵] سنہ ۱۳۲۰ نبوی] (۱۷۶) [مطابق ۱۹۰۲ء]

یہ کلام اُس کا اِس تذکرہ میں برائے یادگار درج ہوا:

بے ڈھب لگی ہے دل پہ محبت کی تیرے چوٹ ڈھب بن گیا تو آئیں گے، دل اپنا مت کڑھا

ذال نقطہ دار کی ردیف

ذلیل

ذلیل تخلص کسی کنیز باتمیز کا تھا جو میرزا سلیمان شکوہ بہادر کی غلامی میں تھی۔ گو اُس کا نام نوبہار تھا مگر تخلص کی رعایت سے اشعارِ فحش ریختی زبان کے کہتی تھی۔ دو شعر اُس کے تذکرہ لکھے جاتے ہیں:

اپنے کرتوت پہ جس دم کہ میں آجاتی ہوں میں فرشتے کی بھی سُنتی نہیں، ناصح کیا ہے

....

ہم سی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو تُم سے اللہ رکھے اپنی اماں میں! تُم تو

را بے نقطہ کی ردیف

راویہ

راویہ، دلّی میں سیتارام کے بازار کی طرف کوئی چھپی بیٹی اس تخلص سے اپنا رنگ چمکاتی ہے مگر اُس کے کلام میں شوخی کم پائی جاتی ہے۔ شاید اُس کو کوئی پورا اُستاد نہیں ملا جو اُس کا کلام پھیکا رہا:

تنبیہ: بعد انطباعِ رسالہ ہٰذا تحقیق ہوا کہ یہ شاعرہ دراصل شیخ زادی، کسی ڈاکٹر کی بیٹی ہے اور اس کا نام رابعہ ہے۔ اب اس کی عمر ۳۶ برس کی ہوئی۔ کسی حکیم صاحب کے عقدِ نکاح میں منعقد ہے۔ انگریزی ڈھنگ کا کشیدہ، وغیرہ خوب بناتی ہے:

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہ ہوتا دل عشق کے صدموں سے خبردار نہ ہوتا

....

دے اپنی محبت مجھے، اے بارِ خدایا! کر دُور دلِ زار کا آزار خدایا!

....

الٰہی! سب گنہ سے پاک کر کر مجھے لے جائیو جنّت کے در پر

رعنائی

رعنائی تخلص، قدسیہ بیگم نام کا ہے:

تھی طرح دار آپ بھی لیکن رہ نہ سکتی تھی اچھی صورت بن

اس کا صرف ایک شعر ہاتھ آیا، اور کچھ حال نہ کھلا:

میں جانتی تھی آنکھ لگی، دل کو سُکھ ہوا کم بخت کیسی آنکھ لگی، اور دُکھ ہوا

زا منقوطہ کی ردیف

زُہرہ

زُہرہ، اب تک اس تخلص کی پانچ سحر بیانوں کا کلامِ جادو انضمام ہاتھ آیا ہے۔

ازاں جملہ ایک شاہ دہلی کی گائنوں میں کوئی عورت نصیبن نامی تھی جس کو زُہرہ کا خطاب ملا۔ اُس نے اُسی کو تخلص مقرر کیا۔ قبل از غدر یہ شاعرہ موجود تھی:

بوسہ دیں گے نہ وہ تجھے زُہرہ! منہ لگاتا ہے کون سائل کو

....

دل کھیے میں ہو تو کاہے کو کوئی بے تاب ہو ساغرِ خوں کس لیے یہ دیدۂ پُر آب ہو

باغ ہو، آبِ رواں ہو اور شب مہ تاب ہو ساقیِ مہ وش ہو، مے ہو، جلسۂ احباب ہو

زُہرہ

دوسری کوئی انبالہ کی محبوبۂ بازاری ہے جو غدر کے بعد دہلی میں بھی آئی تھی۔ اُس کی غزل ایک شفیق نے بندے کو عطا کی ہے:

آؤ جی آؤ! خدا کے واسطے!		رحم فرماؤ! خدا کے واسطے!
زُلفیں سلجھاؤ! خدا کے واسطے!		جی نہ اُلجھاؤ! خدا کے واسطے!
یہ تمھارا جاں نثار اب مر چلا		دیکھتے جاؤ! خدا کے واسطے!
جب گئے گھر اُن کے تو کہنے لگے:		"جاؤ جی جاؤ! خدا کے واسطے!"
جان جاتی ہے تمھارے ہجر میں		اب لپٹ جاؤ! خدا کے واسطے!
غیر سے مل کر نہ چار آنکھیں کرو!		کچھ تو شرماؤ! خدا کے واسطے!
چال مٹکائی کی اے جاں! مت چلو!		راہ پر آؤ! خدا کے واسطے!
لو وہ آتے ہیں، کوئی کہتا نہیں:		"اب نہ گھبراؤ! خدا کے واسطے!"
کیوں ہو زُہرہ سے خفا، اے ماہ رُو؟		کچھ تو جتلاؤ! خدا کے واسطے!

زُہرہ

تیسری منّی جان نامی کشمیرن، مقیمِ کلکتہ، شاہدِ بازاری، شاگرد مولوی عبدالغفور خاں صاحب نسّاخ صاحب تذکرۂ سخنِ شعرا، یوں محفل سرد و گرم کرتی تھی:

کیا کسی مہ وش کا زُہرہ! اس کو بھی ہے انتظار		دیدۂ عاشق کی صورت ہے جو بیدار آئنہ (۱۷۷)

زُہرہ

چوتھی مسمّاۃ لطیفن طوائف، کرنال سے تھی جو شاگردۂ جناب تقدّس مآب مولوی ظہور علی صاحب المتخلص بہ ظہور مغفور دہلوی کہ ضلع سکول ریواڑی کے مدرّسِ اوّل فارسی تھے (۱۷۸)، ہے۔ غرض یہ کہ اس شاعرہ کا حال ایک مہربان، کرنال سے یوں ارقام فرماتے ہیں:

"زہرہ تخلص، لطیف جان نام، ماہ جمال، مہر تمثال۔ فارسی مع قواعد جانتی تھی اور اُردو کے فقراتِ رنگین و دل چسپ خوب لکھتی تھی۔ فارسی گفت گو بھی بہت صاف، بامحاورہ کرتی تھی۔ الحق، ہزار دو ہزار آدمی میں مستثنا تھی۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں اس تنگ نائے چار آخشیجی سے عالمِ جاودانی کو رہ گرا ہوئی۔" تمت الکلام۔

تاریخ: میرے عنایت فرما مولوی ذوالفقار حسین صاحب غنیؔ دہلوی نے اس شاعرہ کی تاریخِ وفات یوں موزوں فرمائی ہے:

لطیفا آں زنِ علامۂ عصر   شنید ستم کہ مُرد آں ماہِ ثانی
سخن فہم و سخن سنج و سخن ور   بہ مفتوناں نمودے مہربانی
لطیفہ گاہ بذلہ گاہ شعری   چناں می داد دادِ زندگانی
دریغا! آں گُلِ گل زارِ خوبی   دریغا! آں گُلِ باغِ جوانی
بہ "تیزی کوہ" مرگِ اُو کشیدہ   اجل قطعش نمودہ زندگانی
ہزار افسوس! بر تنہائیِ اُو   ہزار افسوس! بر بے خانمانی
بیا مرزاد اُو را رحمتِ حق   مباد اُو را عذابِ آں جہانی
غنیؔ ! می جست از پیرِ خرد سال   ندا آمد "دریغا از جوانی"

۱۲۹۳ھ

الختصر، اُس کا سخن اُس کی لیاقت کا گواہ ہے:

دو پَر تو کیا تھے، ہوتے اگر دو ہزار پَر   پروانہ کرتا شمع پہ سارے نثار پَر

....

وہ رقیب رو سیہ بیٹھا ہے کیا دل بر کے پاس   ہے مگر مار سیہ یارو! یہ گنجِ زر کے پاس
پاس ممسک کے دھرا ہے کیسۂ زر اس طرح   جس طرح پتھر دھرا ہووے کوئی پتھر کے پاس

....

اشکِ غم ہرگز نہ نکلے جب تلک ہووے نہ درد[۱۷۹]   ہے کسی کے غم میں تو آخر یہ گوہر بار شمع

....

نہ بزم میں کوئی دل سوز ہو اگر اپنا   جلے وہ بزم، لگے ایسی انجمن میں آگ

غضب ہے! طعن کیا آج اُس نے، اے زُہرہ! لگے الٰہی! دل و جانِ طعنہ زن میں آگ

زُہرہ

پانچویں زُہرہ تخلّص کا اُمراؤ جان نام ہے، بی چھٹن جس کا عرف اور شہر لکھنؤ میں بہ بازار چوک مقام ہے۔ میرزا آغا علی شمس کی شاگردِ خاص ہے، بل کہ ایک لکھنوی صاحب سے سُنا ہے کہ شمس موصوف کو زُہرہ کی والدہ سے ربط با اختصاص ہے۔ اسی نظر سے اُنھوں نے زُہرہ و مشتری کو اس طرح تعلیم دی ہے۔

امیر اللہ تسلیم کے دیوانِ کُلّیات میں ایک خط فارسی بنامِ زُہرہ و مشتری شائع ہوا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں منہ پھٹ اپنے ایسے شفیق اُستاد سے منحرف بھی ہو گئیں، چناں چہ وہ رُقعہ بجنسہٖ نذرِ احباب ہے۔ اُس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ضرور شمس کو اُن کے گھر میں کسی سے لگاؤ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب:

نامۂ تسلیم بہ زُہرہ و مشتری

عطارد رقم زُہرہ و مشتری بہ اوجِ سخن نوری و انوری
ز مہرِ خداوندِ خورشید و ماہ بمانید بر اوجِ اقبال و جاہ
ز تسلیم آوارہ و خستہ تن بہ سمعِ رضا بشنوید ایں سخن
کہ ایک ز یارِ وفادار خویش شنیدم کہ آں ہر دو فرخندہ کیش
ز آغا علی شمس بر ہم شدند بہ نوعے پریشان و پُرغم شدند
ز منزل گہِ عیش و آرامِ خویش ز ایوان فرخندہ فرجامِ خویش
بہ نامہربانی بروں کردہ اند[۱۸۰] ز تیغِ ستم خوں دروں کردہ اند
ندانم کدامی خطاے برفت کز و بر سرش ایں جفاے برفت
بظاہر بجز لُطف و عیشِ مدام برو ہست ہر نہی منکر حرام
بہ تہذیب و اخلاق نام آورست سخن داں سخن گو سخن پرورست

بہ علمِ بدیع و معانی، بیاں سبق بردہ از شاعرانِ جہاں
شما را بیا موخت شعر و سخن خبرداد از خوب و ناخوبِ فن
بجاں داد تعلیمِ عقل و تمیز بخدمت بسر بُرد عمرِ عزیز
فراموش کردن حقِ اوستاد بود روسیاہی بدارالمعاد
گرفتم کہ رندِ سیہ کار ہست خداوند خود را گنہ گار ہست
غفوریست پروردگارِ جہاں شما را تعصب نہ بہد چناں
گہے فکر باید بہ افعالِ خویش دمے شرم باید ز اعمالِ خویش
ہمہ وقت رقص و سرود و غنا ہمہ شب فسوق و فجور و زنا(۱۸۱)
بجا گفت پیغمبرؐ نیک فال بہ قرآں کجا کرد ایزد حلال؟(۱۸۲)
ز انصاف دور ست نزدِ خرد جفا بر کسے کو بجاں پرورد
شما را بدیں پایہ و اعتبار رسانید شمسِ فلک افتخار
وگرنہ بسے قحبہ در لکھنؤست کرا ایں قدر عزّت و آبروست؟
نہ پُرسد کسے را کسے در جہاں بہ تعظیم و تکریم و نام و نشاں
بنا زید بر خود کہ اندر زمن شمارِ شما ہست در اہلِ فن
بہ دل سوزیِ کو بہ آب و گل ست ز اربابِ معنی مرا حاصل ست
رُخِ صاف . کاغذ سیہ ساختم بہر زہ خیالی بہ پرداختم
دگر من کہ باشم کہ برحالِ کس بہ گستاخ کاری بر آرم نفس؟
چہ من چہ بیانم چہ تقریرِ من ہمہ پوچ تقریر و تحریرِ من

بہرکیف، یہ رنڈیاں نہایت منہ زور مشہور ہیں، اکثر اُردو زبان کے اخباروں میں اُن کے مباحثے مسطور ہیں۔ اچھے اچھے اُستادوں پر طعن کرتی ہیں، شاید تخلّص کے اثر سے آسمان پر پاؤں دھرتی ہیں۔ دیکھو! ایک جھگڑا ان کا اشرف الاخبار، دہلی، مطبوعہ ۱۰ جولائی سنہ ۱۸۶۷ء میں یہ ہے:

''مشفقِ مہربان محمد میرزا خاں[۱۸۳] صاحب اشرف الاخبار دہلی، زادعنایتہ!

بعد اشتیاقِ ملاقات کے یہ عرض ہے کہ آغا علی شمس، جو منطق میں آج کل اپنے سے بہتر کسی کو نہیں جانتے اور ادب و ریاضی و نجوم میں کسی کو نہیں مانتے، اُنھوں نے لکھنؤ میں زہرہ و مشتری، دو رنڈیوں کو علمِ موسیقی و عروض و قافیہ تعلیم کیا ہے اور اُن کو خدمتِ حضراتِ اساتذہ میں گستاخ کردیا ہے، چناں چہ آپ نے اَوَدھ اخبار، نمبر ۲۶ میں اُن کی غزلیں اور باتیں اُستادی منشی حبیب الدین صاحب سوزاں کے جواب میں دیکھیں اور زیارتِ غزل آغا صاحب کی بھی، جو جوابِ اُستاد ـــــ اُستاد مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالبؔ میں لکھی ہے، کی ہوگی اور یقین ہے کہ طبعِ حق پسند و سخن شناس پر حقیقت اُن کی شرافت و اہلیت اور علم و فضل اور سخن فہمی کی کھل گئی ہوگی اور حسرتِ مناظرہ دل سے نکل گئی ہوگی۔

خیر، مختصر یہ ہے کہ ہر چند میں جانتا ہوں کہ آپ کا مذہب صلحِ کُل ہے اور مجادلہ و مناقشہ و مباحثہ سے آپ کو نفرت بالکل ہے لیکن اگر ان سب باتوں سے قطعِ نظر فرما کے میری خاطر سے صرف ان غزلوں کو اپنے اخبار میں طبع فرما دیجیے تو سخن ورانِ حق پسند کو سخن دانیِ آغا معلوم ہو اور حقیقت اُن کی سخن فہمی کی مفہوم۔ فقط!

اور ہاں! حضرت کو زُہرہ و مشتری کی تقریر اور آغا شمس کی تحریر سُنائی اور دِکھائی تھی۔ اُنھوں نے ہنس کر یہ قطعہ انوری کا پڑھا اور یہ بات فرمائی: ''بھائی! کیا کروں؟ مُجھ کو فلکِ بے مہر اور کواکب پسپہر سے لہنا نہیں ہے، مجھ سے ان کا کیا کہنا؟

قطعۂ انوری

نے مرا ہست از فلک بہرہ نے مرا ہست از کواکب فیض

(اس کا دوسرا شعر فحش ہے، اس واسطے درجِ کتاب نہیں ہوا)

الراقم نور محمد خاں عطارد''۔ (۱۸۳)

اِطلاع: یہ کتاب تذکرۃ النسا ہے۔ اس سبب سے غزلوں، متذکرۂ رقعۂ بالا، کو درج نہیں کرتا، صرف زُہرہ ہی کی غزل نقل کرتا ہوں:

حیا سے نہیں وہ جو آنے کے قابل تو ہم خوف سے کب ہیں جانے کے قابل

کرو خون سے میرے تم ہاتھ رنگیں — یہ مہندی ہے صاحب لگانے کے قابل
رہے عمر بھر قیدِ کنجِ قفس میں — کہاں بال و پر ہم ہلانے کے قابل
سکندر کو دی آبرو تم نے صاحب! — ہوا آئنہ منہ دکھانے کے قابل(۱۸۴)
رقیبِ سیَہ رُو کو نامہ نہ لکھو! — وہ حرفِ غلط ہے مٹانے کے قابل
لہو میں ہیں تر شرم سے دستِ مرجاں — نہیں تم سے پنجہ ملانے کے قابل
عبث وصلِ جاناں کے بھوکے ہیں عاشق — غم و رنجِ فرقت ہے کھانے کے قابل
مفصّل کہوں ماجرا حاسدوں کا — جو ہوں جمع سارے زمانے کے قابل
نہ کہہ زُہرہ اُس کی غزل پر غزل تُو! — کہ سوزاں نہیں منہ لگانے کے قابل

فی الجملہ اب وہ اشعار زُہرہ مشتری شعار کے لکھے جاتے ہیں جو بہ سبیلِ ڈاک، خاص اس تذکرے کے واسطے آئے ہیں:

دل میں تجھ کو پری لقا سمجھا — زُلف کو تیری میں بلا سمجھا
تُو نے ہر ایک کی سنیں باتیں — میرا مطلب بھی کچھ بھلا سمجھا؟
اپنی اپنی ہر ایک کہتا ہے — کوئی میرا نہ مدّعا سمجھا
تیرے آنے کو اے صنم! واللہ! — درد کی اپنے میں دوا سمجھا
سب مرا حال سُن کے ہیں پُرغم(۱۸۵) — تُو نہ کچھ یارِ بے وفا! سمجھا
میں نے واللہ! دی دُعا تُم کو(۱۸۶) — تُو خدا جانے دل میں کیا سمجھا
ہائے! بے فائدہ خراب ہوا — عشق کی میں نہ انتہا سمجھا
بدگماں تجھ سے یار ہے زُہرہ — شکر کو تیرے وہ گِلا سمجھا(۱۸۷)

....

ہم سے سخنِ عجز سنایا نہیں جاتا — ہم سے کبھی روٹھے کو منایا نہیں جاتا
صد شکر! کہ طفلی سے جوانی کا سِن آیا — اب ہم سے ترا ناز اُٹھایا نہیں جاتا
ہوتا نہیں کچھ کام بھی اُس پردہ نشیں سے — آیا نہیں جاتا تو بلایا نہیں جاتا

ہم معرکۂ عشق میں شیرانہ کھڑے ہیں میدان سے اب پاؤں ہٹایا نہیں جاتا
دیوانہ ہو جو کوئی مرے حسنِ پری پر ناجنس سے دل اپنا لگایا نہیں جاتا
کچھ آج عجب حال ہے سینہ میں جگر کا سامان اب اچھا ہمیں پایا نہیں جاتا
کیا روزِ قیامت میں زباں اپنی میں کھولوں بگڑی ہوئی باتوں کو بنایا نہیں جاتا
میں بندۂ ناچیز، وہ ہیں حُسن کے سلطاں زُہرہ! اُنھیں گھر اپنے بُلایا نہیں جاتا

....

سو بوسے گر دیے ہیں تو دس اور دیجیے تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے

چٹکلہ: ایک لکھنؤ کے وضع دار، باوقار مسمّا نیاز احمد متخلص بہ محزوںؔ، اس شاعرہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے تو زُہرہؔ نے یہ مصرع سُنایا:

سیرِ فلک کو ہم کبھی تنہا نہ جائیں گے

محزوںؔ یوں جواب دہ ہوئے:

زُہرہ کے ساتھ جائیں گے یا مشتری کے ساتھ

یہ سُن کر دونوں اُچھل پڑیں، حضرت کا منہ چوم لیا۔ گویا یہ صلہ دیا۔

بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث میں چھپا ہے کہ: "مشتریؔ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ پانچ برس سے اس شاعرہ نے کسی رئیسِ عالی خاندان سے عقد کرلیا۔"

زینتؔ

زینتؔ، متخلص بہ اسم اور اسمِ بامسمّا، میرزا ابراہیم بیگ مقتولؔ کی قاتل، جس کو کبھی دلّی کے بازار میں کمال رونق تھی۔ قریب چالیس برس کے گزرے کہ اپنے مقتولؔ کی منظورِ نظر ہو کر لکھنؤ کو چلی گئی۔ بہار کا مولّف کچھ اس کے خلاف لکھتا ہے مگر بے خار(۱۸۸) میں یہی دیکھا ہے۔ بہر کیف، یہ شعر اُس کا یادگار ہے، جس کی کئی کتابوں میں تکرار ہے:

شبِ مہ تاب میں تا صبح، زینت! خیالِ ماہ رُو ہے اور ہم ہیں

ژا فارسی کی ردیف

ژاژ

ژاژ تخلص کی کوئی عورت بازاری ایسے شعر کہتی تھی:

ژاژ گوئی سے تُو پیارے باز آ! ورنہ پچھتائے گا، سُن! کہتی ہے ژاژ

سین مہملہ کی ردیف

سردار

سردار تخلص، سردار بیگم نام، متوطن لکھنؤ، مقیم اٹاوہ کا ہے۔ یہ عورت اصل میں لکھنؤ کے کسی شریف خاندان کی ہے مگر غدر کے بعد بیوہ ہو کر پہلے کان پور، پھر قنوج گئی اور اپنی بیٹی مسماۃ کاظمی بیگم کو ناچ گانے کی تعلیم دلوائی اور ڈیراداروں سے مل گئی۔ اب اٹاوہ میں مجرے کراتی ہے، ساہا بجواتی ہے۔

یہ عورت گو ناخواندہ ہے مگر شعر کہتی ہے، طبیعت موزوں رکھتی ہے۔ جو کہتی ہے، اوروں سے لکھوالیتی ہے۔ اس کی بیٹی اکثر اس کی غزلیں گاتی ہے۔

سردار میں اَب تک شرافت کی بُو پائی جاتی ہے۔ بات کی بڑی پکی ہے، دل لگی بازی میں یکی ہے۔ میرے ایک مہربان مسافرانہ اور سیاحانہ اٹاوہ گئے تو دو چار ہی روز کی صحبت میں اس کا ایسا پتلا حال ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد دلّی میں چلی آئی۔ مفصل متذکرۂ ردیف میم نے اُس کی دعوت کی۔ بندہ بھی وہاں موجود تھا۔ خوب جلسہ دیکھا، کاظمی، وغیرہ کا گانا سُنا، سردار کے شعر سُنے۔ آدھی رات تک محفل کا لُطف اُٹھایا، پھر ہر ایک شخص نے اپنے اپنے گھر کا رستہ لیا۔ اب تک میرے عنایت فرما ان محبوبوں سے

خط کتابت رکھتے ہیں، اُنھیں کے ذریعہ سے یہ شعر بھی ملے ہیں، جن کو ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

تنبیہ : سبحان اللہ! بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث میں خواہ مخواہ لکھ دیا ہے کہ ''پہلے تو شین تھی، اب میم ہے۔'' ناظرانِ تحقیق طلب انصاف فرمائیں، چمن انداز کی نقالی اور اُس پر بہتان بندی۔۱۲ منہ عفی اللہ عنہ:

لگایا میں نے جو تم سے دل کو تمھارے دل پر نہاں نہ ہو گا
اُٹھائے صدمے ہیں جتنے میں نے جہاں میں کس پر عیاں نہ ہو گا

ہے خوف بُجّ کو اکیلے گھر کا کہ ہو گا وہاں پر گزارہ کیوں کر
مدد کو میری جو لطفِ یزداں! ندیم و ہم دم وہاں نہ ہو گا

لگایا گُل سے جو دل کو تُو نے، سمجھ یہ دل میں تُو اپنے بلبل
ہیں چند روزہ بہار کے دن، یہ گُل تو روزِ خزاں نہ ہو گا

بہت کتابیں پڑھی ہیں تم نے، یہ مانا ہم نے اے شیخ صاحب!
چھپاؤ ہم سے نہ حالِ دل کو، نہاں یہ عشقِ بُتاں نہ ہو گا

کیا ہے سردارؔ بُجّ کو دہشت، شفیع ہوں گے رسولؐ داور
جو زلزلے سے بروزِ محشر، زمیں نہ ہو گی، زماں نہ ہو گا

....

وہ تو ہمارا لے گئے بیٹھے بٹھائے دل — ہرگز نہ کوئی آپ سے اپنا پھنسائے دل
آتی نہیں ہے نیند شبِ ہجر میں مجھے — ہے کوئی ایسا اُس سے مرا پھیر لائے دل (۱۸۹)
فریاد کر رہا ہوں میں گھڑیال کی طرح — یارب! وہ خود جلے جو ہمارا جلائے دل
بے جرم بُجّ کو یار نے مارا ہے دوستو! — اب دل ہی دل میں کہتا ہوں فریاد، ہائے دل!
سردارؔ روزِ حشر کو اُٹھ کر کہے گی یہ — عاشق کہاں سے سنگ کا اپنا بنائے دل؟

....

دل مرا اُٹھ گیا زمانے سے — مَوت آئے کسی بہانے سے

....

نہ لگی پھر آنکھ سحر تلک، مجھے یاد اپنی دلا گئے
میرے پاس سے وہ چلے گئے، مرے دل کو لے کے ہلا گئے

....

بیاں میں کیا کروں تم سے، نہایت بے قراری ہے
پھنسا ہے دل مرا اُس سے، مجھے اب زیست بھاری ہے
کڑی منزل بہت ہے گی، مجھے اب خوف بھاری ہے
وہاں کیوں کر گذر ہو گا یہاں اب اشک جاری ہے
اندھیری گور ہووے گی نہ کوئی دوسرا ہو گا
ملے گا وہ صنم کیوں کر ہمیں اب انتظاری ہے
فرشتے آ کے پوچھیں گے: کہو سرؔدار! سوتی ہو؟
پڑھو کلمہ محمدؐ کا! چلو اب فضلِ باری ہے!

....

تریاچلتر کا نمونہ: سنہ ۱۲۹۳ ہجری [مطابق ۱۸۷۶ء] میں کاظمی عرف مٹھن بنتِ سرؔدار کا ایک خط اپنے خواہندہ کے نام آیا کہ سرؔدار نے انتقال فرمایا۔ بحالتِ بیماری ایک غزل کہی تھی اور نزع کی حالت میں یہ مصرع فرمایا:

ہم دَم سے گئے، ہم دم کے لیے، ہم دم کی قسم، ہم دم نہ ملا

ہم تو عاشق اُسی کے ہو بیٹھے دل سے صبر و قرار کھو بیٹھے
یاد ہم کو اُسی کی ہر دم ہے دارِ فانی سے ہاتھ دھو بیٹھے
صورت اُس کی نظر نہ آئے گی دل ہی دل میں کڑھا کڑھو بیٹھے
یہ ہی محشر میں کام آئے گا کلمۂ مصطفٰےؐ پڑھو بیٹھے
تُم کو سرؔدار! اب یہ لازم ہے نام رب کا جپا کرو بیٹھے

ہاں! وہ خط بندے نے بھی پڑھا۔ بڑے سوز و گداز سے بھرا ہوا تھا، بل کہ میں نے اُس کی تاریخِ وفات کی فکر کی تو یہ فقرہ پایا: ''فیضِ ربانی کفیل'' (۱۲۹۳)، اور اُن کے یاروں نے تو خوب ماتم

داری کی، گریہ وزاری کی، فاتحہ دلوائے[190]، چہلم کے واسطے روپے بھجوائے۔ پس، روپیوں کی رسید پر اَور ہی شگوفہ کھلا، یعنی سردار زندہ سلامت تھی۔ یہ تو یاروں کی صرف دل لگی تھی۔ میرے نزدیک یہ بھی روپیا لینے کی ایک چال تھی۔ سچ ہے: ''تریا چلتر جانے نہیں کوئے، خصم مار کرتی ہوئے۔''[191]

سلطاںؔ

سلطاںؔ تخلص اور سلطان بیگم نام، دُختر نواب معتمد الدولہ بہادر لکھنوی کا تھا جو ظریف و ذہین، صاحب دیوان گزری ہے اور شیریں کلامی کی دادیوں دے گئی ہے:

کب تک یہ تیرے ہجر کے صدمے اُٹھائے دل؟ ڈر ہے یہی کہ جان سے اپنی نہ جائے دل
قاتل نے کب کہا تھا کہ آنکھیں لڑائے دل آخر یہ میری جان پہ آئے بلائے دل
تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کہہ کے، ہائے دل!
سینہ اگر ہے داغوں سے معمور کیا ہوا خالی ہے تیرے واسطے عشرت سرائے دل
سلطاںؔ! غزل اِک اَور بدل کر ردیف لکھ پر شرط ہے کہ لفظِ گُل آئے بجائے دل

شین کی ردیف

شرارتؔ

شرارتؔ تخلص، امیر جان نام، بنتِ چھوٹے خاں، کنچن دہلوی۔

تحقیق: کنچن کے لفظ پر خیال آیا کہ عوام الناس کُل کسبیوں کو کنچنیاں کہا کرتے ہیں اور پنجابی اُن کو کنجریاں بولتے ہیں، دامنِ کوہ، یعنی اضلاع ڈیرہ دون وغیرہ میں پاتراؤں کے نام سے پکاری جاتی ہیں، کہیں رام جنیاں کہلاتی ہیں،[192] مگر اس کی کچھ اصلیت نہیں کھلتی کہ کیا بات ہے؟ صرف اس قدر تو مجھ کو دریافت ہوا ہے کہ ہندستان میں شیوعِ اسلام سے پہلے جو ہندنیاں رقاصہ تھیں،

اُن کو پاترا، گاتناں، اپچھرا اور کندھربنیاں، وغیرہ کہتے تھے۔ سنسکرِت میں ان کو باریدولکھا ہے، اور جب سے اس ملک میں مسلمانوں کا تسلّط ہوا اور اُنھوں نے کسی وجہِ خاص سے مسلمانوں کو پیشہ کرنے کی اجازت دی، پس، جس قسم کے فرقۂ مذکور سے اُس نے تعلیم پائی، اُسی کے نام سے شہرت کمائی، یا جس جس قوم کی مسلمانیاں اُن میں آئیں، اُسی اُسی نام کے فرقے اُن میں بنتے گئے، چناں چہ اب یہ نام اُن کے مشہور ہیں: کنچن، کنجر، نٹ، رم جنے، پاتر، راوت، ڈھیوت اور ڈھیے وغیرہ۔

ان کے علاوہ اب کوئی اَور چھنال اپنے گھربار سے جدا ہو، کسبِ عام اختیار کرے تو اُس کو خانگی کہتے ہیں اور یہ لوگ جب تک دعوت وغیرہ لے کر اُس کو اپنے میں شامل نہ کرلیں، اُس وقت تک اُس کو حقیر جانتے ہیں، گو وہ کیسی ہی متموّل یا صاحبِ ہنر کیوں نہ ہو اور خانگیوں کے لواحق اُن سے، یعنی کنچوں سے ملنا ننگ سمجھتے ہیں، بل کہ گھنگھرو بند کہلانا بھی عار جانتے ہیں۔ وہ اپنے تئیں شریف گنتے ہیں اور اُن کو رذیل۔

ان دونو سے بڑھ کر تیسرا فرقہ چھنالوں کا ہے، جو نہ تو سرکاری دکھائی میں جائیں، نہ اسپتالوں سے غرض رکھیں، بالا ہی بالا مزے لُوٹیں اور اُن دونوں پر تبرّے پڑھیں۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے!

آمدم برسرِ مطلب: غرض یہ کہ یہ کنچنی: متھرا، آگرہ اور ٹونک، وغیرہ کی سیر کرکے ابھی آئی ہے۔ آگرہ کے مجموعۃ الاشعار میں بھی اس کی ایک غزل چھپ گئی ہے۔ یہ دوسری غزل لاجواب، ٹونک کے اخیر مشاعرے کی، خاص اُس کی زبانی سُن کر اس تذکرے میں درج ہوتی ہے۔ اُس کا بیان ہے کہ گو "میں پہلے شعر کہتی تھی مگر میاں امیر خاں صاحب منیرؔ اکبرآبادی، مقیم متھرا کی شاگردی سے یہ رُتبہ حاصل ہوا کہ سو پچاس غزلیں کہہ لی ہیں۔"

دریں وِلا، اُس کا سِن و سال تیس سے اوپر ہے۔[۴۵] علم سے بے بہرہ ہے، ہاں! کچھ حرف شناس ہے، گاتی ناچتی بھی ہے۔ چاوڑی کے بازار میں ایک کوٹھے پر رہتی ہے۔ ظاہرا خلیق معلوم ہوتی ہے۔

مشاعرۂ مذکور کی طرح کا مصرع یہ ہے جس کا پیش مصرع اس شاعرہ نے خوب چسپاں

کیا ہے:

جو نہ کرنی تھی ہمارے ساتھ، وہ اس دل نے کی

....

ایسی مجھ پر رات مشکل فرقتِ قاتل نے کی
ساتھ میرے صبح، مَر مَر کر مری مشکل نے کی (۱۹۳)

رُوسیاہی شب کو اپنی مشعلِ محفل نے کی
ہوگئی گُل، ساق واجب بزم میں قاتل نے کی

آرزوے بوسہ گر دل میں کسی سائل نے کی
ہو گئی تدبیر در پردہ لَب اُس کے سِلنے کی

سیکڑوں منزل عدم سے آگے وحشت لے گئی
خاک اب عنقا کرے گا فکر میرے مِلنے کی

سایہ میرا مشعلِ برقِ تجلّی ہو گیا
یہ نظر پُرنور مجھ پر کس مہِ کامل نے کی

دُور تھی لیکن ہمارے ضعف پر کچھ رحم کر
پیشوائی سیکڑوں منزل مری منزل نے کی (۱۹۴)

بس نہیں چلتا ہے یارب! کیا کریں؟ ناچار ہیں
جو نہ کرنی تھی ہمارے ساتھ وہ اس دل نے کی

ایسی دریاے بلا میں غرق ہے کشتی مری
توبہ جس کے نام سے اے ناخدا! ساحل نے کی

اس کو تم جوہر نہ سمجھو اپنے رہنے کے لیے
تیغ قاتل میں جگہ خونِ رگِ بسمل نے کی

گرمیِ سوزِ جگر سے ہو گیا ہوں جل کے خاک
یہ شرارت آتشیں رُخسار سے قاتل نے کی

شرفن

شرفن نامی کان پوری رقاصہ کا صرف یہ ہی کلام نظر سے گزرا جو نذرِ احباب ہوا۔ اُس کا اَور احوال نہ کھلا:

رات کو ایسا چڑھا نالہ فلک سے مل گیا
کیا کہوں! عرشِ معلّا تک بھی سارا ہل گیا

یاد رکھنا! خود بخود طبقہ اُلٹ دوں گا وہیں
کوچۂ سفّاک میں مجھ سا اگر بسمل گیا

ڈھونڈتا کب سے ہوں دل کو کچھ پتا لگتا نہیں
اشک کے ریلے میں شاید دل بھی اپنا رل گیا

دُور سے قاصد پھرا ناشاد وہ آیا نہ ہاتھ
کیا کرے قاصد بچارا تو کئی منزل گیا

سوجھتا کچھ بھی نہیں تجھ کو بھلا کیا کیجیے؟
جس کو سمجھا تھا بُرا شرفن! اُسی پر دل گیا

شرم

شرم تخلص کا چھوٹے صاحب نام ہے اور اس کا لکھنؤ میں مقام ہے:

مُردے زندہ ہو گئے پازیب کی جھنکار سے ہر قدم پر حشر برپا ہے تری رفتار سے

....

یہ کس رشکِ مہ کا نظارہ ہوا ہے کہ خورشید آنکھوں کا تارا ہوا ہے
ملے غیر سے یار آنکھوں کے آگے مری جاں! یہ کس کو گوارا ہوا ہے!

شرم

شرم تخلص اور شمس النسا نام، بنتِ حکیم قمرالدین، شاگردِ خواجہ وزیر، کا ہے۔ اس شاعرۂ بنارسی الاصل، لکھنوی المسکن، صاحبِ دیوان، عروض و قافیہ دان کے چند شعر لکھتا ہوں۔ انھیں سے اس کی شیریں کلامی، خوش بیانی ظاہر کرتا ہوں:

جو تیری کاکلِ مشکیں کی بُو صبا لائی دماغ عرش پہ اس خاک سار کا پہنچا
پڑے جو عکس گل تر ہزار بن جائیں کہ شاخ گل سے بھی نازک ہے یار کا پہنچا[۱۹۴]
مثالِ غنچہ تُو کیوں دل گرفتہ ہے؟ اے شرم! خوشی ہو! خط ترے اب گُل عذار کا پہنچا[۱۹۵]

....

پہلے ثابت کریں اس وحشی کی تقصیریں دو کیوں مرے پانو میں پہناتے ہیں زنجیریں دو
دو تو زلفوں کا تری آیا جو وحشت میں خیال پڑ گئیں پانوں میں میرے وہیں زنجیریں دو
کہا قاصد نے کہ لایا ہوں میں پیغامِ وصال آج خلعت مجھے پہناؤ کہ جاگیریں دو!
دردِ دل دور ہوا، سینے کی سوزش بھی گئی شربتِ وصل میں تیرے ہیں یہ تاثیریں دو
یا بہانے سے بلائیں اُسے یا خط ہی لکھیں شرم! کیا خوب یہ سوجھیں ہمیں تدبیریں دو

شریر

شریر تخلص، جگن نام، بنتِ بندا طوائف، ساکن جلیسر ضلع متھرا، مقیم کوئل عرف علی گڑھ،

کا ہے جو میرے عنایت فرما میرزا امیر بیگ صاحب میرزا تخلص دہلوی رونق افزائے کوئل کی صحبت سے شعر کہتی ہے۔ یہ مقطع اُس ذکی کا ہے جو سُنا سایا یاد رہ گیا:

ثریا! ایسا کچھ افسوں پڑھ کہ شوخی قید ہو جائے   غزالانِ حرم سے اُڑ کے چشمِ یار میں آئے

شوخ

شوخ تخلص، مُنّا بیگم نام، زوجۂ نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر نظام مرحوم وزیرِ عالم گیر ثانی، کا ہے۔ بعض تذکرہ نویس اُس کو متخلص بہ نام، شاگردِ قمر الدین منّت لکھ گئے ہیں اور کسی نے اُس کا تخلص منتظر قرار دیا ہے۔ ایک کا قول ہے کہ یہ شاعرہ علی قلی خاں شش انگشتی کی بیٹی، نظام کی منکوحہ ہے، میر سوز اور رفیع السودا سے اصلاح لیتی تھی۔ ایک شاعر اپنی کتاب میں اس کا نا زیب النسا لکھتا ہے، یا شاید کسی کاتب یا مصحح کی غلطی ہوئی ہو، کیوں نہ نگہت سا محقق اور ایسی غلطی کرے!

خیر، میر قطب الدین صاحب باطن اکبر آبادی اپنے نغمۂ عندلیب میں اس نازک خیال کی نسبت یوں نغمہ سرائی فرماتے ہیں:

"مُنّا بیگم، از خاندانِ عصمت جناب نواب عماد الملک غازی الدین خاں، دخترِ علی قلی خاں نظام تخلص۔"

خاک سار، ہیچ مداں کا فہمِ ناقص اس فقرہ میں کئی جگہ سرگرداں ہے۔ اوّل تو یہ کہ نظام تخلص کس کا تھا؟ آیا علی قلی خاں کا یا مُنّا بیگم کا؟ اور یہ دونوں تو ہم غلط ہیں۔ دوم، از خاندانِ عماد الملک کے معنی ظاہر نہیں کرتے کہ یہ اُس نواب کی بیگم تھی۔ سبحان اللہ! اسی بِرتے پر حضرت اپنے مسکن کو فخرِ دہلی اور جدِّ دہلی کہتے ہیں، دلّی والوں پر زبانِ طعن دراز فرماتے ہیں۔ کیا کیا عمدہ فقرے نئی نئی ترکیب کے گھڑتے ہیں، شیفتہ و آزردہ و مومن و وحشت و صاحب و غالب علی کلِّ غالب تک پر منہ آتے ہیں۔

بہرکیف، شاعرۂ موصوفہ کے لطائف دیکھیے، اشعار پڑھیے۔ ان فتنہ انگیز باتوں سے در گزریے۔

حکایت: ایک دن کا مذکور ہے، جو تذکروں میں مسطور ہے کہ نواب صاحب باغ میں تشریف لائے، بیگم صاحبہ کو سیرِ چمن میں مصروف پایا، فرمایا کہ "چلو! بارہ دری میں بیٹھ کر سیر کریں!"

جواب ملا کہ ”حضور تشریف لے چلیں، لونڈی بھی حاضر ہوتی ہے۔“
غرض کہ نواب صاحب تو جا لیٹے۔ فوراً باغ کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے خوابِ نوشین کا شربت پلایا۔ اتنے میں بیگم صاحبہ بھی در آمد ہوئیں۔ آپ کو سوتے دیکھ کر واپس چلیں مگر اُن کے پاؤں کی آہٹ سے غزالِ خواب رم کر گیا۔ نواب صاحب نے معاً یہ مصرع فرمایا:

آ کر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے

اُس حاضر جواب نے کہا:

خوابِ عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے

تنبیہ: میں نے یہ حکایت بہارستانِ ناز، مطبوعۂ دفعۂ اوّل سے نقل کی تھی مگر اب تحقیق ہو گیا کہ یہ شعر میرزا اعظیم اللہ بیگ عظیمؔ شاگردِ حاتمؔ کا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہار آرا نے یہ حکایت کہاں سے نقل کی تھی؟ دیکھو تذکرۂ گلشنِ بے خار۔

روایت: ایک روز نواب صاحب نے یہ شعر موزوں کیا:

سر سے پاؤں تک سفیدی آ گئی، تس پر یہ حال　　شمع سی، ہم نے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

اس کا جواب اس بدیہہ گو سے یہ پایا:

پردۂ فانوس میں رکھتی ہے عصمت کو سنبھال　　کاٹ لو اُس کی زباں جو شمع کو بولے چھنال

اب اس کے اشعارِ پُر مذاق ملاحظہ فرمایئے:

نیم بسمل نہ چھوڑ جانا تھا　　ہاتھ ایک اور بھی لگانا تھا

....

ہماری خاک پہ اُس گُل نے جب گزار کیا　　دمِ مسیح نئے سر سے آشکار کیا

....

یا الٰہی! یہ کس سے کام پڑا　　دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا

....

شمع کو چہرۂ دل دار سے کیا ہے نسبت؟　　کیوں کہ یہ ہے رُخِ خنداں، وہ ہے روتی صورت

....

شب کو میاں! طلب میں تری ہم بھٹک بھٹک (۱۹۹)　　جوں حلقہ در پہ رہ گئے سر کو پٹک پٹک

میری بھی مشتِ خاک کا کچھ پایہ ہے ضرور　　اے جامہ زیب! جائیو دامن جھٹک جھٹک!

....

مقابل ہو اگر لب کے ترے مصری، چبا جاؤں　　تری آنکھوں سے ہم چشمی کرے بادام، کھا جاؤں

....

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسّر　　کیا جانیے! کس ساعتِ بد آنکھ لگی تھی

....

ابر چھایا ہے، مینھ برستا ہے　　جلد آ جا کہ جی ترستا ہے

....

لے اُڑی طرزِ فغاں بلبلِ نالاں ہم سے　　گُل نے سیکھی روشِ چاکِ گریباں ہم سے

....

شمع کی طرح کون رو جانے!　　جس کے جی کو لگی ہو سو جانے

....

رقیبوں سے وہ جس دم ہنس رہے تھے روبرو میرے (۱۹۷)　　مری ہر مژہ، اے دردِ جگر! موتی پروتی تھی
ترے منہ کی تجلی دیکھ کر کل رات حیرت سے　　زمیں پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع روتی تھی

....

جس طرح لگی دل کو مرے چاہ کسی کی ☆　　اس طرح نہ لگیو مرے اللہ! کسی کی
اس زُلفِ دراز اپنی کو ظالم نہ کتر دے　　کیا فائدہ جو عمر ہو کوتاہ کسی کی
نے نامہ و پیغام زبانی، نہ نشانی　　حالت سے کوئی کیوں کہ ہو آگاہ کسی کی

....

عندلیبوں کو وہ گل زار مبارک ہووے　　ہم کو یہ سایۂ دیوار مبارک ہووے
رات دن جس لیے روتے ہو، سو اللہ کرے!　　ایک دن تُم کو وہ دیدار مبارک ہووے

....

جھوٹھ کہتا ہے تُو قاصد یہ زبانی پیغام　　مُجھ کو باور نہیں جب تک نہ نشانی آوے

....

مجھ سے کرتی ہی رہی زُلف کجی، کیا کیجے؟　　دل مرا لے کے یہ کہتی ہی رہی ''کیا کیجے؟''
غیر دیکھے ترے اب تو نہیں رہتی [یہ] چشم (۱۹۸)　　اس کی تدبیر کہو اب تو اجی! کیا کیجے؟

....

جی تک بھی اگر چاہو تو وسواس نہیں ہے　　کچھ اَور جو ڈھونڈو تو مرے پاس نہیں ہے

اب خواب میں ہی وصل ترا ہووے تو ہووے ظاہر میں تو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے

....

یار پردہ میں ہے اور عیش سے مایوسی ہے نقشِ پا تک بھی مرے درپئے جاسوسی ہے

شیریںؔ

شیریںؔ تخلص اور بیگا نام ہے، اس شاعرہ کا لکھنؤ مقام ہے۔ پہلے میر محمدی سپہرؔ سے ہم مشورہ رہی، پھر شیخ امداد علی بحرؔ کی طبعِ مواج سے لب ریزِ سخن ہو کر صاحبِ دیوان ہو گئی۔ اُس کی کئی غزلیں فارسی اور اُردو کی بندہ کے پاس ہیں جن کے چند اشعار اپنے اپنے موقع پر لکھے ہیں۔ سخن فہم ملاحظہ فرمائیں اور اُس کی ذہانت کی داد دیں:

سُنتا ہے کون، کس سے کہوں ماجرائے دل؟ بہتر یہ ہے نہ کوئی کسی سے لگائے دل
کیوں کر رہیں حواس جو قابو سے جائے دل اے کاش! مَوت آئے کسی پر نہ آئے دل!
باتیں وہ دل فریب، ادائیں وہ دِل رُبا ایسی پری خصال پہ کیوں کر نہ آئے دل؟
کیوں کر اسے نکال کے سینے سے پھینک دیں زُلفوں میں پھر کسی کی نہ رُخ کو پھنسائے دل
اُلفت بھی چاہیے، پہ ذرا دیکھ بھال کر ہر شعلہ رُو کو چاہے تو چولھے میں جائے دل!
بے مہر و بے مروّت و ناآشنا ہو تُم تُم سے خدانخواستہ کوئی لگائے دل!
شیریںؔ کا یہ کلام ہے ہر وقت ہر گھڑی جس کو خدا خراب کرے، وہ لگائے دل

....

پری زادوں میں تُم مشہور، میں مشہور دیوانہ اگر تُم شمعِ محفل ہو تو یہ بندہ ہے پروانہ
گرا جو ہاتھ سے ساقی کے شیشہ ہو گیا ثابت ہماری زندگانی کا ہوا لبریز پیمانہ
کہیں عشقِ حقیقی ہے، کہیں عشقِ مجازی ہے کوئی مسجد بناتا ہے، کہیں بنتا ہے بُت خانہ
ہو میدانِ قیامت میں بھی دورِ ساغرِ مل کا رہے آباد یا رب! حشر تک ساقی کا مے خانہ
نہیں مسند تو کیا پروا، خدا پر اپنا تکیہ ہے فقیری میں بھی اے شیریںؔ! مزاج اپنا ہے شاہانہ

اشعارِ متفرقات از غزلیاتِ موجودہ

اُس نے جب مستی لگائی اور جوبن ہو گیا　　برگِ گل، اعجازِ لب سے برگِ سوسن ہو گیا

....

آنکھ اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا　　ہر طرف تجھ کو جلوہ گر دیکھا (۱۹۹)
لختِ دل آئے شاخِ مژگاں پر　　نخلِ اُلفت کا یہ ثمر دیکھا

....

دہنِ یار کا بوسہ نہیں ملتا دل کو　　چشمۂ آبِ بقا پر ہے سکندر بے تاب

....

دل میں جگہ بنائی ہے رہنے کی آپ نے　　حیراں ہوں مثلِ آئنہ آئے کدھر سے آپ (۲۰۰)

....

ہوئی ہے ہمیں زُلف و ابرو کی اُلفت　　مقدر میں تھی سانپ بچھو کی اُلفت
چمکتے ہیں گیسو پہ افشاں کے ذرّے　　ہوئی شاخِ سُنبل کو جگنو کی اُلفت

....

خاکِ پا جان کر مجھے اپنا　　دل میں رکھو غبار، کیا باعث؟

....

وہ عالم ہے ترے گورے بدن میں　　جو دیکھے چاند، آ جائے گہن میں

....

خدا جانے کیا دل میں ہے بدگمانی؟　　مرے ہاتھ کا پان کھاتے نہیں ہو (۲۰۱)

شیریںؔ

شیریںؔ تخلص ہے اُس اسمِ بامسما، سخن گو، معنی فہم کا جو نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ والیِ ریاست بھوپال ادام اللہ سلطنتہا، صاحبِ دیوان ہیں۔ مولوی حسیب الدین احمد صاحب اذیتؔ مرحوم فارسی گو آپ کے کلامِ پاک کو پاک نظر سے ملاحظہ فرماتے تھے۔ اگر حضور کے اوصافِ ہمایوں تحریر کرنے چاہوں تو ایک دفتر بھروں، پھر بھی یکے از ہزار نہ لکھ سکوں۔ اس سبب سے فرطِ اَدب (۲۰۲) اس کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مجبور، ایک غزل تبرکاً نذرِ احباب ہے:

خالق ہے خدائے سحر وشام ہمارا　　مشہور اسی نے یہ کیا نام ہمارا

پیدا ہوئے ہم اُمّتِ محبوبِ خدا میں — برتر نہ ہو کیوں رُتبۂ اسلام ہمارا
آتی ہے ہوا سرد، گھٹا اُٹھتی ہے گھن گھور — منگواؤ صراحیِ مے و جام ہمارا
بے تابیِ دل! اُس کے بھی دل میں تو اثر کر! — مدّت سے یہی تجھ سے ہے پیغام ہمارا
اے بادِ صبا! تُو ہی تنِ زار کو لے چل! — گل زار میں آیا ہے وہ گُل فام ہمارا
ہم کرتے ہیں حج کوچۂ دل دار کا اپنے — ہے چادرِ تن جامۂ احرام ہمارا
فرقت میں تری ساتھ دیا اپنا اُسی نے[۲۰۳] — کام آیا بہت یہ دلِ ناکام ہمارا
پہلی سی رُکاوٹ نہیں، اب ہے نظرِ لُطف — آغاز سے بہتر ہوا انجام ہمارا
کافر کیا مُجھ کو تری اِس زلف نے کافر! — اِس لام نے کھویا ترے اسلام ہمارا
دُنیا میں بڑا شور ہے شکّر شکنی کا — شیریںؔ جو تخلّص میں ہوا نام ہمارا

شیریںؔ

شیریںؔ تخلّص، شیریں وحید نام لکھنوی شاعرہ کا ہے۔ رسالہ سیرِ سیّاحؔ، میاں اللہ دادخان صاحب، صاحبِ لطائفِ غیبی سے معلوم ہوا کہ یہ رقّاصۂ محبوبہ ہنوز اپنا ناز و انداز دکھا رہی ہے اور اس طرز پر غزل طرازی کرتی ہے :

فصلِ گُل آتی ہے اے دستِ جنوں! دھیان رہے — ٹکڑے دامن ہو، سلامت نہ گریبان رہے
دل پِسا جاتا ہے قدموں کے تلے صاحب کے — پانو آہستہ سے رکھنے کا ذرا دھیان رہے
تیری صورت پہ نظر ہو، ترے قدموں پہ ہو سر — تیری اُلفت میں مروں میرا یہ ایمان رہے
خانۂ چشم سے یہ کہہ کے سدھاری مری روح: — ”اپنے گھر جاتے ہیں، تھوڑے یہاں مہمان رہے“
کیوں حضور! آپ نے وعدے ہی پہ ٹالا برسوں — کسی شب آ کے نہ گھر میں مرے مہمان رہے
اب یہ خالق سے شب و روز دُعا ہے شیریںؔ! — کہ سدا دینِ محمدؐ مرا ایمان رہے[۲۰۴]
آرزو کوئی نہ بن آئی فلک کے ہاتھوں — دلِ بے تاب میں لاکھوں مرے ارمان رہے

صادِ سعفص کی ردیف

صاحبؔ

صاحبؔ تخلص، اَمتہ الفاطمہ نام، مشہور بہ صاحب جی۔ غدر سے پہلے پورب سے طلوع ہو کر جلوہ افروزِ دہلی ہوئی۔ حکیم مومن خاں صاحب مومنؔ مرحوم سے اپنی بیماری کا علاج چاہا مگر یہاں یہ نقشہ ہوا:

مژدہ باداے مرگ! عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

یعنی حکیم صاحب حکمت کا رستہ بھول، از خود فراموش ہو، نسخۂ عشق کا درس شروع کر بیٹھے۔ اُس وفادار نے بھی اپنے مریض وطبیب کو برابر ایک سال تک خوب ہی دل کھول کر شربتِ وصل پلایا۔ جب فریقین کو صحتِ کلّی و تشفیِ دلی حاصل ہوگئی تو یہ دل رُبا لکھنؤ کو چلی گئی۔ حضرت نے نسخہ مثنوی "قولِ غمیں" کا اُس کی مفارقت کے بیان میں خوب موزوں فرمایا ہے۔ اپنے فیضِ صحبت سے اُس محبوبۂ عاشق نواز کو شاعرہ بھی بنادیا ہے۔

اب نہیں معلوم کہ یہ رنڈی زندہ ہے یا مرگئی مگر یاروں کی یادگار کے واسطے یہ کلام چھوڑ گئی:

رقیبوں کا جلنا کہاں دیکھتا تو		سما یہ مرے گھر میں آیا تو دیکھا
غش نہ کیا صنم کے نظارے میں زاہد!		یہ جلوہ خدا نے دکھایا تو دیکھا

....

کھولے ہیں اُس نے پیرہنِ یوسفی کے بند		ملے کر رکھے نسیم سے کہہ دو، قبائے گُل

....

نظر ہے جانبِ اغیار، دیکھیے کیا ہو؟		پھری ہے کچھ نظرِ یار، دیکھیے کیا ہو؟

....

جو خطِ جبیں کا مرے کاتب ہے، اُسی کو		دکھلانا مرا نامۂ اعمال الٰہی!
صاحبؔ جو بنایا ہے تو مانندِ زلیخا		یوسف سا غلام اک مجھے دے ڈال الٰہی!

صدرؔ

صدرؔ تخلص، نواب صدر محل صاحب کا ہے۔ ان کا اَور کچھ حال عاصیِ پُر معاصی کو معلوم نہیں ہوا۔ صرف اتنا سُنا کہ اس شاعرۂ لکھنوی کا ایک دیوان بہ نامِ بادشاہ نامہ اور ایک نامہ بہ اسمِ ''گل دستہ'' تصنیف ہو چکا ہے۔ ہنوز مشقِ سخن جاری ہے، یہ غزل اُس کی بہر یادگاری ہے:

جوشِ جنوں میں رات دن سب سے رہا الگ الگ
میں ہوں جدا الگ الگ، لوگ جدا الگ الگ

میں نے بلائیں لینے کو ہاتھ بڑھائے جب اُدھر
منہ کو پھرا کے یار نے مجھ سے کہا ''الگ الگ''

شمع جلانے آئے ہیں آج وہ میری قبر پر
چلیو خدا کے واسطے بادِ صبا الگ الگ

خاک ہو زندگی بھلا تیرے مریضِ عشق کی
میں ہوں دوا سے دور دور، مجھ سے دوا الگ الگ

ہجر میں خوب خاک اُڑی اُن کو ہوا نہ کچھ اثر
نالے گئے الگ الگ، آہِ رسا الگ الگ

حسرت و آرزوے وصل، درد و مصیبتِ فراق
سب کا ہے لطف الگ الگ، سب کا مزا الگ الگ

صدرؔ! وہ کم نصیب ہوں ہجر میں گر اُٹھاؤں ہاتھ
بابِ قبول سے رہے میری دُعا الگ الگ

صنمؔ

صنمؔ تخلص کی، دُرگا نامی اکبر آبادی ایک رم جنی ہے جو اس زمانہ میں بنامِ درگا بائی شہرت رکھتی ہے۔ کسی راجا کی سرکار میں گانے پر نوکر ہے اور نہایت متموّل ہے۔ میرے دو تین دوستوں نے، جنھوں نے اُس کی صحبت کا حظ اُٹھایا ہے، اُس کی لیاقت اور حسنِ اخلاق کی بہت تعریف کی ہے۔

ایک مہربان نے اُس کا تخلص الفت بتایا تھا مگر کلامِ اوّل اوّل معلوم ہوتا ہے۔ بہر کیف، یہی کلام اُس کا اِس وقت موجود ہے:

چھپایا گر رُخِ پُرنور اپنا جیے گا طالبِ دیدار کیوں کر؟

....

رومال کے لباس میں ابر آ کے بارہا پانی پیا کیا مری چشمِ پُر آب سے (۲۰۵)

صنوبر

صنوبر تخلص اور جیونی نام سے جالندھر کی طوائفوں میں کوئی کنجری تھی جو مدت تک دہلی میں رہ کر رہ گراے عقبا ہوئی۔ بہار میں مذکور ہے کہ یہ شاعرہ، بہ نواحِ قدم شریف مدفون ہے۔ سنہ ۱۲۱۹ ہجری میں اس نے اپنی جدائی کے داغ کا گل کھلایا تھا مگر گلدستۂ سخن اُس کا اب تک اُسی طرح تازہ ہے:

زندگی تک کے یار ہیں وہ لوگ　　مر گئے پر یہ آشنا کس کے
دل نہ دے ان کو تو خدا کو مان　　اے صنوبر! یہ بُت بھلا کس کے

ضاد ضظغ کی ردیف

ضرورت

ضرورت تخلص، شرف النسا نام، زوجۂ میرزا کوچک مرحوم، نسلِ تیموریہ سے تھی:

سرسبز رہے باغ سدا دینِ نبیؐ کا　　مکّی، مدنی، ہاشمی و مطلبی کا
یارب! رہے شاداب ہمیشہ چمنِ دیں　　مکّی، مدنی، ہاشمی و مطلبی کا

ضیا

ضیا تخلص، ضیائی بیگم نام، زوجہ حکیم انور علی لکھنوی۔ بقولِ صاحب بہار یہ شاعرۂ فاضلہ عربی و فارسی زبانوں میں بھی شعر کہتی تھی۔ باسٹھ برس سے زیادہ عمر کی ہو کر عازمِ ملکِ بقا ہوئی۔ یہ نمونہ اُس کی ریختہ گوئی کا ہے اور اچھا ہے:

تمھارا ہم سے ہمارا تُم سے نہ اُٹھ سکے گا عتاب ہرگز　　اُٹھے تو کیوں کر اُٹھے بتاؤ کہ تُم ہو نازک، میں ناتواں ہوں

....

میں ہوں وہ تنگِ خلق کہ کہتی ہے مُج کو خاک "اس کو بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی"

....

میں نے پوچھا "قتل مُج کو کیجیے گا کس طرح؟" بولے "غفلت سے کبھی، گاہے نگاہِ تیز سے"

....

سوتے میں شب جو پیچ کھلے زُلفِ یار کے دعوے دروغ ہو گئے مشکِ تتار کے
شمشاد گردِ سایۂ قامت چمن میں ہیں خورشید و مہ شعاع ہیں رُخسارِ یار کے
بے وجہ بُو شراب کی منہ میں نہیں ضیاؔ! چوسے ہیں ہونٹ تم نے کسی بادہ خوار کے

طا مہملہ کی ردیف

طلبؔ

طلبؔ، مجہول الحال، کسی عورت کی یہ مقال ہے:

طلبؔ کو طلب تھی جو دیدار کی کھلی رہ گئی آنکھ بیمار کی

ظا معجمہ کی ردیف

ظرافتؔ

ظرافتؔ، جو گلستانِ سخن میں مسطور ہے، وہی یاں بھی مذکور ہے، کہ یہ ظریف ایک پردہ نشیں ہے جو کبھی شوخ رویوں اور دل بروں کے زُمرے میں شمار کی جاتی تھی:

اُس کے لب ہیں شراب سے بہتر حُسن ہے آفتاب سے بہتر

عینِ بے نقطہ کی ردیف

عابدؔ

عابدؔ تخلص، نواب امراؤ بیگم صاحبہ مرحومہ عابدہ فاضلہ کا تھا جو نواب محمد یوسف علی خاں بہادر مغفور والیِ رام پور کی دُخترِ نیک اختر تھی اور نواب زین العابدین خاں بہادر، حال فوج دار راج سوائی جے پور کی محلِ خاص شمار کی جاتی تھی۔ علم و فضل میں گویا زیب النسا، یعنی مخفیؔ ثانی تھی، چناں چہ دبیرِ یکتا، شاعرِ بے ہمتا منشی محمد علی جویاؔ مرادآبادی، مقیمِ جے پور اپنی کتاب سرودِ غیبی یعنی خیابانِ تاریخ میں زیبِ ارقام فرماتے ہیں:

"میں اُسی کے خرمنِ فیض کا خوشہ چیں ہوں اور یہ نمکینیِ کلام اُسی کے مطبخِ سخن کا فیض ہے۔"

الغرض، بیگم صاحبہ مرحومہ، دیوانِ فارسی و اُردو اور نیز مثنوی شکار کے بیان میں، یادگاری کے لیے چھوڑ گئی ہیں مگر افسوس! کہ میری نظر سے اب تک اس عابدہ عارفہ فاضلہ کاملہ کا کلام نہیں گزرا۔ مجبور، اس کا وہی شعر لکھنا پڑا جس کا آخری مصرع بے کم و کاست اُس کی تاریخِ وفات ظاہر کرتا ہے اور جویاؔ موصوف نے اُس کو یوں تضمین فرمایا ہے:

یہ کرامت اُس کی ہے جویاؔ! کہ خود فرما دیا — "تا قیامت رحمتِ خلّاقِ باری قبر کو"
کشتہ ہیں اے "لاغری! ہم" رنگِ گندم گوں کے جو — "ہے شکن گندم کی بس کافی ہماری قبر کو" (۲۰۶)

۱۲۸۶ [۱۲۸۶ھ] (۲۰۷) [مطابق ۱۸۷۰ء]

عالمؔ

عالمؔ تخلص ہے، خاص محل صاحبہ بادشاہ واجد علی شاہ صاحب ممدوح الصدر کا، جو

صاحب دیوان و مثنوی ہیں۔ ستار خوب بجاتی ہیں۔ یہ شعر اُن کا ہے:

عالَم! وہ طلب گار ترے ہوں گے اُسی دن جب تازہ ستم اَور کوئی ایجاد کریں گے

عزت

عزتؔ تخلص، عزت النسا نامی، ضلع مظفر نگر میں کوئی عورت یوں سخن سرا ہے:

قافیہ تنگ نہ ہو اہلِ سخن کا کیوں کر؟ ہے مرے شعر میں مضمونِ کمر اُس گُل کا

....

میں اپنی آہ کی تاثیر کے فدا! عزتؔ! کہ بزمِ غیر سے یاں اُس کو کھینچ لاتی ہے

عزیز

عزیزؔ تخلص کی کوئی دہلوی کسبی، سعادت یار خاں رنگینؔ کی شاگردہ، اس طرح لب کشا تھی:

تم نہ دیکھو گے گو ہمیں اِک بار(۲۰۸) ہم تمھیں بار بار دیکھیں گے
جب کہ باغ و بہار دیکھیں گے ایک گُل کیا ہزار دیکھیں گے

عشرت

عشرتؔ تخلص ہے نواب عشرت محل صاحبہ محلِ شاہِ اَودھ موصوف کا:

گرمیِ عشق مانعِ نشو ونما ہوئی میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا

عصمت

یہ وہ عصمت نامی دہلوی ہے جو لاہور میں مدرسہ مشہور ہے۔ لکھنؤ کا پانی بھی پی چکی ہے۔

سُنا ہے کہ عربی، فارسی زبانوں میں بھی مداخلت رکھتی ہے مگر نہیں معلوم کہ شعر کی اصلاح کس سے لیتی ہے۔ یہ شعر اُس کا بہ سبیلِ ڈاک آیا ہے:

لب ہوئے بند نامِ احمد سے   اور مشکل کشا نے کھول دیے

عفّتؔ

عفّتؔ تخلص، نجم النسا نام، باشندۂ لکھنؤ، شاگردِ مقصود عالم مقصودؔ، کا ہے۔ جس کا صرف یہ ہی ایک شعر سُنا گیا، اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا :[۴۹]

ہم جوا ے جانِ جہاں! تُم سے بچھڑ جاتے ہیں   صدمے ہوتے ہیں، قلق ہوتے ہیں، گھبراتے ہیں

علی

علی، میں نے ایک پورب کے طالبِ علم کی زبانی سُنا ہے کہ علی بخش نامی لکھنؤ کی شاہدِ بازاری، صاحبِ دیوان، متموّل ومخیّر، حسینہ وجمیلہ؛ آتش وناسخ کے زمانے میں شعلہ فشاں گزری ہے مگر افسوس کہ اُس نے اس شاعرہ کا صرف ایک مصرع ہی سُنایا تھا، وہی لکھا گیا:

الٰہی! گھر گئے اب کس شتر قطار میں ہم

عیدو

عیدو نامی کسی عورت بازاری دہلوی کا یہ شعر سُنایا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس شعر کو جناب مفتی صاحب بہادر مرحوم آزردہ پسند فرماتے تھے، اور تحقیق ہوگیا ہے کہ اب یہ شاعرہ کسی کے عقدِ نکاح میں ہے:

غنچے کو رگِ گُل کو دکھا مانی سے کہہ دو!   تصویر میں کھینچے دہن ایسا، کمر ایسی

غین منقوطہ کی ردیف

غریبؔ

غریبؔ تخلص اور امیر النسا نام، منکوحۂ میر برکت علی ساکن پٹنہ، کا یہ کلام ہے:

لو! اور وہ تو جلنے لگا میرے نام سے — دل سرد اب تو آہِ شرر بار نے کیا
کھلتا نہ تابہ مرگ مرا یہ معاملہ — رُسوائے شہر مجھ کو دلِ زار نے کیا

....

دل کو در پردہ جلایا مثلِ شمع کیوں غریبؔ! — وہ جو پروانہ ہے غیروں پر، تو ہو، کچھ غم نہ کر
آہ گر دل میں جگہ اُس کے نہیں کرتی تو خیر — اِس قدر بھی مجھ سے اُس محبوب کو برہم نہ کر

فے کی ردیف

فاطمہ

فاطمہ بیگم نامی، آگرہ میں کوئی خانگی اس لب ولہجہ سے سخن سرا ہے:

نازک دماغ وہ ہیں تو یھاں بھی ہے تمکنت (۲۰۹) — ہم خود بھی ایسے ہیں کہ منایا نہ جائے گا

فاطمہؔ

فاطمہؔ تخلص، فاطمہ سلطان بیگم نام معروف بہ اللہ داد، مدرّسہ مدرسۂ زنانہ، کا ہے جو مٹیا محل کے مدرسے میں لڑکیوں کو پڑھاتی ہے۔ فارسی خواں ہے، خلیق بھی ہے۔

ایک روز میرے ایک مہربان نے، جو اُس کو کچھ پڑھاتے بھی تھے، یہ مصرع سُنایا:

آپ کی مرضی ہم نے پالی ہے

اُس نوجوان حاضر جواب نے یوں جواب دیا :

پھر یہ کیوں لیت و لعل ڈالی ہے

فرحتؔ

فرحتؔ، متخلص بہ اسم، کوئی محبوبہ، فرحت بخش فیض آبادی، یوں سخن سرا ہے :

دل میں ٹھنڈک ہو مرے، تُو بھی بنے جب مجھ سا   میں جلوں اور کرے غیر سے یوں گرم بغل

....

دل لگایا ہے تری زُلفِ دوتا سے، کچھ ہو   سانپ کو چھیڑ لیا اب تو بلا سے کچھ ہو
میں نہ چھوڑوں گی سرِ زُلفِ بتاں اے واعظ!   میری کیا تجھ کو پڑی، تیری بلا سے کچھ ہو

فرخؔ

فرخؔ تخلص، فرخ بخش نام، کسی پُوربی، حُسن فروش بازاری کا یہ شعر نظر آشنا ہے:

نگاہِ پاک کی شاید یہی تاثیر ہوتی ہے   ہمارے قتل کی تدبیر بے تقصیر ہوتی ہے

فریدوں

فریدوں نامی میرٹھ کی شاہدِ بازاری، قریب پینتالیس (۴۵) برس کے گزرے کہ دہلی میں آئی تھی۔ حافظ عبدالرحمٰن خاں صاحب کو شعر دکھاتی رہی۔ غدر میں زندہ تھی۔ یہ شعر اُس کا ہے:

اِک ہی زبان رکھو، تو ہم کو زبان دو![۲۱۰]   کرتی ہے رُوسیاہ قلم کو زبان دو

قاف کی ردیف

قادریؔ

قادریؔ، متخلص بہ اسم، جعفری مسطور کی چھوٹی بہن، شاہ نصیر صاحب مرحوم کی شاگردہ تھی،

جس کی یہ غزل ہاتھ آئی ہے:

شرطِ وفا یہ نہ تھی غیر کے گھر جایئے
کچھ تو حیا کیجیے، جی میں تو شرمایئے! (۲۱۱)

تڑپ خدا چاہیے اے بُتِ ترسا! تجھے
عاشقِ رنجور کو اتنا نہ ترسایئے!

لب سے بہم کیجیے اپنے لبِ لعل کو
شرم نہ کچھ کیجیے، چھاتی سے لگ جایئے!

میں ہوں فقط اور تُم، نام نہیں غیر کا
پاؤں مری گود میں شوق سے پھیلایئے!

ہجر میں اے قادری! سخت ہے مضطر یہ دل
ایک دن اُس سے ضرور ملنے کی ٹھہرایئے! (۲۱۲)

قمر

قمر تخلص، حیدری بیگم نام عرف ماہ طلعت صاحب، مرحومہ محلِ واجد علی شاہ صاحب ممدوح الصدر کی یہ یادگاری ہے۔

تنبیہ : اس تحریر کے بعد سُنا گیا کہ یہ قمرِ آسمانِ حسن وخوبی، مولانا ناسخ صاحب کے عقدِ نکاح میں بھی رہی ہے۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں جو میں پنشن یاب ہو کر اپنے مسکن شہر دہلی میں آیا تو بشیر خوش تقریر صاحب سے معلوم ہوا کہ یہ شاعرہ میرزا ہمایوں بخت کی بیٹی، میرزا محبوب علی قوس کی ہمشیرہ، فارسی کے شعر بھی کہتی تھی۔ سنہ ۱۲۸۱ ہجری [مطابق ۵-۱۸۶۴ء] میں راہیِ ملکِ بقا ہوئی۔ واللہ اعلم کہ یہ فقرہ صحیح ہے یا تحریرِ بالا، یا دونوں باتیں صحیح ہوں۔ ہاں، تخلص اور نام میں دھوکا ہو تو عجب نہیں۔ واللہ اعلم بہ حقیقت الحال:

لے گیا قیس پہ بھی فوق تمھارا وحشی
مر کے بھی دستِ جنوں سے نہ گریباں چھوڑا!

....

ہو گئی نیند بھی ہم سایہ کی تا صبح حرام
میں نے نالہ جو کسی رات سرِ شام کیا

....

ہجر میں دل کو بے قراری ہے
جوشِ فریاد و آہ و زاری ہے

آنکھیں پتھرا کے ہو گئی ہیں سفید
کس بُت کی جو انتظاری ہے

قمر

قمر تخلص اور قمر النسا نام، زوجۂ اشرف علی خاں مسرور مبرور کا ہے۔ کہتے ہیں، میاں بیوی میں اس قدر تعشق تھا کہ تین روز کے آگے پیچھے دونو راہی ملکِ بقا ہوئے ہاں! یہ اشعار یادگاری کو چھوڑ گئے:

جسے لوگ کہتے ہیں خورشیدِ رخشاں — شرارہ ہے یہ میرے سوزِ نہاں کا
کریں، کہہ دو منہ بند غنچے سب اپنا — میں لکھتی معما ہوں اُس کے دہاں کا
خطر سے مری آہ کے ایسا بھاگا — پتا لامکاں تک نہیں آسماں کا

....

وہاں حضرتِ دل! تُم کو زیست ہو جاتی — جو تم سے لطفِ سرِ زلف مو بمو کہتی
ہوئی ہوں تشنۂ جامِ شراب اے ساقی! — اُٹھوں گی گور سے "ساقی! سبو سبو" کہتی

کاف عربی کی ردیف

کمّن

کمّن نامی بازار بھرت پور کی کوئی بھٹکیرن، سبزہ رنگ تھی، جس کے سامنے ضلع جگت اور پھکڑ پن میں اچھے اچھوں کی عقل دنگ تھی۔ کہتے ہیں کہ نوشت خواند میں بھی کچھ ملکہ رکھتی تھی۔ بندے کو اس شعر کے سوا اُس کی اَور تحریر ہاتھ نہ لگی:

آہ! میں ہوتی اگر حضرتِ شبیرؑ کے ساتھ — مارتی شمر موے کو کسی تدبیر کے ساتھ

کنیز

کنیز تخلص ہے، فاطمہ بیگم نامی، نصرت الدولہ بہادر لکھنوی کی چھوٹی بیٹی کی لونڈی کا۔ نقل ہے کہ یہ کنیزِ باتمیز پندرہ برس کی عمر میں علوم ضروریہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر شعر گوئی پر مائل ہوئی تھی

اور بیس برس کی عمر میں مرگئی۔ یہ کلام اُس کا ہے :

نقاش نے اُس بُت کا مرے نقش جو کھینچا — ساعد پہ نہ پہنچا تھا کہ جو ہاتھ کو کھینچا

جانتے بھی ہو پری رُو! تم ،کیا کرتے ہو کیا؟ — مارتے ہو، زندہ کرتے ہو، قیامت کرتے ہو

وصل کی شب ہو گا کیا حاصل ہمیں؟ جو ناز سے — جب تلک تم بند کھولو گے، سحر ہو جائے گی

کنیز

کنیز تخلص، منجھو خانم نام، بنتِ حکیم طبیب الدولہ لکھنوی، کا ہے جس نے بارہ برس کی عمر میں یہ رباعی موزوں کی تھی۔ اَور حال اُس کا کچھ معلوم نہیں ہوا:

ہے دستِ الٰہ نام تیرا بادشاہ! — بس غیر کے ہاتھ پہ نہ رکھ میری نگاہ!
تیری ہو کنیز غیر کی دست نگر (۲۱۳) — لاحول ولا قوۃ الّا باللہ (۲۱۴)

نکتہ: اس دو مان کا چوتھا مصرع عروضیوں میں ترانے کا وزن ظاہر کرنے کو ضرب المثل ہو رہا ہے۔ جو چار مصرعے اس وزن کے ہوں، وہ دو بیتی ہی کہلاتے ہیں۔

نکتۂ تحقیق: بندہ نے یہ چو مصرعی بہار سے نقل کی تھی مگر اب دریافت ہوا کہ دراصل یہ تو میر علی اوسط صاحب رشکؔ کا کلام ہے۔ دیکھو اُن کا دیوان جو بنامِ تاریخی نظمِ مبارک ۱۲۵۳ (۲۱۵) [مطابق ۷۔۱۸۳۶ء] کے نام سے مشہور ہے۔

کیفی

کیفی تخلص کی ایک شہزادی تیموریہ خاندان سے تھی جس کا یہ خمسہ حدیث قدسی میں چھپا ہوا ہے۔

چٹکلہ: حدیثِ قدسی کے لفظ پر مجھے اس وقت ایک لطیفہ پاکیزہ یاد آ گیا ہے جو یارانِ ظرافت پسند کو سُناتا ہوں۔ واضح ہو کہ قدسیؔ تخلص کا ایک شاعر شاہ جہاں بادشاہ کے عہدِ دولت میں ملک الشعرا تھا۔ میرزا رفیع السودا نے اُس کے کسی مضمون کا سرقہ کیا اور اُردو زبان میں نہایت پاکیزہ غزل لکھی۔

جب وہ مشاعرہ میں پڑھی گئی، مرحبا و آفرین کا شور و غوغا ہوا۔ اُسی وقت سراج الدین علی خاں آرزو نے فرمایا:

قولِ سودا، حدیثِ قُدسی ہے چاہیے لکھ رکھیں فلک پہ ملک

پس، غزلِ مذکور سے زیادہ اس کی واہ واہی، بل کہ خود سودا بھی اُچھل پڑا۔

حدیث، بات کو کہتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں خاص پیغمبرِ خدا کی بات کو حدیث بولتے ہیں، اور حدیثِ قدسی شرعی محاورہ میں اُن آیاتِ پاک کا نام ہے جو قرآن شریف کے علاوہ ہیں۔

الغرض، حدیثِ قدسی کے نام سے ایک مجموعۂ مخمّسات بھی چھپا ہے، جس میں قدسیِ مذکور کی ایک نعتی غزل کی تضمین، نئے نئے ڈھنگ کی، مختلف شاعروں اُردو، فارسی گو کی جمع کی گئی ہیں۔ گویا وہ بھی ایک تذکرہ ہے۔ [اسی حدیثِ قدسی کا دوسرا حصہ بنامِ صحیفۂ قدسی میرے عنایت فرما شمشیر علی مرحوم نے چھپوا دیا ہے۔] [۲۱۶] اُسی سے یہ خمسہ لکھا جاتا ہے۔ خمسہ:

کس کا منہ ہے جو کرے مدح تری، میرے نبیؐ! نعتِ اطہر میں ہے جب شخصِ ذکی محض غبی
حبّذا ذات تری مایۂ حاجت طلبی مرحبا! سیدِ مکّی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

نور تھا تیرا وہاں نورِ حقیقت سے بہم دیکھ کر موسیِ عمراں ہوئے غش شاہِ اُمم
اور مہرِ رُخِ تاباں پہ ہے کیا ہی عالم منِ بیدل بہ جمالِ تُو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

مہبطِ روحِ قُدس آپ کی ذاتِ والا عرشِ اعظم درِ دولت پہ کہے صلِّ علیٰ
عظمتِ رُتبۂ والا ہو شہا! کس سے ادا نسبتے نیست بہ ذاتِ تُو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تُو چہ عالی نسبی

نُور سے تیرے منوّر ہے زمیں دشت بہ دشت تُوئی بانی ہے بنائے فلکِ زرّیں طشت
نُہ فلک، ہشت جناں کی نہ خوش آئی گل گشت شبِ معراج عروجِ تُو ز افلاک گزشت
بمقامے کہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

حق تعالیٰ نے کیا آپ کو ابرِ اکرام تجھ سے خنداں ہے لبِ غنچۂ اُمید انام

ہیں شجر اور حجر غرقِ سحابِ اکرام نخلِ بُستانِ مدینہ ز تُو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

ذاتِ انور سے بنا سارا جہاں عالمِ نور اور فروغ اُس کے سے ہر خانہ ہے بیت المعمور
ربِّ عزّت کو جو اعزازِ عرب تھا منظور ذاتِ پاکِ تُو دریں ملکِ عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

رُتبہ وہ تیرے سگِ کو کا ہے اے شاہِ اُممؐ! سر بہ پا اُس کے رہا شیرِ فلک بھی ہر دم
رشک افزاے ملائک ہے سواے آدمؑ! نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگِ کوے تُو شد بے ادبی

فرقتِ رُوے مقدّس میں نہیں تابِ حیات زہر پی جاؤں پلائیں جو بہ تابِ حیات
تشنۂ وصلتِ اقدس نہیں سیرابِ حیات ماہمہ تشنہ لبانیم تُوئی آبِ حیات
لُطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی

چشم ہے آپ سے اے شاہِ سرافراز نظر! نظرِ لُطف سے عصات پہ ہو باز نظر
تا کریں خُلدِ بریں پر بھی وہ باناز نظر چشمِ رحمت بہ کشا سوے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطّلبی!

دردِ عصیاں سے ہے بے تاب نہایت کیتی حکمتِ لُطف سے اس درد کے ہو تم ساقی
عازمِ درگہ کیتی ہے مثالِ قدسی سیّدی اَنت حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوے تو قدسی پے درماں طلبی

کاف فارسی کی ردیف

گرتا

گرتاؔ، متخلّص بہ اسم، کسی شاعرۂ لکھنوی کا یہ کلام ایک مہربان کے ذریعے سے ہاتھ آیا، اور کچھ

احوال نہ کھلا۔ ایں ہم غنیمت ست:

یقین کیجیے دولت سرا میں یار نہیں
دلِ طپیدہ کو پہلو میں جو قرار نہیں

نہ مجھ کو دیجیے بوسہ، میں آپ سے لوں گی
میں آپ بھی تو اُٹھاتی کسی کی عار نہیں

بنایا مجھ کو زمانہ نے آخرش چو رنگ
کیا ہے کون سا یاروں نے مجھ پہ وار نہیں

فلک زدہ جو ہے گنتا تو اِن دنوں صاحب
بغور ہم نے جو دیکھا کسی کی یار نہیں

گوہر

گوہرؔ، متخلص بہ اسم۔ دراصل کابل کے کسی رسالدار کی بیٹی ہے۔ خدا معلوم کس سبب سے اپنے والدین سے ناراض ہو کر ہندستان میں چلی آئی۔ لدھیانہ میں امیرانہ بسر اوقات کرتی ہے۔ فارسی تو اُس کی زبانِ مادری ہے، اُردو میں یوں گوہر فشانی کرتی ہے:

عشق کیسا بلا ہوا صاحب!
کس سے کہیے یہ ماجرا صاحب!

غیر اچھا ہے، ہو گا اپنے لیے
ہم کو کہتے ہو کیوں بُرا صاحب!

....

ستم کر! جور کر! ظلم و جفا کر!
پر اے ظالم! کبھی مجھ سے ملا کر!

لجا کر، شرم کھا کر، کسمسا کر
دیا بوسہ مگر کچھ منہ بنا کر

ہمارے دل میں ہے تصویرِ جاناں(۲۱۷)
جو چاہا دیکھ لی گردن جھکا کر(۲۱۸)

مچل جائیں گے طفلِ اشک میرے
نہ حاصل ہو گا کچھ مجھ کو رُلا کر

گوہر

گوہرؔ متخلص، لعلِ بے بہا نام، لکھنؤ کی کسی کسبی کے یہ اشعار میرے پاس آئے ہیں:

حسرت و یاس و الم اور غمِ تنہائی ہے
اپنی قسمت میں یہی انجمن آرائی ہے

تھا ابھی ذکر تمھارا کہ ابھی تُم آئے
میری تاثیرِ زباں کھینچ کے لے آئی ہے

مژدہ اے شوقِ ہم آغوش! کہ جاگے ہیں نصیب
لے کے انگڑائی وہ کہتے ہیں کہ "نیند آئی ہے"

....

روح پیاسی گئی کس مست کی مے خانے سے   مے اُڑی جائے ہے ساقی! ترے پیمانے سے (۲۱۹)
مل گیا بُت خانہ بھلے کو زاہد!   کعبہ کو جا ہی چکا تھا ترے بہکانے سے

گیتی آرا (۲۲۰)

گیتی آرا، متخلص بہ اسم، ساکن پہاڑ گنج واقع دہلی۔ فارسی خواں ہے۔ گو عام پیشہ کرتی ہے مگر اپنے تئیں شہزادی بتاتی ہے۔ یہ شعر اُس کا سُنا گیا:

ہم نشیں ہیں وہ کہاں کوئی ٹھکانا نہ رہا   یا ہمیں وہ نہ رہے یا وہ زمانہ نہ رہا

لام کی ردیف

لطیف

لطیف تخلص، لطیف النسا نام، عظیم آبادی کا اس زبان میں یہ کلام ہے جس کا ذکرِ خیر اسی کتاب کے پہلے حصہ، یعنی گلشنِ ناز میں لکھا گیا:

یہ طفلِ اشک مرے جس گھڑی مچلتے ہیں   تو پھر ہزار سنبھالو نہیں سنبھلتے ہیں ؎

....

یقیں نہ والّلیل پر کریں گے جو تیرے گیسو نہ دیکھ لیں گے
رہیں گے مصحف سے بل کہ منکر جو تیرے رُو کو نہ دیکھ لیں گے

لطیف

لطیف، یہ دوسری لطیف مزاج ہے جس کا نام اللہ جوائی اور پٹنہ وطن ہے۔ ان دنوں یہ رقاصہ محبوبۂ بازاری علی گڑھ میں مقیم ہے۔ دربار قیصری کی تقریب میں وارد دہلی ہوئی تھی تو معلوم ہوا کہ کسی قدر حرف آشنا بھی ہے۔ یہ شعر اُس کا ہے:

آنے کا اُس پری کے مجھے اشتباہ ہے ۔۔۔ دروازے کی طرف مری ہر دم نگاہ ہے

لعلن

لعلن، سنہ ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے سہارن پور کی دو رنڈیاں لالن [۲۲۱] اور خیرن نامی وارد دہلی ہوئیں جو گانے میں اچھی دست گاہ رکھتی تھیں۔ ازاں جملہ لالن کے یہ دو شعر امیر خاں گوئیے دہلوی نے، جو اُس وقت اُن کا سنگتی تھا، مجھے سُنائے ہیں:

جلوہ گر جب سے ہوئی اُس غنچہ دہن میں لالی ۔۔۔ شرم سے چُھپ گئی مرجان کے بن میں لالی

بعدِ مشکیں میں پڑا شوخ کے دھاں سُرخ موباف ۔۔۔ آ گئی عکس سے یاں سانپ کے من میں لالی

میم کی ردیف

ماہ

ماہ تخلص کی دو عورتوں کا کلام ملا ہے۔ ایک کا نام منجھلی بیگم تھا جو دتی کی خانگی تھی۔ طرزِ تحریر اُس کی یہ ہے:

ماہ کاہیدہ ہوا جاتا ہے ابرو دیکھ کر ۔۔۔ دیکھ لو! بن کر کے نکلا آج وہ شکلِ ہلال

ماہ

دوسری کا نامِ نامی اُس کے جمال کی مانند پردۂ عصمت ہی میں مستور رہا۔ الّا، اس قدر معلوم ہوا کہ اس ماہ نکوئی نے اپنے پیر میاں غلام نصیر الدین صاحب عرف میاں کالے صاحب دہلوی [۲۲۲] مرحوم مغفور کی وفات کے بیس روز بعد رحلت فرمائی، لاہوری دروازہ کے باہر خاص اپنے باغ میں مدفون ہوئی۔

اس فاضلہ نے ایک دیوان فارسی زبان میں، دوسرا اُردو میں مرتب کیا تھا لیکن غدر میں اُس

کا کُل کلام برباد ہو گیا۔ اب بہ ہزار تجسّس صرف ایک شعر مستزاد کا اُس کے ایک رشتہ دار نے اپنی یاد سے لکھوا دیا ہے۔ وہو ہٰذا:

ماہ کے دل میں جو ترا نقشِ محبّت ہے یار! نہ مٹے گا وہ کبھی
باغِ جنّت بھی کوئی دیوے تو درکار نہیں تیرے کوچہ کے سوا

ماہ لقا

ماہ لقا نامی ایک رنڈی، طوائف، ملازمانِ راجا چندو لال صاحب مرحوم مغفور کھتری نائب الریاست حیدر آباد دکن سے، صاحب دیوان تھی۔ [میں کہتا ہوں، یہ وہی چندا ہے جو پہلے لکھی گئی ہے۔](۲۲۳)

ایک روز راجا صاحب نے صُبح کے وقت اُس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:۔

ہے چین کہاں جب سے مری آنکھ لڑی ہے ملنے کی، نجومی! تو بتا کون گھڑی ہے؟

اس شوخ دیدہ، دہن دریدہ، حاضر جواب نے فوراً یہ شعر بدیہہ موزوں کر سُنایا:

پہلے ہی سے چلّا کے مرے دل کو ستا مت! اے مُرغِ سحر! چُپ رہ! ابھی رات بڑی ہے

مبارک

مبارک، آپ کا اسمِ مبارک سُرادقِ عصمت و تُتُقِ عفت میں جلوہ نما ہے۔ آپ کی آلِ مبارک سے ایک مبارک فال نے صرف یہی ایک مقطعِ مبارک سُنایا اور فرمایا کہ ایک دفعہ جناب مبارک نے ایک مکان خریدا جس پر حقِ شفع والوں نے دعوا کیا تو زبانِ مبارک سے ایک غزل موزوں ہوئی جس کی اخیر بیت یہ ہے:

گھر لینا مبارک کو یا رب! یہ مبارک ہو! بے فائدہ لوگوں کو ناحق کی جلن آتی ہے

یقین ہے کہ آپ نے شاہ نصیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مشورۂ سخن کیا ہو۔

تنبیہ: اس کتاب کے اوّل دفعہ طبع ہونے کے بعد تحقیق ہوا کہ آپ کا نامِ نامی مبارک النسا

بیگم تھا۔ آپ شاہ نجم الدین صاحب صغیرؔ مرحوم خلف شاہ نصیرؔ صاحب مغفور کی زوجۂ نامی تھیں۔ سنہ ۱۸۸۴ء تک آپ کی ذاتِ مبارک سے کعبہ اللہ شریف کا کوئی حُجرہ آباد ہے۔ گیارہ بارہ برس کا عرصہ ہوا کہ آپ دہلی سے ہجرت کر گئی ہیں۔ بیش تر عارفانہ شعر موزوں فرماتی رہیں۔ یہ کلام اُن کا اور ملا ہے:

مجھے کیا خوفِ محشر ہو مبارکؔ! دن قیامت کے — پکڑلوں گی میں گوشہ دامنِ خاتونِ جنّت کا
عذابِ گور کی سختی الٰہی! کیوں کہ جھیلوں میں؟ — تھکا ہارا ہوا آیا ہوں میں پہلی ہی منزل کا(۲۲۴)

محبوبؔ

محبوبؔ تخلص، نواب محبوب محل بیگم صاحبہ، منکوحۂ حضرت واجد علی شاہ صاحب بہادر کی یہ غزل سراپا سخن سے نقل کی جاتی ہے:(۲۲۵)

اُٹھا سکی نہ مصیبت فراقِ یار میں روح — نکل گئی تنِ لاغر سے انتظار میں روح
ہزار مرتبہ تجھ پر سے میں فدا کرتا — اگرچہ ہوتی مرے پیارے! اختیار میں روح
جو آنا ہو تجھے مدِّ نظر تو آ ظالم! — نکل نہ جائے کہیں تیرے انتظار میں روح
نہ نکلی حسرتِ دل ایک بھی کہ موت آئی — ہمیشہ تڑپے گی تیرے لیے مزار میں روح
نہیں ہے گور کی تنگی سے کچھ ہمیں وحشت — رہے گی بعد فنا کے بھی کوے یار میں روح
جو آئے نزع کے بھی وقت وہ مسیح جمال — مریضِ ہجر کی آ جائے جسمِ زار میں روح
ترے فراق میں یوں زندگی گذرتی ہے — ہے کرب قلب کو پیارے! اور اضطرار میں روح
ہے آرزو ترے ہاتھوں سے قتل ہوں میں بھی — لگی ہوئی ہے تری تیغ آب دار میں روح
اُسی کے حکم میں ہے موت و زندگی محبوبؔ! — حقیقتہً ہے دلا! دستِ کردگار میں روح

مخفیؔ

مخفیؔ تخلص اور سلطان جہاں بیگم نام اُس مرحومہ مغفورہ کا ہے جو صاحبِ عالم میرزا قادر بخش

صاحب صابرؔ کی (جن کے نامِ نامی سے تذکرۂ گلستانِ سخن ممتاز ہے) محلِ خاص با اخلاص تھی۔
اگرچہ بیگم صاحبہ کا کلام بہت کچھ ہے مگر مجھے ایک شہزادۂ والا تبار نے یہی دو شعر عطا فرمائے ہیں:

لُوٹھائی ئے کہ پئیں خفتگانِ خاک شراب قسم خدا کی عسس کو بڑا صواب ہوا

....

خدا جانے کیا بات ہے اُس میں مخفیؔ ! کہ اس ظلم پر جی کو بھاتا بہت ہے

مشتریؔ

مشتریؔ تخلص ہے اُس زُہرہ جبیں کا جس کا مشتری ہر ایک عطارد خصال ہے مگر قمرن جان اُس کا نام ہے، شہر لکھنؤ کے چوک میں اس کا جائے قیام ہے۔ یہ لولی لکھنوی بھی مثل اپنی [بہن] زہرہؔ کے، آغا شمسؔ صاحب کی شاگردی پر نازاں ہے، ہر طرح سے شاداں و فرحاں ہے۔

گو ان دونوں رنڈیوں پر ہر طرف سے بوچھاڑ رہتی ہے، پر اُن کی طرف سے بھی گوہار رہتی ہے، چناں چہ ایک اخبار میں منشی گنیش داس صاحب لائقؔ سابق ملازم راج پٹیالہ کے نامِ نامی سے ایک غزل دیکھی گئی جس میں یہ شعر بھی تھے:

ہم رشکِ شمسؔ، زہرہؔ جبیں کے ہیں مشتریؔ خوبوں سے یوں بھرا ہوا گو لکھنؤ تو ہو
شاگردِ شمسؔ، زہرہ ہو یا ہووے مشتریؔ لکھے اِک اس زمیں میں غزل دو بدو تو ہو

مگر دریں ولا، ایک خط اُن کی طرف سے بہ اسمِ گرامی میاں داد خاں صاحب سیاحؔ صاحب لطائف غیبی جو مشتہر ہوا تھا، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اب کچھ یہ کج رفتاریں راہِ راست پر آ گئی ہیں جو ایسی ملائم باتیں بنا رہی ہیں۔

اب بندہ ان جھگڑوں کو چھوڑ کر مشتریؔ کی وہ غزل لکھتا ہے جو خاص اس تذکرہ کے واسطے بہ سبیلِ ڈاک آئی ہے:

پہلو میں ہمارا دلِ ناشاد نہیں ہے ویرانہ تنِ ہجر میں آباد نہیں ہے
کافی ہے رگِ جاں کے لیے نشترِ مژگاں عاشق کو ترے حاجتِ فصّاد نہیں ہے
کس وعدہ فراموش کو دل دے دیا ہم نے اللہ رے نسیاں کہ ذرا یاد نہیں ہے

کاشانۂ دل میں ہے کہاں ساقیِ مے کش؟ شیشے میں ہمارے وہ پری زاد نہیں ہے
کافی ہے ترا حلقۂ گیسو عوضِ طوق گردن مری منّت کشِ حدّاد نہیں ہے
وہ سبز قدم ہے یہ مبارک ہے سراپا قامت کے مقابل ترے شمشاد نہیں ہے
اے طائرِ جاں! پھیر سے کر اس میں بسیرا یہ خانۂ تن، خانۂ صیّاد نہیں ہے
شاید کسی محرور کا ہے آبلۂ دل یہ گنبدِ چرخ ستم ایجاد نہیں ہے
اے بانیِ بے داد! کچھ انصاف بھی ہے شرط یہ جانِ حزیں قابلِ بے داد نہیں ہے
وہ دشت میں تھا، میں صفتِ گرد جہاں میں مجنوں میرا شاگرد ہے، اُستاد نہیں ہے
وھاں حسنِ خداداد ہے، یاں عشقِ خداداد کم اُن سے کبھی عاشقِ ناشاد نہیں ہے
فرماتے ہیں وہ سُن کے مرا شکوۂ فرقت سرکار میں شنوائیِ فریاد نہیں ہے
کھینچے سرِ مُو زلفِ سیہ تاب کا نقشہ تابِ قلمِ مانی و بہزاد نہیں ہے
کس سے کہوں کوہِ غم و وحشت کی میں اُفتاد افسوس! کہ مجنوں نہیں، فرہاد نہیں ہے
اس صفحۂ دل پر ہے تری آنکھ کا نقشہ کچھے نظری جس کو یہ وہ صاد نہیں ہے
کہنے کو تو سب کہتے ہیں اے مشتری! اشعار لیکن کوئی اب مخمس سا اُستاد نہیں ہے

معشوق

معشوق تخلص ہے، حیدری خانم فیض آبادی کا جس کا صرف ایک شعر پسندیدہ لکھنؤ سے آیا ہے:

پان کھا کر جو کہیں تھوک دیا اُس گل نے رشکِ یاقوت بنے باغ کے کنکر پتھر

مغل

مغل تخلص، بیبا جان نام، مشہور بہ مغل جان بنتِ امیر بیگم، کا ہے (جو پنڈت گلاب سنگھ کشمیری کے گھر میں تھی اور اُس کی وفات کے بعد ساری عمر تائب رہی۔ اس عورت کے پنڈت مسطور سے، جو مرتے وقت کلمہ پڑھ کر مدفون ہوا، چار لڑکیاں اور دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ازاں جملہ یہ مغل اُس

کی پیٹ پوچھن ہے)۔

ایک بہن اُس کی معروف بہ بیگم جان، جو سیّد امیر صاحب خوش نویس دہلوی عرف میر پنجہ کش کے گھر میں پڑ گئی تھی اور بعدِ وفاتِ سیّد مرحوم، غدر ہی کے زمانہ میں رحلت کر گئی۔ اس کی بیٹی ولایت نامی ناچنے میں خوب مشاق ہوئی مگر مسکرات کی عادی ہو کر ذلیل و خوار رہی۔ اب اُس کی لڑکی بگہ نامی، عنفوانِ جوانی میں تعلیم پا رہی ہے۔ دوسری ایک نواب زادۂ دہلوی مغل بچّے کے نکاح میں رونق افروزِ رام پور[۵۱] ہے اور اُن کا نسب نامۂ مادری بھی مغلوں ہی سے ملتا ہے۔ صرف امیر بیگم ہی گردشِ زمانہ سے پنڈت کے ہاتھ آ گئی تھی مگر بعد [میں] تو یہ خانگیوں کا ڈیرا خوب مشہور ہوا، ناچنے گانے کا بھی چرچا پھیل گیا۔ املی والی پہاڑی پر ایک مکان رفیع الشان بنوالیا، رتھ اور پالکی خریدی، سب طرح کی نام وری حاصل کی۔

تیسری عمدہ جان[۵۲] نامی جو میرے ایک عنایت فرما سے آشنائی رکھتی تھی، اپنی جوانی کے زمانے میں اچھا گاتی تھی۔ اب اپنی لڑکی زہرہ[۵۳] نامی عرف محبوبن کو تعلیم دلوا رہی ہے۔ (اور ہاں، یہ نو خیز کچھ فارسی بھی پڑھتی ہے، چناں چہ آج کل گلستاں کا سبق لیتی ہے اور گاتی بھی مزے سے ہے۔ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'')۔

الغرض، یہ مغل خانگی کہلاتی ہے۔ اُس نے پیشۂ عام کو طرح دے، ناچ مجرے کو سلام کر، فقط ستار ہاتھ میں لے، اپنے خواہندہ کا پہلو برسوں گرم کیا، اور کسی سے کچھ سروکار نہ رکھا، مگر سنہ ۱۸۷۷ء کے شروع سے وہ بھی کسی سبب سے کنارہ کر گیا تو یہ ثابت قدم روزہ نماز کی پابند ہوئی، مسکرات و منہیات سے، سوائے زردے کے سب ترک کر بیٹھی۔ ہاں، وہ وفا شعار بھی اس قدر سلوک کرتا[۵۴] رہتا ہے کہ اُس کے کھانے پینے کو کافی ہوتا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے یہ کسی دوسرے کی محتاج نہیں ہے۔ اپنے لواحقوں کے شامل، گزارہ کر رہی ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ اس نیک نیتی کا اُس کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

بہرکیف، یہ دو تین غزلیں اُس کے نام کی ہیں:

جستجو تیری مجھے بعد از فنا تھی، میں نہ تھا ‌‌ روح میری طائرِ قبلہ نما تھی، میں نہ تھا

نعشِ خوں آلودہ میری کیوں نہیں کی پائمال — پانو لگنے کو ترے کیا بس حنا تھی، میں نہ تھا
میرے ہوتے غیر کو تُو نے بلایا کس لیے؟ — او بُتِ کافر! یہ کیا طرزِ جفا تھی؟ میں نہ تھا
جب کہ اُس قاتل نے قتلِ عام پر باندھی کمر — وائے ناکامی کہ وھاں خلقِ خدا تھی، میں نہ تھا
برگِ پان و ہارِ گل تھے اور مے و جام و گزک — سب طرح کی اُس کی محفل میں فضا تھی، میں نہ تھا
زُلف کے بوسے پہ ناحق مجھ پہ برہم ہو گئے — یہ دلِ سودائی کی پیارے! خطا تھی، میں نہ تھا
شاخِ گُل گلشن میں اُس پر اس طرح دوڑائے ہاتھ — اے مغلّ! کیا کیجیے، اُس گُل کا ساتھی میں نہ تھا

غزلِ دیگر

حال دل کا کروں جو کچھ اظہار — واجب الرّحم سمجھے وہ دل دار
لیک ہے مُہرِ خامشی لب پر — چُپکا بیٹھا ہوں مثلِ نقشِ چدار
ہے توقّع یہ اپنے نالوں سے — جلد ہوں سینۂ عدُو کے پار
دیکھیے کب خُدا ملاتا ہے؟ — یار کو یار سے دوبارہ یار!
رات دن اے مغلّ! تصوّر میں — مثلِ بُلبل رہوں ہوں زار نزار

دیگر

بے وفائی نہ کر! خُدا سے ڈر! — خودنمائی نہ کر! خُدا سے ڈر![۵۵]
بحرِ اُلفت کی انتہا ہے کہاں؟ — آشنائی نہ کر! خُدا سے ڈر!
بے وفاؤں سے کیا وفا ہو گی؟ — آشنائی نہ کر! خُدا سے ڈر!
ظاہری زُہد کو بھی دیکھ لیا — پارسائی نہ کر! خُدا سے ڈر!
ہے حیا دین و دُنیا کی زینت — بے حیائی نہ کر! خُدا سے ڈر!
کیوں جلاتا ہے اور مارتا ہے — بُت! خُدائی نہ کر! خُدا سے ڈر!
دستِ نازک کا کچھ خیال تو رکھ! — یوں کلائی نہ کر! خُدا سے ڈر!
باز آ ظلم سے تُو ختیاطن! — یہ سلائی نہ کر! خُدا سے ڈر!
وہ بُرا ہے تو اُس کو ہونے دے — تُو برائی نہ کر! خُدا سے ڈر!

مکھنوں سے منا رہا ہے وہ اب ڈھٹائی نہ کر! خدا سے ڈر!
ہے مقتل رات دن ترے قرباں اب جدائی نہ کر! خدا سے ڈر!

منوّر

منوّر تخلص ہے، منوّر بخش نام، لکھنوی، مقیم حال جونا گڈھ کا۔ سنا ہے کہ اچھے شعر کہتی ہے لیکن اُس کا کلام ہاتھ نہیں آیا۔ صرف ایک مصرع سُنا گیا ہے جو اُس نے اپنے نام کے سجع میں کہا ہے۔ وہی لکھا جاتا ہے۔ اَور کچھ احوال اس کا دریافت نہیں ہوا :

یا الٰہی! دلِ منوّر بخش!

منّو

منّو تخلص ہے، منو جان نام، سکنۂ کرنال کا جو موزونی طبیعت سے کبھی کبھی شعر موزوں کرتی ہے:

تُو نے کر دیکھا ہر اک سے بُتِ رعنا! اِخلاص جب ہوا نقش ترے دل پہ ہمارا اخلاص

....

تُم سنو یا مت سنو اے جانِ من! پر دُعا ہر صبح دے جاتے ہیں ہم

مہتاب

مہتاب، متخلص بہ اسم۔ کسی بریلوی عورت بازاری کا یہ شعر نگاہ سے گزرا ہے:

دل اُٹھاتا ہے مرا جور و جفا کیا کیا کچھ آہ! کرتا ہے وہ عیار دغا کیا کیا کچھ

مہر

مہر تخلص، جینا جان نام عرف کالی، سکنہ کرنال کے یہ شعر دست یاب ہوئے ہیں :

وقتِ نزع بالیں پر مرے آئے تو کیا آئے　　دمِ آخر جو تم کو ایک دم دیکھا تو کیا دیکھا

....

یوں چمکتا داغ ہجراں مہر کے سینہ میں ہے　　جس طرح فانوس میں ہو زیرِ پیراہن چراغ

....

ہم کو سینے سے لگانا چاہیے　　غیر کی چھاتی جلانا چاہیے

نون کی ردیف

ناز

نازؔ ـــــ اس تخلص کی چار نازنینوں کا کلام ملا ہے جو بے کم وکاست لکھا گیا ہے۔

اوّل: بے جان نامی شاہدِ بازاری، فرخ آبادی، یوں مترنم ہے:

زُہرہ بلائیں لینے لگی آسمان پر　　توڑا لیا جو ناچ میں اُس نے اُٹھا کے ہاتھ

ناز

دومی: دلّی والی گمانی خانم کی بیٹی، بنامِ گیتی آرا بیگم (۲۴۷) ہے جو نہایت شوخ مزاج، بڑی چالاک، زبان دراز، چال باز، چلتی اوزار، رنڈیوں میں مشہورِ روزگار ہے۔ اُس نے دلّی کے ایک رئیس کی ہجو بھی ناموزوں، موزوں کی تھی۔ یہ عورت کبھی کسی کے گھر میں بیٹھ جاتی ہے، کبھی پیشے پر کمر باندھتی ہے۔

سنہ ۱۸۷۶ء کے شروع میں یہ شاعرہ جے پور چلی گئی۔ وہاں سے اُس کے کچھ شعر لالہ کنھیّا لال صاحب وحشی صاحبِ جواب الجواب تذکرۂ گلشنِ بے خار، لائے۔ کچھ پہلے میرے ہاتھ آئے تھے۔ وہ سب نذرِ احباب ہیں:

وصالِ یار کا ساماں جہاں بنا بگڑا　　ہمارا کام یوں ہی ہر زماں بنا بگڑا

تمھارے پانو کے ناخن کی ہم سری نہ ہوئی ہلال لاکھ سرِ آسماں بنا بگڑا

....

ہمارے عین لکھنے پر ہزاروں صاد کرتے ہیں یہ اُن کی عین عنایت ہے کرم ایزاد کرتے ہیں (۲۲۸)

....

تُم تو اترا گئے جفا کر کے ہم نے مارا نہ دم وفا کر کے
ہم نے دکھلا دیا کمالِ عشق ابتدا ہی میں انتہا کر کے

....

غلط فہمی ہے اپنی، آپ کو ہم باوفا سمجھے بڑا دھوکا ہوا ناآشنا کو آشنا سمجھے
مرا دل زُلف کو زنجیر یا دامِ بلا سمجھے ہزاروں پیچ ہوں جس میں اُسے انسان کیا سمجھے
تمھیں ہم دوست سمجھے دوست کو ناآشنا سمجھے ہمی نادان تھے صاحب! جو تم سمجھے، بجا سمجھے (۲۲۹)

تاؔز

سومی: ایک شہزادی تیموریہ خاندان کی، پیروِ مذہب امامیہ، دہلی میں عمر رسیدہ موجود ہے۔ غدر سے پہلے جوانی کی ترنگ میں شعر کہتی تھی۔ اَب جو دو چار یاد تھے، خود لکھوا دیے ہیں اور وہ یہ ہیں:

شور ہے اُس کی بے وفائی کا بس نہیں چلتا دھاں رسائی کا
دامِ زُلفِ سیاہ اُس کی سے نہ بنا کوئی ڈھب رہائی کا
کر غلامی علی کی تُو، اے تاؔز! ہے اگر دھیان بادشاہی کا

....

مجھ سے روٹھا وہ یار جانی ہے جان جانے کی یہ نشانی ہے

تاؔز

چھارمی: امیر جان بنتِ گوہر جان، لکھنوی کی یہ غزل موصول ہوئی ہے:

اپنے پہلو میں جگہ دی سرِ محفل مُجھ کو دل دہی یار نے کی دیکھ کے بے دل مُجھ کو

اُلفتِ یار سے بس ہوگا یہ حاصل مُجھ کو
خاک میں خوب ملائے گا مرا دل مُجھ کو
لے گیا بام پہ وہ حور شمائل مُجھ کو
آج معراج کا رُتبہ ہوا حاصل مُجھ کو
کر کے تیغِ نگہِ ناز سے بسمل مُجھ کو
دیر تک غور سے دیکھا کیا قاتل مُجھ کو
جس کا دیوانہ و سرگشتہ پھرا کرتا ہوں
اُسی لیلیٰ کا دکھا دے کوئی محمل مُجھ کو
اور مہماں ہوں کوئی دم کا ذرا ٹھیرو تو
کیا چلے جاؤ گے اب چھوڑ کے بسمل مُجھ کو؟
بدگماں ہو تو قسم کھانے کو میں حاضر ہوں
کیوں اُٹھانے نہیں دیتے ہو حمائل مُجھ کو؟
ہجر میں اُس یمِ خوبی کے ہوا یہ نقشہ
دل رُلایا کیا پہروں لبِ ساحل مُجھ کو
سبب گریہ میں اُس بحرِ کرم سے کہتا
گر خدا کرتا عنایت لبِ ساحل مُجھ کو
گرمیاں یار نے کیں غیر سے میرے آگے
صفتِ شمع جلایا سرِ محفل مُجھ کو
چشمِ احباب میں افزوں مری عزت ہو جائے (۲۳۰)
تُم جو تُو کہ کے پکارو سرِ محفل مُجھ کو
نالہ و آہ و بُکا، کاہشِ دل، داغِ جگر
اُس قمر کی ہوا اُلفت میں یہ حاصل مُجھ کو
زُلفِ پُرپیچ کا دیوانہ سمجھ کر حدّاد
موسمِ گُل میں پنھاتے ہیں سلاسل مُجھ کو
اور بھی بعدِ فنا مرتبۂ عالی ہو
گر کرے اپنے شہیدوں میں وہ داخل مُجھ کو
قیس کی شکل سے مجنوں کسی لیلیٰ کا نہیں
دل لیے جاتا ہے کیوں جانبِ محمل مُجھ کو
نازؔ! احباب کی خاطر سے کہی میں نے غزل
گو کہ دیتا تھا اجازت نہ مرا دل مُجھ کو

نازکؔ [۵۶]

نازکؔ تخلص، زینت جان نام ایک عورت اسی شہر کی، نزاکت فروش بازاری، سنہ ۱۸۴۷ء میں موجود تھی۔ جس کا یہ کلام ہے۔ اغلب ہے کہ اب رحلت کر گئی ہو:

یاد آتی ہے اُن آنکھوں میں آمد وہ نشہ کی
ساقی مے گُل رنگ سے جب جام بھرے ہے
ہے نالہ و زاری کا مرے شور فلک تک
پر وہ بُتِ گل فام کوئی کان دھرے ہے

نازکؔ

نازکؔ، یہ دوسری نازک اندام، سیہ فام، فتن جان نام، خوش خرام، شیریں کلام ہے، جو میرزا شاہ رُخ بہادر مرحوم کی گائنوں میں تھی۔ وہاں سے امام خاں گوئیے کے ذریعہ سے منا جان والدۂ فتن جان رقاصۂ متوفّی کے ڈیرے میں آئی اور ناچنے گانے میں مشہور ہوئی۔

یہ شاعرہ اکثر لکھنؤ کے ڈھنگ برتتی ہے۔ مثنوی بہارِ عشق کو بہت ہی مزے سے پڑھتی ہے، اور اس مسدس کو خوب ہی ادا کرتی ہے: ـ

مشہور ہے کہ تھا کوئی ایک خواجۂ مصحفیؔ الخ

چال بازبھی ایسی ہی بنی کہ اپنا ثانی نہ رکھا۔ سُنا ہے کہ اُس نے کبھی تماش بین کو خرچی چکا کر نہیں رکھا مگر دو چار روز کے بعد اُس پر وہ چھپّر رکھا کہ سر نہ اُٹھا سکا۔ جو اُس کے پنجہ میں پھنسا، اُس کے چھکّے چھوٹ گئے۔ اس آفت جاں کی بدولت ایک دو بے چارے مارے بھی گئے۔ بعض اس کی کھکھیڑ سہارے گئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس بہروپن نے بنارسی شہزادی کا بھیس بنایا اور دلّی کے ایک رئیس زادہ ہندو کو، جو رنڈیوں سے متنفر اور چھنالوں کی طرف مائل رہتا تھا، دامِ تزویر میں پھنسایا۔ اب تو پو بارہ ہو گئے، ہزاروں کے وارے نیارے ہو گئے۔ ہفتہ عشرہ میں خود ہی راز فاش کر دیا، اُس سادہ لوح کو چٹخا دیا۔ باوجود ایسی چالاکیوں کے یہ دل رُبا، دل فریب اپنے آشناؤں کی ایسی خاطر مدارات کرتی ہے کہ جس کی نظیر میں نے اور کوئی نہیں سُنی۔

غرض یہ کہ اس زمانہ میں یہ پوری بیسوا ہے۔ یہ مثَل شاید اُسی کے واسطے درست ہے:

”آن سے مارے، تان سے مارے، ران سے مارے، جان سے مارے“

مہاراجا شودان سنگھ بہادر مرحوم مغفور والیِ الوَر کے لڑکا پیدا ہوا تو اس رقاصہ نے بھی جا کر مجرا کیا اور اپنی چرب زبانی و شیریں کلامی سے مہاراجا صاحب کو ایسا مائل کیا کہ ہر روز کی حاضری کا حکم لیا۔ وقتِ خواب عرصے تک مثنوی سُناتی رہتی تھی، یوں مشتاقوں کو لبھاتی رہتی تھی۔ وہیں چند اشعار، جلسۂ مذکور کے بیان میں موزوں کر سنائے۔ منجملہ اُن کے چار شعر مجھے بھی لکھوائے ہیں مگر اب تو یہ مثَل ہے کہ ”نو سو چوہے کھا کے بلّی حج کو چلی“، یعنی ممنوعاتِ شرعی سے توبہ کر ایک مسلمان

کو گھیر لیا ہے۔ گو بظاہر نکاح نہیں کیا لیکن نکاح کی شرطیں پوری کر رہی ہے۔ مسئلہ مسائل کی کتابیں بھی پڑھ رہی ہے۔ کلام اللہ بھی پڑھی ہوئی ہے۔ کسی قدر زبانِ فارسی سے بھی آشنا ہے۔

المختصر، یہ شعر اُس کے ہیں جو اُس نے خود لکھوا دیے ہیں:

کہتا ہوں میں خدا سے یہ اب ماجرائے دل   ایسا نہ ہو کہ میرا کسی بُت پر آئے دل
ڈرتے رہو خدا سے بُتو! ظلم مت کرو!   ایسا نہ ہو کہ تُم کو کوئی دے سزائے دل
بس جائیے یہاں سے! نہ باتیں بنائیے!   تلووں سے مَل کے پھینکیے جو ایسا ستائے دل
نازکؔ! شبِ فراق میں اتنا نہ روئیے!   اشکوں کی جا نکل نہ پڑیں لختِ ہائے دل

....

جلوہ گری سے رونق پر یہ جلسہ وہ لاثانی ہے   چکّر میں ہے جس سے فلک ہر اختر کو حیرانی ہے
کوئی وسنتی اوڑھے چادر، کوئی دوشالہ سُرمی سر پر(۲۳۱)   سُرخ کسی کا جوڑا ہے، پوشاک کسی کی دھانی ہے
آج ہے یہ اُس عقدہ کشا کے لختِ جگر کی سال گرہ(۲۳۲)   ہو گئی جس کے باعث سے دل بستوں کی آسانی ہے
بزمِ طرب آراستہ یہ کیا قاعدہ اور آداب سے ہے   والیِ الور کا ہے سُنا دربار بھی سلطانی ہے(۲۳۳)

نجیبنؔ

نجیبنؔ، اس تخلص کی ایک عورت کا کلام ایک عنایت فرمانے عنایت فرمایا، اور کچھ حال نہ بتایا:

چشمِ بددور! گر یہی ہے آنکھ   دل جگر مَیں تو دونوں کھو بیٹھی
ہو گئی دو جہاں میں وہ بھی غنی   تکیہ کر کر خدا پہ جو بیٹھی

نجیبنؔ

نجیبنؔ، متخلص بہ اسم۔ دہلی کے اُردو بازار کی رونق انگیز تھی۔ جس کی گفت گو ضلع وجگت، بلکہ پھکڑ آمیز تھی۔ سُنا ہے کہ اُس نے ایک غزل پان کے تلازمے پر لکھی تھی جس کا ایک شعر کسی مہربان نے سُنایا، وہی درج اوراق ہوا:

ٹک دیکھو، بعد مرگ مرے انتظار کو ۔۔۔ نرگس نے چھا لیا ہے ہمارے مزار کو

نزاکتؔ

نزاکتؔ اس موزوں تخلص کی مصداق تین نزاکت شعاروں کی حقیقت اس جگہ اپنی نزاکتِ ظاہری و باطنی سے جلوہ گری کرتی ہے۔

اوّل: وہ نزاکتؔ تخلص، رجو نام، نارنول کی بُتِ بازاری، ستم شعاری ہے جو شیفتہ مرحوم، صاحب گلشنِ بے خار کی دوست داری سے شاعری میں نام پا گئی۔ انجامِ کار حضرت سلطان جی صاحب کے قدموں میں جا مدفون ہوئی اور جنگلو نامی اس کی دوسری بہن، میر رحم علی مختارکارِ عدالتِ فوجداری کے گھر میں پڑ گئی تھی۔

یہ دونوں خانگیاں یکتائے زمانہ مشہور تھیں۔ چرخہ والوں میں ان کا مکانِ عالی شان اب تک موجود ہے جس کو لالہ چھمین نرائن صاحب ساہو کار کھتری اور حکیم احسن اللہ خاں صاحب بہادر مرحومین مرۃ بعد اُخریٰ خرید فرما کر اپنے اپنے تحت و تصرف میں لا چکے ہیں اور غدر کے بعد ایک برنچ اسکول بھی اس میں جاری ہوا تھا۔ اب اس کی متصل ایک مشن اسکول کی شاخ ہے۔

الحاصل، رجو کا یہ کلام ہے:

بس کہ رہتا ہے یار آنکھوں میں ۔۔۔ ہے نظر بے قرار آنکھوں میں
محفلِ گُل رخاں میں وہ گُل رُو ۔۔۔ لے گیا دل ہزار آنکھوں میں
سُرمۂ خاکِ پا عنایت ہو! ۔۔۔ آ گیا ہے غبار آنکھوں میں
یاد آئے کمر جو گلشن میں ۔۔۔ ہو رگِ گُل بھی خار آنکھوں میں

....

کہیے جو رقیبوں کی برائی تو کہے وہ ۔۔۔ "ہے وہ ہی وفادار جو ایسوں سے نبا ہے"

....

پڑا ہے خونِ دل سر سے قدم تک جا بجا میرے ۔۔۔ بنایا ہے مجھے گویا کہ خاکِ کوے قاتل سے

....

کہتا ہے "آپ کی بھی ہے کیا عاشقی غلط" ۔۔۔ گر کہیے تیرے عہد میں اُلفت نہیں رہی

....

کیوں نہ میں قربان ہوں جب وہ کہے ہے ناز سے(۲۳۴) ''ہم کو جفا کا شوق ہے، اہلِ وفا کون ہے؟''

....

مرے شوقِ پنہاں کی تاثیر دیکھو کہ دل دار بھی دل رُبا جانتا ہے
نزاکتؔ ہوں پر ناتوانِ محبت لطیفہ مرے نام کا جانتا ہے

....

نا منصفی اور اے بُتِ بے داد گر! ایسی؟ چاہت تری غیروں کو بھی ہو گی مگر ایسی؟
کہتے ہو علاج آپ کریں گے خفقان کا جی کا ہے کو ٹھیرے گا سُنائی اگر ایسی
حرماں ہے اگر چاہ کی تقدیر تو ظالم! تقصیر نہ ہو گی کبھی بارِ دگر ایسی
ہم بزمیِ دشمن کو چھپاتا ہے تُو قاصد! کہتا ہے کسی سے کوئی ناداں! خبر ایسی

....

کملائے ہے گرمی کی نگہ سے وہ گُل اندام(۲۳۵) اللہ! یہ کیا لُطف کی نازک بدنی ہے

نزاکتؔ

دوم: وہ نزاکتؔ تخلّص، کندو نام، بنتِ حسینی ہے جو خوش حالی والی دلّی کی کنچنی، مشہور ڈیرا دار ہے اور بالفعل جے پور میں اقامت گزیں ہے۔ گو ناخواندہ ہے مگر طبیعت موزوں رکھتی ہے۔ ستار خوب بجاتی ہے۔ میر واجد علی لکھنوی شگفتہؔ مقیم جے پور سے مشورہ سخن ہے۔ یہ شعر اُس کی زبانی لکھے گئے:

بلبلِ زار ہوں تو تیرا ہوں میں گرفتار ہوں تو تیرا ہوں
ان فرشتوں کو واسطہ مجھ سے میں گنہ گار ہوں تو تیرا ہوں
خواہشِ دیں نہ کام دُنیا سے میں طلب گار ہوں تو تیرا ہوں
ہوں نہ اچھا کبھی مسیحا سے میں جو بیمار ہوں تو تیرا ہوں
سجدہ کروا نہ غیر کے آگے بندہ، اے یار! ہوں تو تیرا ہوں

....

ہمیں غیروں سے بھڑکاتے ہیں آپ آرام کرتے ہیں کسی کے کام سے کیا کام ہم اپنا کام کرتے ہیں [کذا]
نہ بوسہ رُخ کا دیتے ہیں، نہ گیسو چھونے دیتے ہیں یوں ہی اِک عمر گزری ہے کہ صبح و شام کرتے ہیں

ہوئے دو چار خوں گر ناگہانی سے عجب کیا ہے؟ وہ جب مہندی لگاتے ہیں تو قتلِ عام کرتے ہیں
جگانا ہے اُنھیں تا صُبح اِک دن وصل کی شب میں ابھی سونے دو! گر طالع مرے آرام کرتے ہیں (۴۳۶)

تنبیہ: اس شاعرہ کے کلام پر بعض جا سرقہ کا احتمال کرتے ہیں مگر میں نے جس طرح اُس کے منہ سے سُنا، لکھ دیا۔ سنہ ۱۸۷۶ء میں یہ شاعرہ بیمارہ اپنا معالجہ کرنے واردِ دہلی ہوئی تھی اور ریوڑی والا کٹرہ میں ٹھیری تھی۔ اُس وقت میں خود اس سے ملا تھا۔

نزاکتؔ

سوم، وہ نزاکتؔ تخلّص کی محبوبۂ بازاری، مقیمۂ بمبئی ہے جس نے ایک رقعہ نثر کا مع غزل، لاھۂ امی زہرہ و مشتری لکھنوی کے، مشتہر کیا تھا۔ میں نے طولِ فضول سمجھ کر اُسے قلم انداز کیا، صرف غزل کو لکھ لیا۔ وھو اہذا:

نہیں گر ترے در پہ جانے کے قابل یہ قسمت ہے کس کام آنے کے قابل
جسے دیکھیے بے وفا، سنگ دل ہے نہیں بُت کوئی دل لگانے کے قابل
کہیں کیا بُکیا ضُعف نے کام اپنا نہیں ہم رہے لب ہلانے کے قابل
کیا عشق نے ہم کو بدنام سب میں کہاں اب رہے منہ دکھانے کے قابل
اسی سے ہے درد و اَلم عاشقوں کو یہ ہے نقشِ اُلفت مٹانے کے قابل
عجب کیا، کشش دل کی اُس سے ملا دے کہ ہے اس میں طاقت ملانے کے قابل
عبث ایک بے درد سے دل لگا کے ہوئے ہم غم و غصّہ کھانے کے قابل
عجب دور آیا ہے ناقابلوں کا فلک! ہیں کہاں وہ زمانے کے قابل؟
اگر بزم میں ہو نہ ساقی نزاکتؔ! تو پھر ہے نہیں منہ لگانے کے قابل

نسائیؔ

نسائیؔ، سُنا ہے کہ اس تخلّص کی کوئی عصمت پناہ لکھنؤ میں یوں لب کشا ہے:

کیا کہیں تُم سے ہم کہ کیا ہیں ہم پاک دامن ہیں، پارسا ہیں ہم

نظیر

نظیر، متخلص بہ اسم، کسی شاعرہ کا یہ مطلع گوش آشنا ہے:

جو تُو اغیار کے پہلو میں میاں! رہتا ہے غم کو تنہائی میں پہروں خفقاں رہتا ہے

نورن

نورن نامی کسی فرخ آبادی عورت کا یہ شعر ہاتھ آیا ہے:

مارا تھا تیری زُلف نے کل جس کو گل بدن! باغِ جہاں سے آج وہ بیمار اُٹھ گیا

واو کی ردیف

وزیر

وزیر، ہم تخلص و ہم نام کسی عورت خیر آبادی، ماہرو بازاری کا یہ کلام ہے:

کسی پردہ دار کا غم جو نہ پردہ دار ہوتا تو نہ اُستخواں میں ہرگز میرے غبار ہوتا
یہ غضب نہیں تو کیا ہے! کہ چمن ہے اور گھٹا ہے یہ وہ وقت ہے کہ جامِ مےِ ناب و یار ہوتا
نہیں جب ثباتِ دُنیا تو مجھے ترا گلہ کیا مرے ساتھ عہد کیوں کر ترا اُستوار ہوتا
تجھے کب غفور کہتا کوئی اے کریم و راحم![۱۶۴] کسے بخشتا؟ جو کوئی نہ گناہ گار ہوتا

ولایتی

ولایتی تخلص شاید کسی شہزادیِ تیموریہ کا ہو جس کے نام سے غدری ہولی نہایت مشہور ہوئی

تھی جس کا مقطع یہ ہے:

چودہ کا وہ سال، مہینا ماہ کا، سُن لو بھائی! روز جمعہ کا تھا دُوج تھی، ولایتی بیگم نے ہولی گائی
سمبت ۱۹۱۴ کری دونو کی بڑائی ہند میں کیسی ہوری مچائی

ہا ہوز کی ردیف

ہوسؔ

ہوسؔ تخلص، کسی مجہول الحال کی یہ مقال ہے:

عمرِ انساں جس قدر بڑھ جائے ہے اُتنی ہی دیکھو ہوس ہو جائے ہے

یامثناۃ تحتانی کی ردیف

یادؔ

یادؔ تخلص کسی شہزادی دہلوی کا ہے جو میرے ایک مہربان سے ربط ضبط رکھتی تھی اور اُنھیں سے شعر کی اِصلاح لیتی تھی۔ اُنھوں نے اس کی تاریخِ وفات یوں موزوں فرمائی ہے:

لحد میں یادؔ نے جب منہ چھپایا رہا ہے کثرتِ غم سے کسے ہوش
کہو تاریخ اُس کی کون کہوے؟ ہوئی جو یاد اب از خود فراموش

۱۲۹۳ھ [مطابق ۱۸۷۶ء]

الغرض، اگرچہ یادؔ مرحومہ سے بہت سا کلام یادگار ہے مگر ایک قطعہ، جو اُس نے اپنی نزع کی حالت میں کہا تھا، بہ نظرِ یادگاری درج ہوتا ہے۔ وھو ہٰذا:

عبث فکرِ درماں ہے اے اقربا! کہ اب یادؔ تو یاں سے چلنے کو ہے

تنِ زار سے جاں نکلنے کو ہے — سر انجامِ غسل و کفن کر رکھو!

یاسؔ

یاسؔ تخلص ہے آفتاب بیگم کا جو فیض آباد میں اپنی نازک خیالی کو ظاہر کر رہی ہے:

تیر تیرا جس کسی کے اے پری پیکر! لگا — اُڑنے وہ نخچیر بادِ شوق میں بے پر لگا
میری تُربت پر برسنے رات دن پتھر لگا — کیا خبر سودائیوں کو موسمِ گُل کی ہوئی
لے مسیحا! اب تو دم آنے مرے لب پر لگا — اب بھی گر آنا ہے تو جلدی سے آ لیجے خبر

....

جاں بلب عاشق ترا اے سیم بر! ہونے لگا — حال تیرے زار کا نوعِ دگر ہونے لگا

یاسمنؔ

یاسمنؔ تخلص کی، چنبیلی نامی، انشا اللہ خاں صاحب مرحوم کی کنیزِ باتمیز تھی۔ زُہد و پارسائی کے سبب نکاح کرنے سے بھی متنفر تھی مگر کہتے ہیں کہ انشا نے بہ حکمِ شرع اُس کا نکاح کر ہی دیا۔ پس، یہ پاک دامنہ تیسرے ہی روز رحلت کر گئی۔ واللہ اعلم کہ اس میں کیا اسرار تھا۔

الغرض، یہ کلام اُس کا یادگار رہ گیا:

گردشِ بخت سے پھر ہوں دوچار — پھر ترا راہ گزر یاد آیا(۲۳۷)
یاد آیا مجھے گھر دیکھ کے دشت — دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
سُرمہ کھلوایا خموشی نے مجھے — وہ جو منظورِ نظر یاد آیا

....

صبر جاتا رہا قرار کے ساتھ — پر مرے دل سے جان تُو نہ گیا
دُخترِ رز سے رات صحبت تھی — شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

یاسمین

یاسمین تخلص اور تو من نام سے کسی سہارن پوری شاعرہ کی غزلیں بزمِ سخن اور گلدستۂ سخن میں طبع ہوئی ہیں جن کے مطلعے یہ ہیں:

کام آخر ہو چکا، کہہ دو! ترے بیمار کا ہے فقط مشتاق اب وہ شربتِ دیدار کا

....

کون سے دن رکھتے پھاہا، چارہ گر آتے نہیں پر یہ بھرنے میں مرے زخمِ جگر آتے نہیں

....

طفلِ سرشک رونے پہ جس دم مچل گئے چشموں سے ایک آن میں دریا اُبل گئے

لاعلم

شعرِ لاحقہ کی نسبت سُنا ہے کہ کسی عورت کا کلام ہے:

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

....

خاتمۃ الکتاب

الحمد للہ والمنۃ کہ یہ گلدستۂ رشکِ دو صد بہار، باہزاراں زیب و زینت، حسبِ تمنائے احباب مرتب ہوا۔ جو کہ اِس میں مستورات کی خیال بندیاں ہیں، اس کا نام تاریخی مرآتِ خیالی (۱۲۹۲ھ - مطابق ۶-۱۸۷۵ء) رکھا گیا۔

یا الٰہی! یہ گُلِ نوشگفتہ اپنی شمیمِ عنبر بیز (۳۳۸)، غیرت افزائے دمن بوے پرویز سے عالم کے دماغ کو تازگی بخشے اور آئینۂ جہاں کے دلِ صفا منزل کو تعلیمِ نسواں پر مائل کرے!

آمین! یا ربّ العالمین!

"چمن انداز" کا ضمیمہ

maablib.org

''چمن انداز'' کا ضمیمہ

جو سنہ ۱۸۸۳ع مطابق سنہ ۱۳۰۰ ہجری موافق سمبت ۱۹۳۹ بکرمی میں تحریر ہوا

مولفہ

عجز بنیا درگا پرشاد مولفِ تذکرۃ النسا نادری

کہ باسمِ تاریخی مرأتِ خیالی (۱۲۹۲ [مطابق ۶-۱۸۷۵ء]) نام زد ہے

مع عریضہ

جو بخدمتِ صاحبِ تذکرہ

بہارستانِ ناز روانہ ہوتا ہے

ماہ فروری سنہ ۱۸۸۴ء کو

اکمل المطابع، دہلی میں سیّد فخرالدین مہتمم کے اہتمام سے چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہو انجام میرا بخیر اے کریم!

اللہ اللہ! وہ بارگاہِ بے نیاز کیا مسبب الاسباب ہے کہ انسان ضعیف البنیان جس طرف رجوع کرے، اُسی رستہ کا توشہ مہیّا وموجود پائے۔ دیکھو! مجھ ہیچ مداں، ہیچ میرز نے جو شاعرہ عورتوں کا تذکرہ لکھا تو اُس کے لیے کس قدر ذخیرہ جمع ہو گیا کہ اس کتاب میں بھی نہ سما سکا، "تکملہ" اور "ضمیمہ" لکھنے کی نوبت آئی۔ افسوس! کہ باوجود ایسے ایسے ثبوتوں کے بھی دل فسق وفجور منزلِ شاہدِ مقصود کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اگر یہ نالائقِ ازلی اُس طرف توجہ کرے تو کیا رو براہ نہ ہو؟ بے شک گوہرِ مطلوب حاصل کرے، پر اس راہِ پُر صواب کو دُشوار گزار سمجھ کر اُدھر کا رُخ ہی نہیں کرتا، وگرنہ وہاں تو ہر دم یہ صلاحِ عام (۲۳۹) ہے۔ عرفیؔ:

طلب بیارو مترس از متاعِ منعِ کلیم   بساطِ عذر میارا کہ نیستی معذور

اللہ جلّ شانہٗ اپنی عنایتِ بے غایت سے جلد اس گم راہ کو ہدایت کا نور بخشے! کہ یہ گم کردۂ راہ این وآں کی طرف سے پھر کر صرف ذاتِ خاص کا تصوّر ہر وقت پیشِ نظر رکھے اور دنیاوی معاملات کی پابندی سے رہا ہو کر بہ صدقِ دل حضور، سراسر نُور کا خیال کیا کرے۔ آمین! یا ربّ العالمین!

اسی خیال سے اب اس ضمیمے کو لکھ کر چاہتا ہوں کہ آئندہ کبھی اس قسم کی خامہ فرسائی سے ایک قلم (۲۴۰) ہاتھ اُٹھاؤں، جیسا شعر گوئی کو ترک کر دیا ہے، آئندہ نثر نگاری سے بھی باز آؤں، کیوں کہ جن باتوں کے اظہار کو دل چاہتا تھا، وہ اُس کے فضل وکرم سے اکثر قلم بند کر لی ہیں۔ اب کچھ زندگی کا بھروسا نہیں۔ پچاس برس کا سن ہے۔ کہاں تک اس مکروہات میں پڑا رہوں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ سرکارِ ابد پائدار کی ملازمت سے بھی دست بردار ہو کر پنشن پر قناعت کی ہے۔ گو دل لگی کے واسطے بظاہر کتابوں کی تجارت شروع کی ہے مگر اُس سے اصلی مدعا یہ ہی ہے کہ اسی بہانے سے شاید کسی مقبولِ بارگاہ کا کلام ہاتھ آجائے جس کے اثرِ فیض مآثر سے جوہرِ مطلب نظر پڑ جائے۔ اللہ بس، ماسوا ہوس۔

ضمیمہ کا آغاز

ادا

اداؔ تخلص ہے اُس بادا کا جس کا نام امیر بیگم ہے اور چھوٹے صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ لکھنؤ اس کا مقام ہے، بہ شاگردیِ میرزا عباس صاحب مشہور انام ہے۔ یہ کلام اُس کا نتیجۂ سخن (۲۴۱) سے زیبِ ارقام ہے (۲۴۲):

تاکتا ہے ناوکِ مژگاں سے دونوں کو وہ شوخ دیکھیے بچتا ہے کیوں کر اب کلیجہ دل کے پاس

امیر

امیرؔ تخلص، امیر بخش نام، مقیم ضلع پورنیہ کا یہ کلام نتیجۂ سخن سے ملا، اور کچھ حال نہ کھلا:

پائے ہوئے ہیں بوسۂ دل دار کا مزہ کیوں کر نہ ہو امیرؔ! ہمارا سخن لذیذ

اہلؔ

اہلؔ تخلص، جانکی بی بی نام۔ اغلب کہ قوم کی کاتھ ہو۔ الٰہ آباد کی پردہ نشیں کا یہ کلام ایک مہربان نے بہ سبیلِ ڈاک روانہ فرمایا ہے، اور کچھ حال تحریر نہیں فرمایا:

تُو نے تو رہا کر ہی دیا زُلفِ دوتا سے ہم جان سے بھی جائیں تو اب تیری بلا سے

....

ملتا ہے وہ مضمون ہمیں ذہنِ رسا سے رہ جاتا ہے جو بندشِ فکرِ شعرا سے

اُس گُل کا نہ لائی کبھی پیغام مرے پاس (۲۴۳) شرمندہ کبھی میں نہ ہوا بادِ صبا سے

کعبہ کی طرف نشہ میں کس طرح سے جاؤں دُشوار سنبھلنا ہے مجھے لغزشِ پا سے

آتا ہے نظر ہاتھ میں اُس شوخ کے جس وقت ہوتا ہے لہو خاک مرا رنگِ حنا سے (۲۴۴)

لایا جو شبِ ہجر میں اے اخگر! زباں پر تاثیر ہم آغوش ہوئی آ کے دُعا سے (۴۲۵)

....

مارا ہے جنھیں آپ نے آنکھوں کی حیا سے اب اُن کو جلاؤ لبِ اعجاز نما سے
شانہ جو اُلجھتا ہے تری زُلفِ دوتا سے ڈرتا ہے ہمارا دلِ صد چاک بلا سے
تا حشر جدا ہوں نہ میں اُس حور لقا سے خواہش ہے اگر دل میں تو اتنی ہے خدا سے
لے کر کہیں چھلّے کو کرے مجھ کو نہ بدنام اتنا ہے فقط خوف ترے دُزدِ حنا سے (۴۲۶)
باقی نہ رہی خواہشِ مے بادہ کشوں کی بے ہوش کچھ ایسے ہوئے ساقی کی صدا سے
سچ پوچھیے تو خاکِ درِ یار پہ ہم کو (۴۲۷) آرام ہے بڑھ کر کہیں نقشِ کفِ پا سے

بدلا

بدلا تخلص، بدلا جان نام ہے۔ بموجب بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث، قصبۂ علی گڑھ میں اس کا مقام ہے، اور اس طرز کا کلام ہے:

یقیں ہے آج مے خواروں کی دعوت ہے کہ تُو نے بھی گھٹا کا اُودا جوڑا چرخِ نیلی فام! بدلا ہے
سُنا کر مجھ کو باتیں غیر سے کرتے ہو، بہتر ہے میں بدلا لے کے چھوڑوں گی جو میرا نام بدلا ہے

پری

پری تخلص، بی سیرہ نامی (۴۲۸) عرف بی میجو یہودن، ساکن کلکتہ۔ بقولِ صاحب گلدستۂ نتیجۂ سخن، مطبوعہ فروری سنہ ۱۸۸۲ع، نمبر ۱، جلد ۱، یہ شاعرہ انگریزی، عربی اور اُردو زبانوں کی ماہرہ اس قسم کے شعر موزوں کرتی ہے:

سُن کے میرا قصۂ غم ہنس کے کہتا ہے وہ شوخ "ہم نہ سمجھے کچھ کہ اس قصہ کا حاصل کیا ہوا؟"

پکھراج

پکھراج تخلص اور نام اُس حور شمائل، اٹاوہ والی رنڈی کا ہے، جس کا یہ شعر نذرِ احباب ہے:

ہڈیوں سے میری ڈر کر ہو رہا ہے محترز مجھ کو سمجھا ہے سگِ جاناں بھی دیوانہ مزاج

پیارؔی

پیارؔی تخلص اُس پیاری کا ہے جو ملک بڑودہ (۲۴۹) کے علاقہ میں واڈھواں رنگ محل کی ساکنہ ہے۔ یہ اُس کے کلام کا نمونہ ہے:

چھوڑ اُلفت ان بُتوں کی اے دلِ ناداں! تُو چھوڑ بچ کے چلتے ہیں وہ ان سے جو ہیں فرزانہ مزاج (۲۵۰)

پیارؔی

پیارؔی بنتِ مَمولا، سکنہ قصبہ بلب گڈھ، مقیمِ دہلی، شاگردِ بشیر خوش تقریر، متخلص بہ اسم ہے۔ یہ نوخیز محبوبہ، مرغوبہ، رقاصہ؛ شاہدانِ ہم عصر میں مشہور و معروف ہے، یہ شعر اس کے نام کا موجود ہے:

کیوں نہ ہوں وحشت کے قرباں، ضبط ہو سکتا نہیں آ گئے ہیں آپ از خود بے بلائے آج جو

جعفرؔی

جعفرؔی تخلص ہے، جعفری جان طوائف لکھنوی، مقیمِ کلکتہ کا جو منشی فدا حسین صاحب فدؔا سے ہم مشورہ ہے:

آتا ہے [بن کے] مہماں وہ ماہِ تمام روز کس عیش سے گذرتی ہے یہ صبح و شام روز

جہاںؔ

جہاںؔ تخلص، شاہ جہاں بیگم نام کا کلام اَودھ پنچ، دسمبر ۱۸۸۱ء کے پرچہ میں دیکھا گیا، اور کچھ حال نہ کھلا۔ کمافی بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث:

مرا سینہ ہے گنجینہ متاعِ دردِ ہجراں کا ستارہ اَوج پر ہے طالعِ اندوہِ حرماں کا

چندا

چندا تخلص اور نام ایک رنڈی کا تھا جو سودا کے عہد میں منظور نظر، فیض اثر والیِ اودھ تھی۔ ایک صاحب رئیسِ میرٹھ شیخ امیر بخش صاحب متخلص بہ امیر خوش تقریر نے بمقامِ لاہور یہ شعر اُس کے مجھے سنائے تھے جو یہاں لکھے گئے:

گورے گورے ہیں، پیارے پیارے ہیں   دُرِ دنداں نہیں، ستارے ہیں
بیچ میں کس کو لاؤ گے صاحب!   بال کس کے لیے سنوارے ہیں
محفلِ بادشاہ کے صدقے   جہاں چندا وہیں ستارے ہیں

چندر سکھی [۲۵۱]

چندر سکھی، نغمۂ دل کش، حصۂ دوم میں اس کی نسبت صرف یہ ہی لکھا ہے کہ "مشہور شاعرہ کا کلامِ پُر تاثیر ہے"، مگر اُس میں اُس کی کوئی غزل، وغیرہ بھی نہیں لکھی، صرف ایک ٹھمری بھاشا کی درج ہے۔ بدیں وجہ میں نے صرف یہ ہی نشان بتا دیا اور اُس کی نقل سے قلم کو روک لیا۔

حجاب

حجاب تخلص، منّی بائی نام، باشندۂ کلکتہ، شاگردہ مولانا نسّاخ، یوں لب کشا ہے، مگر بہار میں اُس کو صاحب دیوان اور شوکت کا شاگرد قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بہ حقیقتِ حال:

ایک دم بھی کسی کروٹ نہیں ملتا آرام   ہائے! بے چین ہیں ہم دردِ جگر سے کیا کیا

حرمت

حرمت تخلص، عزیز دُلھن بیگم صاحبہ نام، معروف بہ سردار...... [۲۵۲] بہو صاحبہ رئیسۂ دہلی کا ہے جو نہایت پرہیز گار، نماز روزہ گزار، بشیر موصوف الصدر سے تلمّذ کی نسبت رکھتی ہیں۔ اس طرز کے صاف و پُر مضمون شعر موزون کرتی ہیں:

محبت کی پسِ قطعِ محبت قدر ہوتی ہے　　　کہ شاخِ نخلِ پیوندی کے پھل میں طرفہ لذت ہے

حسینؔ

حسینؔ تخلص اُس پردہ نشیں کا ہے، جس کا نام حشمت جان عرف چھوٹی بیگم ہے، فیض آباد اس کا مقام ہے۔ حافظ محمد امین صاحب امیؔن کے مشورے سے کیا خوب اس کا کلام ہے:

اے حسیںؔ! ہم کو تو دل سے خاک ساری ہے پسند　　　ہو مبارک اُس پری پیکر کو شاہانہ مزاج

حناؔ

حناؔ تخلص۔ ہے، محمدی جان طوائف مرزا پوری، شاگردۂ سیّد الطاف حسین صاحب شیداؔ کا:

مشابہت ہے جو نقطوں کو صاف افشاں سے　　　جبیں کو آپ کی تشبیہ دوں گا قرآں سے

حورؔ

حورؔ تخلص اور نوروز جان نام اُس گل انداز، محبوبۂ بازری کا ہے جو چھوٹے صاحب کہلاتی ہے۔ گو باشندۂ لکھنؤ ہے، پر اَب کلکتہ میں رہتی ہے۔ طبیعت موزوں ہے، شعر خوب سمجھتی ہے۔

بہر کیف، یہ بیت اُس کی نتیجۂ سخنِ مذکورہ سے نقل کی جاتی ہے:

جس کی فرقت نے کنویں جھکوائے ہیں عشاق کو　　　وہ مرا یوسف لقا، زہرہ شمائل کیا ہوا

حیاؔ

حیاؔ تخلص، چھوٹی جان طوائف، شاگردۂ سیّد الطاف حسین صاحب شیداؔ، یوں سخن سرا ہے:

ہمیشہ کوچۂ جاناں کے گرد پھرتا ہے　　　یہ پاؤں کم نہیں گردش میں چرخِ گرداں سے

حیدریؔ

حیدریؔ یا حیدرؔ تخلص، حیدری جان نام، طوائف لکھنوی کی ایک ٹھمری نغمۂ دل کش کے

پہلے حصّے میں منشی رام پرشاد صاحب کھتری عاملؔ تخلص نے شائع فرمائی ہے۔ یہاں اشعارِ اُردو سے بحث ہے، بدیں وجہ وہ نہیں لکھی گئی۔

خورشیدؔ

خورشید تخلص ہے اُس مہرِ آسمانِ دل بری کا جس کا مشرقستان کان پور ہے، گو آج کل کلکتہ میں اُس کا نور پُر زور ہے، محمد امین صاحب امینؔ کی شاگردی سے مشہورِ نزدیک و دُور ہے، اس کی غزل طرازی کا یہ دستور ہے:

تھا ابھی پہلو میں کیا جانے مرا دل کیا ہوا　　کوئی بتلاتا نہیں اب میں نکلواؤں گا نام

رحیمنؔ

رحیمن، متخلص بہ اسم، ایک بتِ بازاری، بے مہری و وعدہ خلافی سے عاری، باشندۂ بھیر پور تھی۔ خوش گلو، خوش ادا، نازک اندام یہ خوش خرام تھی۔ میرے مہربان، علم و ہنر کی کان، مودّت آہنگ ٹھاکر گلاب سنگھ صاحب رئیسِ میرٹھ، واردحال دہلی اُور سیر (۲۵۳) نہر جمن متخلص بہ مشتاقؔ، شہرۂ آفاق، شاگردِ اُستاد قلقؔ مرحوم، جس زمانہ میں اُس طرف مصروف بہ کارِ سرکار تھے، اس دل رُبا سے دوچار تھے۔ اُنھیں کے فیضِ صحبت سے اُس کی طبیعت شعر و شاعری پر مائل ہوئی، حتّٰی کہ گاہ گاہ خود بھی چہکنے لگی، مگر تخمیناً بیس ہی شعر کہے ہوں گے کہ مشاعرۂ دوامی کی شمولیت کی طلبی آ گئی، چلتی پھرتی نظر آئی۔ ٹھاکر صاحب نے اُس کی وفات کے صدمے میں چند تاریخیں موزوں فرمائی ہیں۔

ازاں جملہ یہ ہے:

تھوڑی سی عمر میں تُو رحیمن! مَری، ستم　　لیکن وفا شعاروں میں نام اپنا کر گئی
دیکھا کسی کو آنکھ اُٹھا کر نہ جیتے جی (۲۵۴)　　مشتاقؔ کی طرف تری جب سے نظر گئی
خامہ سر بُکا سے یہ لکھتا ہے سالِ فوت　　عمدہ شعار حیف! جہاں سے گذر گئی
۱۸۷۹ء (۲۵۵)

تنبیہ: اس میں "ۂ" کو "ی" شمار کر کے اس کے دس عدد لیے ہیں، "گزر" کو دال معجمہ سے

مان کر اُس کے "۷۰۰" عدد شمار کیے ہیں۔

بہر کیف، سُنا ہے کہ جس روز سے اُس نے مشتاقؔ صاحب کے اشتیاق میں ہاتھ پھیلایا، اُسی روز سے کسبِ عام سے پیر سمیٹا، صرف ناچ مجرے کا دروازہ کھلا رکھا۔ روٹی کپڑے کے کفیل اُس کے مشتاقؔ ہی رہے۔

نقل: ایک دفعہ کسی اتفاقیہ بات پر حضرت مشتاقؔ اپنی محبوبۂ بیگانۂ آفاق سے بدمزہ ہو گئے تو یہ دل ربائے زمانہ بولی کہ "اے یارِ دل نواز و مونسِ دم ساز! میں بے گناہ چند روزہ مہمان ہوں، آپ مجھ سے بے زار نہ ہوں، تا حیاتِ ناپائدار، بلا رنج و تعب، بہ کشادہ پیشانی ہم کنار رہوں"، چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ وہ بہت جلد عالمِ بقا کو روانہ ہو گئی۔

روایت: یہ رقاصہ پہلے ریاست گھرولی: واقعۂ بندیل کھنڈ میں ستر (۷۰) روپیا ماہوار کی مجرائی تھی لیکن اپنے پیارے مشتاقؔ کی خاطر چھ مہینے گھر پر رہتی تھی، چھ مہینے نوکری بجاتی تھی۔ گو اُس کے لواحق مانع آتے تھے مگر یہ ایک کی نہ سُنتی تھی، اُس کی نانگہ اپنا سر دُھنتی تھی۔

بہر کیف، یہ غزل اُس نے اپنے حسبِ حال لکھی ہے جو حضرتِ مشتاقؔ ہی کے ذریعہ سے بندہ کو ملی ہے:

طبع جس دن سے مری تجھ پہ ہے آئی مشتاقؔ! — تب سے رہتی ہے مرے گھر میں لڑائی مشتاقؔ!
کرتے گھر والے شکایت ہیں تری ہر لحظہ — سُنی جاتی نہیں ہم سے تو بُرائی مشتاقؔ!
نہیں دل تجھ سے پھرا تیری جدائی میں مگر — مجھ پہ آفت جو پڑی وہ ہے اُٹھائی مشتاقؔ!
یہ تو ممکن نہیں دل تیری طرف سے ہٹ جائے — ہووے دشمن بھی اگر ساری خدائی مشتاقؔ!
یاد رکھنا اسے کہتی ہے رحیمنؔ جو کچھ — جان لیوے گی مری تیری جدائی مشتاقؔ!

یہ تین شعر اَور اسی شاعرہ کے، ہاتھ آئے ہیں:

جیسا تجھ کو کہ بے وفا دیکھا — نہیں دُنیا میں دوسرا دیکھا
اپنے بیگانے سب چھٹے ہم سے — تیری چاہت میں یہ مزا دیکھا

....

تیری چاہت سے دل نہیں پھرتا — لاکھ باتیں تو کر کڑی مشتاق!

زیبؔ

زیبؔ تخلص، بکن جان نام، لکھنؤ کی حسن فروش بازاری، میر اصغر علی صاحب اصغرؔ کی شاگردہ، کلکتہ میں یوں سخن سرا ہے:

پھڑ پھڑاتا تھا جو راتوں کو وہ بسمل کیا ہوا؟ — آج سناٹا ہے پہلو میں مرا دل کیا ہوا؟

سوناؔ

سوناؔ، متخلص بہ اسم، کوئی عورت ہے فرقۂ طوائفاں سے جس کا کلام میرے مہربان منشی جھبو خاں صاحب بالا نے عنایت فرمایا ہے۔ وھو ھٰذا:

میں ہوں، وہ یار ہو اور نامِ قیامت مٹ جائے — اور آ جائے الٰہی! ملک الموت کو موت!

شبابؔ

شبابؔ تخلص، محمدی جان نام، شیریں کلام، آبدؔ کی شاگردہ، طوائفانِ کلکتہ میں بہ میدانِ سخن نجی یوں خوش خرام ہے:

وہ زلیخا کا مکانِ ہفت منزل کیا ہوا؟ — پھٹ گیا دامانِ یوسفؑ اور حاصل کیا ہوا؟

شوخؔ

شوخؔ تخلص، ممولا جان نام عرف منجھلے صاحب کان پوری، رونقِ بازارِ کلکتہ، شاگردۂ جناب منشی عبدالرحیم صاحب آبدؔ۔ اپنی طبیعت کی شوخی یوں ظاہر کر رہی ہے۔ نغمۂ دل کش کے دوسرے حصے میں بھی اُس کا کلام بھیرویں کی دُھن میں موجود ہے:

غش مجھے آیا تو گھبرا کر یہ کہتا ہے وہ شوخ — "میرے عاشق! میرے شیدا! میرے بسمل! کیا ہوا؟"

شیریں

شیریں، متخلّص بہ اسم۔ یہ وہی شیریں ادا لکھنوی معلوم ہوتی ہے جس کا کلام چمن انداز میں لکھا گیا ہے۔ اب کلکتہ میں یوں گرم بازاری کر رہی ہے:

اُس کے کوچے کی ہمیں گردش سے حاصل کیا ہوا؟ بام پر چڑھ کر، نہ جب آنکھیں دکھائیں یار نے

ضم

ضم تخلص فہیمن جان نام، طوائف، مقیم کلکتہ کی ایک غزل نغمۂ دل کش کے دوسرے حصّہ میں دیکھی ہے، اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ از اں جا ست:

ہو گیا صبح کو عاشق کا سفر وصل کی رات دل پہ دھڑکوں سے جدائی کے یہ صدمہ پہنچا

ضیا

ضیا، ایک پردہ نشیں، تحقِ عصمت کا تخلص ہے جس نے نواب صاحب بہادر والیِ دار السرور رام پور ادام اللہ ملکہ سے فیضِ سخن حاصل کیا ہے۔ یہ شعر اُس کا ہاتھ آیا ہے:

نہ ہم نے سیر کے قابل یہ بوستاں دیکھا کبھی بہار کبھی موسمِ خزاں دیکھا

ضیا

ضیا تخلص ہے اُس پردہ نشیں، سرا وقاتِ عفّت کا جس کا نامِ نامی سکندر جہاں بیگم ہے اور یہ ناز پروردہ، سیّد امیر علی صاحب مرحوم کوتوال ساکن جاورہ کی دخترِ نیک اختر ہے۔ اس شاعرہ نے ایک قصیدہ رئیسۂ بھوپال کے حضور میں روانہ فرمایا جس کے صلے میں مبلغ ڈیڑھ سو روپیا نقد پایا۔ اس کی عرضی مع قصیدے کے، گلدستۂ نتیجۂ سخن، کلکتہ کے نمبر ۱۴، مطبوعہ مارچ سنہ ۸۳[۱۸]ء میں شائع ہوا ہے۔ اُسی کی تشبیب سے یہ شعر سناتا ہوں:

کہہ دوائے فکرِ رسا! آج مری ہو مہماں تجھ سے بھی ہے ہمیں کچھ کارِ ضروری اس دم

غزلِ تازہ زباں سے مری سن لیں جو ضیا! شکلِ طاؤس چمن میں ہوں عنادل رقصاں
غیر ممکن ہے چمن میں گذر بادِ خزاں بن گئی اب کے برس فصلِ بہاری درباں

قاتل

قاتل تخلص، محبوبہ جان نام، فیروز آبادی رنڈی اپنی شیریں گفتاری سے یوں قتلِ عام کرتی ہے، اس ناز وادا کا دم بھرتی ہے:

بدمزاجی کوئی دیکھے تیرے مجنوں کی صنم! ہو گیا ہے آپ سے اپنے وہ بیگانہ مزاج

....

حلب سے بحث نہ مشکِ تتار سے ہم کو غرض جو ہے سو رُخ و زُلفِ یار سے ہم کو

گوہر

گوہر، متخلص بہ اسم، مقیمۂ پرتاب گڈھ نے اپنے مسکن سلطان پور کے مدرسے میں تعلیم پائی۔ حافظ محامد حسین صاحب سحر سہارن پوری اور میاں صغیر صاحب لکھنوی سے شعر کی اصلاح لی۔
کئی گھر آباد کر کے اُجاڑ آئی ہے، اب سنہ ۱۸۸۰ع سے پھر رونقِ بازاری ہے۔ یہ شعر اُس کا بہار سے نقل کیا گیا ہے:

آپ کے جاں نثار ہم بھی ہیں(۲۵۶) عاشقِ دل فگار ہم بھی ہیں

گوہر

گوہر، متخلص بہ اسم، کوئی لکھنوی حسن فروشِ بازار گوالیار، یوں گوہر بار ہے:

منہ کی کھائی جب چڑھا ہے منہ پہ ماہِ چاردہ ہر مہینے میں تُو ہوتا ہے مقابل کیا ہوا؟

مخفی

مخفی تخلص تھا اُس مریم زماں، بلقیسِ دوراں کا جس کا نامِ نامی زیب النسا بیگم تھا لیکن یہ

نورِ جہاں تاب، شمرو صاحب کی بیگم کے لقب سے مشہور ہوا۔ یہ ہی نام اُس رئیسۂ عالیہ کا، زبان زدِ نزدیک ودوررہا۔ دراصل یہ مسلمانی خاندان عالی کی، شمرو صاحب فرانسیس کے ہاتھ آ گئی تھی جس نے اسے عیسائی بنا نکاح میں لی تھی۔ اسی سبب صاحب موصوف کی وفات کے بعد سردھنہ، وغیرہ تومحالِ متعلقۂ صاحب ممدوح کی مالک ہوئی۔

مولفِ نالائق کے پڑدادا رائے ہردے رام صاحب اوراُن کے چھوٹے بھائی رائے بہادر سنگھ صاحب مغفورین اسی سرکار کے نمک خوار تھے۔ تادمِ حیات، سرکارِ ابد پائدارِ انگلشیہ کے خزانے سے پنشن پاتے رہے، کیوں کہ جس وقت بیگم صاحبہ کے انتقال پر اُن کا علاقہ سرکار نے ضبط کیا تو ہر ایک ملازم کی پنشن مقرر فرمادی تھی۔

نیز بندے کے والدِ ماجد منشی منسارام صاحب ناتواںؔ، غریقِ لجۂ رحمت منّاں نے دوچار سال سرکارِ ممدوحہ کی ملازمت کی تھی مگر اُن کے حینِ حیات ہی آپ نے وہاں سے علاقہ وکالت رسالہ اردلی کا، بہ سبب بدمزاجی ڈیوی صاحب کے، چھوڑ دیا تھا۔

الغرض، بیگم صاحبہ ممدوحہ نے شاہ نصیرؔ صاحب مرحوم سے مشورۂ سخن اختیار فرمایا۔ جس وقت شاہ صاحب حیدرآباد کو تشریف فرما ہوئے، اُن کی اجازت سے میر نیاز علی بیگ نکہتؔ اور دل سوزؔ، اُن کے شاگردوں نے آپ کے کلامِ فیض انضمام کو ملاحظہ فرمایا۔ بندے کو شاہ صاحب ہی کے خاندان سے یہ معلوم ہوا، پر افسوس! کہ بیگم صاحبہ کا صرف ایک ہی شعر ہاتھ آیا:

ان دنوں جوش پہ ہے دیدۂ گریاں اپنا اے صبا! کہیو ٹھکانا کرے طوفاں اپنا

مخمورؔ

مخمورؔ تخلص، حسینی جان نام طوائف بنارسی کے کلام کا نمونہ یہ ہے:

واقفِ رسمِ محبت ہیں، ہے دیوانہ مزاج کوئی ناصح تو نہیں ہم، ہوں جو فرزانہ مزاج

....

شہید ہم ہیں ہمیں احتیاجِ غسل نہیں کسی کی تیغ کے پانی سے ہیں نہائے ہوئے

مزیبؔ

مزیبؔ تخلص ہے، رمین جان نامی طوائف کا جو بہ شاگردیِ میر یوسف علی صاحب یوسفؔ، اس طرز پر سخن سرائی کرتی ہے:

کھینچ کر تیغِ ہلالی جو وہ آ نکلے کہیں سرکو نہڑائے ہوئے جاؤں ابھی قاتل کے پاس (۲۵۷)

مستورؔ

مستورؔ، متخلص بہ اسم، لکھنؤ کی کسی خانگی کا یہ شعر سنا گیا ہے:

خزاں میں بھی نہ کسی حال کم ہوئی وحشت رہا ہے اپنا گریبان بے رفو برسوں

مطلوبؔ

مطلوبؔ تخلص ہے، فضل النسا بیگم، پردہ نشیں، سراوقاتِ عصمت، مقیمِ شملہ کا جس کا کلام گلدستۂ نتیجۂ سخن (۲۵۸) میں شائع ہوتا ہے:

ہے منزلِ عدم میں دلِ سوختہ کباب لپٹا ہے توشہ اپنا میانِ کفن لذیذ
پڑتی ہے وحشیوں کی نظر خطِ یار پر چرتے ہیں خوب سبزۂ صحرا ہرن لذیذ
شیریں سخن کا دل سے مزہ بھولتا نہیں (۲۵۹) مطلوبؔ! شاعری کا نہایت ہے فن لذیذ

معشوقؔ

معشوقؔ تخلص اور صلحہ نام، یہودن، مقیمِ کلکتہ۔ پریؔ مندرجہ ضمیمہ ہٰذا کی ہم شیرہ ہے:

ہجر میں پہلو کو خالی دیکھ کر حیران ہے پوچھتا ہے جان سے میرا جگر "دل کیا ہوا؟"

ملکہؔ

ملکہؔ تخلص، کامنی جان نام، رام پور میں پیدا ہوئی، مراد آباد میں سکونت پذیر رہی۔

بائیس (۲۲) برس کی عمر پائی، ایک سیدزادے کی منکوحہ بی بی کہلائی۔

خیر، یہ کلام اس نیک انجام کا پنجاب پنچ، لاہور، جلد۲، نمبر۲۶، صفحہ ۱۷۶، مطبوعہ ۹ جون سنہ ۱۸۷۹ء سے نقل کیا گیا:

ہم کو وہ چین قفس میں ہے کہ بُستاں میں نہیں
نہ تو صیاد کا دھڑکا، نہ خزاں کا کھٹکا

ملکہ

ملکہ تخلص، اِنّی نام، مسّی، مس بلاک، یہ صاحب (۲۶۰) سپرنٹنڈنٹ پولیس کلکتہ، کا ہے۔ انگریزی کے علمِ موسیقی و رقاصی میں تو شہرۂ آفاق ہونا بڑی بات نہیں ہے مگر یہ یکتاے زمانہ ستارنوازی میں بھی طاق ہے۔ مولانا ناسخ کی صحبت کے فیض (۲۶۱) سے شاعرہ ہی ہوکر خاموش نہ رہی، بل کہ مشرف بہ اسلام بھی ہوگئی۔ یہ دو شعر اُس کے درجِ تذکرہ ہوئے:

ہجر میں دل کو بے قراری ہے
جوشِ فریاد و آہ و زاری ہے
آنکھیں پتھرا کے ہو گئی ہیں سفید
کس بُت کی جو انتظاری ہے

مہک

مہک تخلص، بکّن جان نام، شاگردۂ امداد حسین خاں صاحب رضا لکھنوی کا یہ رنگ ڈھنگ ہے:

میں نے ناحق داستانِ ہجر کہہ دی یار سے
اور برہم ہو گیا سُن کر یہ افسانہ مزاج

ناز

ناز تخلص کی لکھنؤ میں ایک رنڈی ہے جو شیریں جان کہلاتی ہے اور اس انداز سے اپنے خواہندوں کو لبھاتی ہے:

سبب یہ ہے جو بُلبل مائلِ پرواز ہوتے ہیں
سفر ہے موسمِ گل کا چمن برباد ہوتے ہیں

نازؔ

نازؔ تخلص، امراؤ جان نام ہے، اُس طوائف سندیلہ والی کا خیر آباد مقام ہے اور اس طرز کا کلام ہے:

نہ کہیں کچھ تو وہ سنیں سب کچھ　　بات مانیں تو ہم کہیں سب کچھ

نازؔ

نازؔ تخلص، بندی جان نام، عظیم آبادی، فارسی، اُردو اور انگریزی دان کا یہ شعر بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث سے ملا ہے:

اُن کو جانا تھا مرے پاس سے گر وقتِ اخیر (۲۶۲)　　شکل اِک بار مجھے اور دکھاتے جاتے

نازاںؔ

نازاںؔ تخلص، تجھی جان نام عرف چھل بل کا ہے جس کے ناز و انداز کا عام کلکتہ مقر ہے۔ یہ اُس کا شعر ہے:

میرے پہلو میں نہیں، زُلفِ مسلسل میں نہیں　　تیری مٹھی میں نہیں ہے پھر مرا دل کیا ہوا؟

نازنیںؔ

نازنیںؔ، بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث میں اس رقاصہ مرزا پوری، مقیمِ بنارس کا نام مانی لکھا ہے جس کا یہ شعر حضرت کو ملا ہے:

جان دی میں نے جو اُس چشمِ سیہ کے عشق میں　　سیر گاہِ آہوانِ چیں مرا مرقد ہوا

نصیبنؔ

نصیبنؔ تخلص، الٰہی جان نام، سہارن پور کا بازار جس کا قدیمی مقام ہے۔ سنہ ۱۸۸۰ء کو [کذا]

واردِ دہلی ہوئی۔ میرے مہربان حضرت بشیؔر خوش تقریر سے ملی۔ اُنھیں کے فیضِ صحبت سے شاعرہ بن گئی، حتا کہ بدیہہ گو ہوگئی۔ ایک روز اُس کی والدہ خفا ہو کر نکل گئی تو یہ علامہ اپنے آشنا سے یوں گوہر افشاں ہوئی:

گھر والے بگڑ جائیں، بگڑنے دو! بلا سے! کیا تُم سے جُدا کر کے ملائیں گے خدا سے؟(۲۶۳)

آج کل یہ رقاصہ آگرہ کی طرف چلی گئی ہے۔ یہ شعر بھی اِس کا ہے:

اَجل نہ دَیر میں آئے، نہ نکلے جان کعبہ میں ترے قدموں پہ دم نکلے، تمنا یہ ہماری ہے

نظیرؔ

نظیؔر تخلص کی کوئی بازاری عورت لکھنؤ میں یوں اپنی گرم بازاری کرتی ہے، یعنی اس انداز کے شعر کہتی ہے:

وہ آئے ہیں مرے بالیں پہ کچھ تو کہہ سُن لوں خبر کرو ملک الموت کو ذرا ٹھیرے!
محبتِ لب جاں بخشِ یار نے مارا مسیح میرے لیے باعثِ قضا ٹھیرے
سے کب آتشِ غم پارۂ دلِ مضطر نظیؔر! آگ پہ پارہ رکھو تو کیا ٹھیرے

نقابؔ

نقابؔ تخلص، حمیدن بائی نام، ساکنہ کلکتہ، جس نے رام پور اور ڈھاکہ وغیرہ کی سیر بھی کی ہے۔ مسماۃ حجاب کی شاگردہ ہے۔ بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث سے یہ شعر اُس کا لکھا جاتا ہے:

وہ کیا منہ دکھائیں گے محشر میں ہُجؔ کو؟ جو آنکھیں ابھی سے چُرائے ہوئے ہیں

وزیرؔ

وزیرؔ متخلص بہ اسم۔ دہلی کے زنانہ اسکول میں تعلیم پاتی ہے، بشیؔر خوش تقریر سے شعر کی اصلاح لیتی ہے۔ تھوڑے دنوں سے اپنی ہم شیرہ کے پاس قصبہ سونی پت میں جا رہی ہے۔ یہ دو شعر

اُس نوخیز کے ہیں:

میں جھکا بات کہنے کو تو کہا "پلے کیوں آتے ہو؟ پرے بیٹھو!"

....

خبر دیتی ہے یہ ہچکی مجھے دل بر کے آنے کی ہمارے دل کے اسٹیشن پہ غم کی ریل☆ جاری ہے(۲۶۴)

ولایتو

ولایتو طوائف لکھنوی، یوں غزل سرائی کرتی ہے:

ہماری سارے اسیروں میں آبرو ہو جائے کمندِ زُلف اگر حلقۂ گلو ہو جائے

ہنر

ہنرؔ تخلص ہے اُس گنا جان رنڈی کا جو دربھنگہ میں مقیم ہے اور کبھی کبھی حسنؔ بھی اپنا تخلص باندھتی ہے۔ یہ شعر اُس کا ہے:

کیوں نہ چرخ پیر کو کہیے ہے دیوانہ مزاج ہاے! یہ پیرانہ سالی اور طفلانہ مزاج

تمت بالخیر

۱۵ ر فروری سنہ ۱۸۸۳ء، وقتِ صبح، مقامِ دہلی، بہ دیوان خانہ خود، بہ قلم شکستہ رقم احقر عباد درگا پرشاد نادرؔ عفی اللہ عنہ۔

من نوشتم صرف کردم روزگار من نمانم ایں بماند یادگار

ملحقاتِ متن

ملحقہ (۱)

تذکرۂ ہٰذا میں مذکور مشاہیر خواتین اور شاعرات کی مشروح فہارس

[تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۱۸۶تا۱۹۱، ۱۹۳]

(ا) فہرست ہفت اسماء عوراتِ فاضلہ مبینۂ تمہید

[نمبر شمار]	نام	مسکن	صفحہ [تذکرۃ النسا]	[صفحہ کتاب ہذا]
۱	سری پاربتی جی	کیلاش	۲	[۳۵]
۲	سری سیتاجی	اجودھیا	"	"
۳	کھترانی مجہول الاسم	علی گڈھ	۳	[۳۶]
۴	حضرت عائشہؓ (۲۶۵)	مکہ مدینہ	۵	[۳۸]
۵	حضرت فاطمہؓ زہرا	"	"	[۳۹]
۶	حضرت خدیجہؓ	"	"	"
۷	زبیدہ خاتون	"	"	"

(ب) مقدمہ میں جن پچیس نامی گرامی عورتوں کا ذکر ہے، اُن کی فہرست

[نمبر شمار]	تخلص یا نام	مسکن	صفحہ [تذکرۃ النسا]	[صفحہ کتاب ہذا]
۱	زلیخا(۲۶۶)	مصر	۸	[۴۴]
۲	آسیہ	"	"	"
۳	زبا	عرب	"	"
۴	اُمیّہ (۲۶۷)	مکہ	"	"
۵	قتیلہ	عرب	۹	[۴۵]
۶	اُمِ مسلم	عرب	۹	"
۷	عاتکہ	"	"	"
۸	میسون	"	"	"
۹	بنت الحجر	کوفہ	"	"

۱۰	عائشہ	"	"	[۴۵]
۱۱	بنتِ عقیل	"	"	"
۱۲	تقیہ	صور	"	"
۱۳	نورجہاں (۲۶۸)	آگرہ	۱۰	[۴۷]
۱۴	چندا	دکن	"	"
۱۵	کارگی	جنک پوری	"	[۴۸]
۱۶	مندودری	لنکا	"	"
۱۷	بگیا (۲۶۹)	دکن	"	[۴۹]
۱۸	بدیاتما	قنوج	۱۲	"
۱۹	لیلاوتی	......	"	"
۲۰	کھونا	اُجین	"	"
۲۱	کھونا	گوڑ	"	"
۲۲	میراں بائی	مارواڑ	"	"
۲۳	مرگ نینا	گوالیار	"	[۵۰]
۲۴	روپ متی	سارنگ پور	"	"
۲۵	اہلیا بائی مرہٹن (۲۷۰)	......	۱۳	[۵۱]

(ج) گلشنِ ناز کی شاعرہ کا شمار تریپن ہے (۲۷۱)

[نمبر شمار]	تخلص	نام	مسکن	صفحہ [تذکرۃ النسا]	[صفحہ کتاب ہٰذا]
۱	دل آرام	دل آرام	فارس	۱۶	[۵۶]
۲	آتون	توتی	خوارزمی	۱۷	[۵۷]
۳	آرام	دل آرام	مجہول المسکن	"	"

۴	آرزو	....	سمرقند	۱۹	[۵۹]
۵	آرزوئی	....	"	"	"
۶	آقا	بیگم	خراسانی	"	"
۷	آقا بیگم یا بیگی	....	ہرات	"	"
۸	امانی	....	دہلی	۲۰	[۶۰]
۹	بادشاہ خاتون (۲۷۲)	....	کرمان	"	[۶۱]
۱۰	بزرگی	....	کشمیر	۲۱	"
۱۱	بیجہ یا ماہ	بیجہ منجمہ	جام	"	[۶۲]
۱۲	بیدلی	....	ہرات	۲۲	"
۱۳	پرتوئی (۲۷۳)	....	تبریز	"	[۶۳]
۱۴	جمالی	....	اُستر آباد	"	"
۱۵	جمیلہ	....	اصفہان	۲۳	"
۱۶	جہاں آرا	....	دہلی	"	"
۱۷	جہاں خاتون (۲۷۴)	....	شیراز	"	[۶۴]
۱۸	حجابی	....	استر آباد	۲۴	[۶۵]
۱۹	حیات	حیات النسا	....	"	"
۲۰	حیات	....	شیراز	"	"
۲۱	حیاتی	....	....	"	"
۲۲	خان زادی	فخر النسا (۲۷۵)	تبریز	۲۵	[۶۶]
۲۳	دوستی یا آقا دوست (۲۷۶)	نسائی	سبزوار	"	"
۲۴	زائری	....	ایران	"	"
۲۵	سلطان	خدیجہ سلطان بیگم	داغستان	"	[۶۷]
۲۶	شیریں	سلطان رضیہ بیگم	دہلی کہنہ	۲۶	"

۲۷	ضعیفی	......	سمرقند	"	[۶۸]
۲۸	عائشہ	......	"	۲۷	"
۲۹	عصمتی یا دختر	......	"	"	"
۳۰	عصمتی	......	خواف	"	"
۳۱	عصمتی	نواب جہاں آرا بیگم	......	"	[۶۹]
۳۲	عفتی	......	اسفر	"	"
۳۳	فنا	فناۃ النسا	......	"	"
۳۴	گنا یا شوخ	گنا بیگم	دہلی	۲۸	[۷۰]
۳۵	لالہ خاتون (۲۷۷)	......	کرمان	"	"
۳۶	لطیف	لطیف النسا	عظیم آباد	۲۹	[۷۱]
۳۷	مخفی یا زیب	نواب زیب النسا بیگم	دہلی	"	"
۳۸	مشتری	قمرن جان (۲۷۸)	لکھنؤ	۳۲	[۷۵]
۳۹	مطربہ	......	کاشغر	۳۳	[۷۶]
۴۰	ملکہ	سید بیگم	جرجان یعنی استرآباد	"	"
۴۱	مہری	......	ہرات	"	"
۴۲	مہستی	......	گنجہ یا نیشاپور	۳۶	[۷۹]
۴۳	نسائی	فخر النسا	خراسان	"	"
۴۴	نسائی	......	......	۳۷	[۸۰]
۴۵	نور جہاں یا نور	مہر النسا	آگرہ	"	"
۴۶	نہانی	بیگم	ایران (۲۷۹)	۴۰	[۸۴]
۴۷	نہانی	......	کرمان	"	"
۴۸	نہانی	......	شیراز	"	"

۴۹	نہانی	......	دہلی	۴۱	[۸۵]
۵۰	نہانی	......	کشمیر	۴۲	[۸۶]
۵۱	وزیر	وزیرالنسا	دہلی	"	"
۵۲	ہمدمی	شریفہ بانو	......	"	[۸۷]
۵۳	......	ترسا بچی مجہول الحال (۲۸۰)	بغداد	۴۳	"
۵۴	......	مجہول الحال (۲۸۱)	اِصفہان	۴۴	[۸۸]

(و) تکملہ میں جن کا کلام ہے اُن کی فہرست

نمبر شمار	تخلص	نام	مسکن	صفحہ [تذکرۃ النسا]	[صفحہ کتاب ہذا]
۱	بانو	بانو بیگم	دہلی (۲۸۲)	۵۵	[۹۱]
۲	بلیغہ	......	شیراز	"	"
۳	بہجت	......	اِصفہان	"	"
۴	بہشتی	......	گنجہ	"	"
۵	بیدلی	......	خیابان	"	[۹۲]
۶	پری	پری بیگم (۲۸۳)	نیشاپوری	"	"
۷	تصویر	بلقیس خانم	مرشدآباد	"	"
۸	توتی	......	ایران	۵۶	[۹۳]
۹	جاناں بیگم (۲۸۴)	......	آگرہ	"	"
۱۰	جہانی	......	دہلی	۵۷	"
۱۱	حاکی۔ کسی کی غلطی سے	لکھا گیا	خواف	"	"
۱۲	حجابی	......	جربادقان	"	[۹۴]

۱۳	حسینہ	حسینا بیگم	بھوپال	۵۷	[۹۴]
۱۴	دل شاد	آقا بیگم متذکرۂ گلشن ناز ہے		"	"
۱۵	دولت (۴۸۵)	......	سمرقند	۵۸	"
۱۶	رابعہ	......	اصفہان	"	[۹۵]
۱۷	رابعہ	......	بلخ و شیراز	"	"
۱۸	زبیدہ	تمہید گلشن ناز میں دیکھو	......	"	"
۱۹	زلیخا	......	دہلی	۵۹	[۹۶]
۲۰	زُہرہ	اُمراؤ جان عرف چھٹن (۴۸۶)	لکھنؤ	"	"
۲۱	زینت	زینت النسا	دہلی	"	"
۲۲	سلیمہ	......	آگرہ	"	"
۲۳	سیدہ۔ جو گلشن ناز میں بہ تخلصِ ملکہ ہے	......	جرجان	"	[۹۷]
۲۴	شاہ جہاں و شیریں	نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ	بھوپال	۶۰	"
۲۵	شاہی	......	گیلان	"	"
۲۶	شرم	......	لکھنؤ	"	[۹۸]
۲۷	شیریں	بیگا	"	"	"
۲۸	صراحی	محترم النسا	مشہد	۶۱	"
۲۹	فاطمہ	......	خراسان	"	[۹۹]
۳۰	فاطمہ	بی بی فاطمہ سام ۴۸۷	دہلی	"	"

۳۱	فصیحہ	خانم	ہرات، اصفہان(۲۸۷)، ہند	"	[۹۹]
۳۲	قرۃ العین	اُمِ سلمہ		۶۲	"
۳۳	کاملہ	......	دہلی	"	[۱۰۰]
۳۴	کنیز فاطمہ	......	کابل	"	"
۳۵	کوکب	ستارہ بانو	شیراز	"	"
۳۶	گل بدن	......	آگرہ	"	"
۳۷	گل چہرہ	......	"	"	"
۳۸	گلشن	......	......	"	[۱۰۱]
۳۹	ماہ یا ماہ لقا جو "چمن انداز" میں بہ تخلصِ چندا درج ہے اور شاید وہیں میم کی ردیف میں بھی یہی لکھی گئی ہے			۶۳	"
۴۰	ماہی	......	......	"	"
۴۱	محترم	صراحی مذکورہ بالا ہے	مشہد	"	"
۴۲	محوی	......	قم	"	[۱۰۲]
۴۳	مخدومہ	......	یزد	"	"
۴۴	مدینہ	......	دکن(۲۸۸)	"	"
۴۵	مستورہ	ماہ شرف	کردستان	"	"
۴۶	نظیر	......	شیراز	۶۴	[۱۰۳]
۴۷	نہانی	......	اصفہان	"	"
۴۸	ہما	......	......	"	"
۴۹	یاسمین بو	......	دہلی	"	"
۵۰	مجہول التخلص والاسم	......	شیراز	"	"

عذر گناہ بدتر از گناہ

اگر چہ بہ موجب اس مثل کے میرا عذر بھی سماعت کے قابل نہیں ہے مگر

بر کریماں کارہا دشوار نیست

پر عمل فرما کر بہ گوشِ رغبت سنیے اور قبول فرمایئے!

بندہ سال ہا سال سے اس تذکرے کی فراہمی میں مصروف تھا۔ پس، جس وقت کسی شاعرہ کا کلام ملا، فوراً کسی پرچہ پر لکھ لیا۔ اس میں یہ خیال نہ ہوا کہ یہ پرچہ کس موقع پر نقل ہوگا۔ اب جو اس کتاب کو بہ ہیئت مجموعی چھپوایا اور وہ رڈی رڈی پرچے کاتب صاحب کے حوالے ہوئے تو بعض کا حال مکرر لکھا گیا۔ جیسے صراحی و محترم کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس، امید کہ کوئی صاحب یہ گمان نہ فرمائیں کہ مولف نے شمار اسما کے بڑھانے کو ایسا کیا ہے، بل کہ اس نقص کا باعث میری عدم فرصتی رہا جو اس کو بہ نظرِ ثانی درست نہ کر سکا۔ اسی خیال سے یہ فہرست بنادی ہے۔ اللہ بس ماسوا ہوس۔

(ہ) ''چمن انداز'' کی ایک سو چوالیس غزل سرایوں کی فہرست

[نمبر شمار]	تخلص	نام	سکونت	صفحہ [تذکرۃ النسا]	[صفحہ کتاب ہذا]
۱	آرائش	......	دہلی	۷۰	[۱۱۴]
۲	اچپل	ہنکن جان	سہارن پور	"	"
۳	اختر	نواب اختر محل	دہلی (۲۸۹)	"	"
۴	اسیر	امیر بیگم	"	۷۲	[۱۱۵]
۵	اشک	......	"	۷۳	"
۶	امراؤ	امراؤ جان	لکھنؤ	"	"
۷	"	حسینی بیگم	دہلی	"	[۱۱۶]
۸	"	اُمراؤ جان	"	"	"

۹	امیر	امیر جان	"	"	"
۱۰	"	"(۲۹۰)	لکھنؤ	۷۴	[۱۱۶]
۱۱	بستی	بستی جان (۲۹۱)	آگرہ	"	[۱۱۷]
۱۲	بسم اللہ	بسم اللہ جان (۲۹۲)	دہلی	"	"
۱۳	بنّو	بنّو ہندنی	"	"	"
۱۴	بہو	نواب بہو بیگم صاحب	رام پوری	۷۶	[۱۱۹]
۱۵	بیگم	....	لکھنؤ	۷۶	"
۱۶	"	تارا بیگم	....	"	[۱۲۰]
۱۷	"	نواب رشکِ گل صاحبہ	کلکتہ	"	"
۱۸	پارسا	....	لکھنؤ	۷۷	"
۱۹	پٹاباز	....	سہارن پور	۷۸	[۱۲۱]
۲۰	تسلّی	مُنّا جان	کرنال	"	[۱۲۲]
۲۱	تصویر	....	آگرہ (۲۹۳)	"	"
۲۲	ٹھٹھولی	....	....	۷۹	[۱۲۳]
۲۳	ثریا	بڑی بیگم (۲۹۴)	دہلی، آگرہ	"	[۱۲۴]
۲۴	ثنا	....	آگرہ	"	"
۲۵	جان	صاحب جان	فرخ آباد، دہلی	۸۰	"
۲۶	جانی	بیگم جان عرف بہو بیگم صاحبہ	اَوَدھ	"	[۱۲۵]
۲۷	جعفری	عارفہ کاملہ بیگم	دہلی	۸۱	"
۲۸	جمعیت	یہی نام ہے	آگرہ	"	[۱۲۶]
۲۹	جینا	نواب جینا بیگم صاحبہ	دہلی	۸۲	"
۳۰	چندا	مہ لقا	حیدرآباد	"	[۱۲۷]

۳۱	چھوٹے صاحب	متخلص بہ اسم (۲۹۵)	لکھنؤ	۸۴	[۱۲۹]
۳۲	حاتم	....	دہلی	"	[۱۲۹]
۳۳	حبیب	....	"	"	[۱۳۰]
۳۴	حجاب	بنی جان	ہاپڑ، بنارس	۸۵	"
۳۵	"	عسکری بیگم	لکھنؤ	"	"
۳۶	"	....	بمبئی	"	"
۳۷	"	....	لکھنؤ، کلکتہ	"	[۱۳۱]
۳۸	حجاب	نواب بیگم عرف چھوٹی بیگم	اودھ	۸۶	"
۳۹	حُسن	وزیر جان	لکھنؤ	"	[۱۳۲]
۴۰	حشمت	مہر جان	دہلی	"	"
۴۱	حور	بستی (۲۹۶)	"	۸۷	"
۴۲	"	منا جان	لکھنو	"	[۱۳۳]
۴۳	حیا	نواب حیاۃ النسا بیگم صاحبہ	دہلی	"	"
۴۴	"	....	لکھنؤ	۸۸	"
۴۵	حیدری	حیدری خانم	دہلی	۸۹	[۱۳۵]
۴۶	خاک ساری	....	"	"	"
۴۷	خفی	بادشاہ بیگم	"	"	"
۴۸	خورشید	متخلص بہ اسم (۲۹۷)	"	۹۰	[۱۳۶]
۴۹	دلبر	چھوٹی بیگم	آگرہ، حیدرآباد	"	"
۵۰	دُلھن	نواب دُلھن بیگم معروف نواب بہو صاحبہ	فیض آباد	۹۱	[۱۳۷]
۵۱	ڈھب	مُہراں، ہندنی	دہلی (۲۹۸)	۹۲	[۱۳۸]
۵۲	ذلیل	نوبہار	....	"	[۱۳۹]

۵۳	راویہ	رابعہ	دہلی	"	[۱۴۰]
۵۴	رعنائی	نواب قدسیہ بیگم	....	۹۳	[۱۴۰]
۵۵	زُہرہ	نصیبن	دہلی	"	[۱۴۱]
۵۶	"	....	انبالہ	"	"
۵۷	"	مُنّی جان	کلکتہ	۹۴	[۱۴۲]
۵۸	"	لطیفن	کرنال	"	"
۵۹	زُہرہ	اُمراؤ جان عرف چھٹن (۲۹۹)	لکھنؤ	۹۵	[۱۴۳]
۶۰	ژاژ (۳۰۰)	....	....	۱۰۰	[۱۴۸]
۶۱	سردار	سردار بیگم	لکھنؤ، اٹاوہ	"	[۱۴۹]
۶۲	سلطان	سلطان بیگم صاحبہ	لکھنؤ	۱۰۳	[۱۵۱]
۶۳	شرارت	امیر جان	دہلی	"	[۱۵۲]
۶۴	شرفن	شرفن جان (۳۰۱)	کان پور	۱۰۵	[۱۵۴]
۶۵	شرم	چھوٹے صاحب	لکھنؤ	"	"
۶۶	"	شمس النسا بیگم صاحبہ	"	۱۰۶	[۱۵۵]
۶۷	شریر	جگن جان (۳۰۲)	جلیسر، کوئل	"	"
۶۸	شوخ، گنا، منتظر	گنا بیگم صاحبہ	دہلی	"	"
۶۹	شیریں	بیگا جان (۳۰۳)	لکھنؤ	۱۰۹	[۱۵۸]
۷۰	"	نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ	بھوپال	۱۱۰	[۱۶۰]
۷۱	"	شیریں وحید	لکھنؤ	۱۱۱	[۱۶۱]
۷۲	صاحب	اُمۃ الفاطمہ صاحب جی	دہلی	۱۱۲	"
۷۳	صدر	نواب صدر محل صاحبہ	لکھنؤ	۱۱۳	[۱۶۲]
۷۴	صنم	درگا بائی	آگرہ	"	[۱۶۳]
۷۵	صنوبر	جیونی	جالندھر، دہلی	"	"

۷۶	ضرورت	شرف النسا بیگم	دہلی (۳۰۴)	۱۱۴	[۱۶۴]
۷۷	ضیا	ضیائی بیگم	لکھنؤ	"	[۱۶۴]
۷۸	طلب	......	......	۱۱۵	[۱۶۵]
۷۹	ظرافت	......	......	"	"
۸۰	عابد	نواب اُمراؤ بیگم صاحبہ	جے پور	۱۱۵	"
۸۱	عالم	خاص محل صاحبہ	کلکتہ	۱۲۹	[۱۶۶]
۸۲	عزت	عزت النسا	مظفر نگر	"	"
۸۳	عزیز	......	دہلی	"	"
۸۴	عشرت	نواب عشرت محل صاحبہ	اَودھ	۱۳۰	[۱۶۷]
۸۵	عصمت	عصمت النسا (۳۰۵)	لاہور	"	"
۸۶	عفت	نجم النسا	لکھنؤ	"	"
۸۷	علی	علی بخش	"	"	"
۸۸	عیدو (۳۰۶)	متخلص بہ اسم	دہلی	"	[۱۶۸]
۸۹	غریب	امیر النسا بیگم (۳۰۷)	پٹنہ	۱۳۱	"
۹۰	فاطمہ	فاطمہ بیگم	آگرہ	"	"
۹۱	"	فاطمہ سلطان بیگم معروف بہ اللہ داد	دہلی	"	[۱۶۹]
۹۲	فرحت	فرحت بخش (۳۰۸)	فیض آباد	"	"
۹۳	فرخ	فرخ بخش	پورب	"	"
۹۴	فریدن	متخلص بہ اسم (۳۰۹)	میرٹھ	۱۳۲	"
۹۵	قادری	"	دہلی	"	[۱۷۰]
۹۶	قمر	حیدری بیگم عرف ماہ طلعت صاحبہ	کلکتہ، دہلی	"	"

۹۷	"	قمر النسا	......	۱۳۳	[۱۷۱]
۹۸	کُتن	متخلص بہ اسم (۳۱۰)	بھرت پور	"	[۱۷۱]
۹۹	کنیز	کنیز فاطمہ بیگم	لکھنؤ	"	[۱۷۲]
۱۰۰	"	منجھو خانم	"	۱۳۴	"
۱۰۱	کیفی	......	دہلی	۱۳۴	[۱۷۳]
۱۰۲	گنا	متخلص بہ اسم	لکھنؤ	۱۳۶	[۱۷۵]
۱۰۳	گوہر	"	کابل	۱۳۷	"
۱۰۴	گوہر	لعلِ بے بہا	لکھنؤ	"	[۱۷۶]
۱۰۵	گیتی آرا	متخلص بہ اسم	دہلی	"	"
۱۰۶	لطیف	لطیف النسا بیگم	عظیم آباد	۱۳۸	"
۱۰۷	"	اللہ جوائی (۳۱۱)	پٹنہ	"	[۱۷۷]
۱۰۸	لعلن	لالن	سہارن پور	"	"
۱۰۹	ماہ	منجھلی بیگم	دہلی	"	"
۱۱۰	"	......	"	۱۳۹	[۱۷۸]
۱۱۱	ماہ لقا	اغلب کہ چندا مذکورہ بالا ہو	حیدرآباد	"	"
۱۱۲	مبارک	مبارک النسا بیگم	دہلی	"	[۱۷۹]
۱۱۳	محبوب	نواب محبوب محل بیگم صاحبہ	اَوَدھ	۱۴۰	"
۱۱۴	مخفی	سلطان جہاں بیگم صاحبہ	دہلی	"	[۱۸۰]
۱۱۵	مشتری	قمرن جان	لکھنؤ	۱۴۱	"
۱۱۶	معشوق	حیدری خانم	فیض آباد	۱۴۲	[۱۸۲]
۱۱۷	مغل	بیا جان عرف مغل جان	دہلی، حیدرآباد	"	"
۱۱۸	منوّر	منوّر بخش	لکھنؤ	۱۴۵	[۱۸۴]

۱۱۹	منو	منو جان	کرنال	"	"
۱۲۰	مہتاب	متخلص بہ اسم	بریلی	"	[۱۸۵]
۱۲۱	مہر	جیناجان عرف کالی(۳۱۲)	کرنال	"	"
۱۲۲	ناز	بی جان	فرخ آباد	۱۴۵	"
۱۲۳	"	گیتی آرا	دہلی	۱۴۶	[۱۸۶]
۱۲۴	"	......(۳۱۳)	"	"	"
۱۲۵	"	امیر جان	لکھنؤ	۱۴۷	[۱۸۷]
۱۲۶	نازک	زینت جان	دہلی	"	[۱۸۸]
۱۲۷	"	فتن جان	"	۱۴۸	"
۱۲۸	نجیبن	......	......	۱۴۹	[۱۹۰]
۱۲۹	"	متخلص بہ اسم	دہلی	"	"
۱۳۰	نزاکت	رگھو نارنولی	"	۱۵۰	"
۱۳۱	"	کندو	"	۱۵۱	[۱۹۲]
۱۳۲	"	......	بمبئی	۱۵۲	"
۱۳۳	نسائی	......	لکھنؤ	"	[۱۹۳]
۱۳۴	نظیر	متخلص بہ اسم	......	"	"

عرض حال: جس روز بندہ نے فہرست شاعرات تیار کی تھی، اُس روز تک میری اس کتاب کے ۱۵۲ ہی صفحہ چھپ کر میرے پاس آئے تھے، وہیں تک کی فہرست میں نے تیار کردی۔ اب جو کتاب پوری چھپ کر آئی تو یہ فہرست غیر مکمل پائی۔ پس، یہ دل میں سمائی کہ اس کا تتمہ لکھنا چاہیے۔ مجبور، یہ چند سطریں لکھ دیں۔ ناظرین صداقت گزیں معاف فرمائیں! المرقوم ۱۵ر فروری سنہ ۱۸۸۴ء۔

تتمہ فہرست شاعرات

۱۳۵	نوران	......	فرخ آباد	۱۵۳	[۱۹۳]

۱۳۶	وزیر	مخلص بہ اسم	خیرآباد	"	[۱۹۴]
۱۳۷	ولایتی	......	دہلی	"	[۱۹۴]
۱۳۸	ہوس	......	......	"	"
۱۳۹	یاد	......	دہلی	"	[۱۹۵]
۱۴۰	یاس	آفتاب بیگم	فیض آباد	۱۵۴	"
۱۴۱	یاسمن (۳۱۴)	چنبیلی	لکھنؤ	۱۵۴	[۱۹۶]
۱۴۲	یاسمین	تومن	سہارن پور	۱۵۵	"
۱۴۳	لاعلم	......	دہلی (۳۱۵)	"	"

ضمیمہ کی فہرست

[نمبر شمار]	تخلص	نام	مسکن	صفحہ [تذکرۃ النسا]	[صفحہ کتاب ہذا]
۱	ادا	امیر بیگم عرف چھوٹے صاحب	لکھنؤ	۱۶۵	[۲۰۲]
۲	امیر	امیر بخش	پورنیہ	"	"
۳	اہل	جانکی بی بی ہندنی	الہٰ آباد	"	"
۴	بدلا	بدلا جان	علی گڈھ	۱۶۶	[۲۰۳]
۵	پری	سیرہ عرف میجو	کلکتہ	"	"
۶	پکھراج	یہی نام ہے	اٹاوہ	"	"
۷	پیاری	......	بڑودہ	"	[۲۰۴]
۸	"	......	بلب گڑھ	"	"
۹	جعفری	جعفری جان	کلکتہ	"	"
۱۰	جہاں	شاہ جہاں (۳۱۶)	......	۱۶۷	"
۱۱	چندا	یہی نام ہے	اَودھ	"	[۲۰۵]

۱۲	چندر سکھی	......	......	"	[۲۰۵]
۱۳	حجاب	منی بائی	کلکتہ	"	"
۱۴	حرمت	عزیز دلہن بیگم صاحبہ معروف بہ سردار بہو صاحبہ	دہلی	۱۶۷	"
۱۵	حسین	حشمت جان	فیض آباد	"	[۲۰۶]
۱۶	حنا	محمدی جان	مرزاپور	۱۶۸	"
۱۷	حور	نوروز جان	کلکتہ	"	"
۱۸	حیا	چھوٹی جان	......	"	"
۱۹	حیدری	حیدری جان	لکھنؤ	"	"
۲۰	خورشید	......	کلکتہ	"	[۲۰۷]
۲۱	رحیمن	متخلص بہ اسم	ہمیر پور	"	"
۲۲	زیب	بکن جان	لکھنؤ	۱۷۰	[۲۰۹]
۲۳	سونا	سونا جان (۳۱۷)	دہلی	"	"
۲۴	شباب	محمدی جان	کلکتہ	"	"
۲۵	شوخ	ممولا جان	"	۱۷۱	"
۲۶	شیریں	اغلب کہ متذکرۂ "چمن انداز" ہے	"	"	[۲۱۰]
۲۷	صنم	فہیمن جان	"	"	"
۲۸	ضیا	......	رام پور	"	"
۲۹	"	سکندر جہاں بیگم صاحبہ	جاورہ	"	"
۳۰	قاتل	محبوبہ جان	فیروز آباد	۱۷۲	[۲۱۱]
۳۱	گوہر	گوہر جان (۳۱۸)	پرتاب گڈھ	"	"
۳۲	گوہر	" (۳۱۹)	گوالیار	"	"

۳۳	مخفی	شمرو کی بیگم صاحبہ	سردھنہ	"	[۲۱۱]
۳۴	مخمور	حسینی جان	بنارس	۱۷۳	[۲۱۲]
۳۵	مزیب	ـ امین جان	......	"	[۲۱۳]
۳۶	مستور	مستور جان (۳۲۰)	لکھنؤ	۱۷۳	"
۳۷	مطلوب	فضل النسا بیگم صاحبہ	شملہ	"	"
۳۸	معشوق	صلحہ	کلکتہ	۱۷۴	"
۳۹	ملکہ	کامنی جان	" (۳۲۱)	۱۷۴	"
۴۰	"	اِنّی	"	"	[۲۱۴]
۴۱	مہک	بگن جان	لکھنؤ	"	"
۴۲	ناز	شیریں جان	"	"	"
۴۳	"	امراؤ جان	خیرآباد	"	[۲۱۵]
۴۴	"	بندی جان	عظیم آباد	۱۷۵	"
۴۵	نازاں	ننھی جان	کلکتہ	"	"
۴۶	نازنین	مانکی	بنارس	"	"
۴۷	نصیبن	الٰہی جان	سہارن پور	"	"
۴۸	نظیر	......۹	لکھنؤ	"	[۲۱۶]
۴۹	نقاب	حمیدن بائی	کلکتہ	۱۷۶	"
۵۰	وزیر	متخلص بہ اسم	دہلی	"	"
۵۱	ولایتو	......	لکھنؤ	"	[۲۱۷]
۵۲	ہنر، حسن	گنا جان	دربھنگہ	"	"

....

ملحقہ (۲)

''قطعاتِ تاریخ وتقریظات، متضمّن سالِ انطباعِ دفعۂ اوّل'' [گلشنِ ناز]

[مرآتِ خیالی، صفحہ ۲ تا ۷؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۴۵ تا ۵۴]

قطعۂ تاریخِ اختتامِ کتاب، از نتیجۂ فکرِ آسمان پیما شاہ بہاء الدین صاحب عرف عبداللہ شاہ متخلّص بہ بشیرؔ خوش تقریر سلمہٗ القدیر، نبیرۂ شاہ نصیرؔ صاحب مرحوم، سجّادہ نشینِ خلفاے راشدین حضرت سیّد مخدوم شاہ صدر جہاں صاحب قدس سرّہٗ العزیز، ساکن دہلی، محلہ روشن پورہ، جاگیر دار موضع مولربن، واقع تحصیل بلّب گڑھ، ضلع دہلی:

چوں مرتّب نمود گلشنِ ناز ۔۔۔ دُرگا پرشاد کاشفِ اسرار
ذکرِ نسواں بہ پردۂ عصمت ۔۔۔ کرد در پردہ طرفہ تر اظہار
غنچہ ہاے معانی گونا گوں ۔۔۔ زد منقّش ز کلکِ گوہر بار
نغمۂ طوطیانِ خوش الحان ۔۔۔ لطفِ نومیدہد دریں گل زار
تا قیامت بماند ایں یارب! ۔۔۔ یادگارِ زمانۂ غدّار
گفت از بہرِ قطعۂ تاریخ ۔۔۔ آں جناب، از بشیرِؔ نانہجار
سالِ ترتیب آں گلِ نوخیز ۔۔۔ ”گُل بنِ فرح بخش“ کلک نگار

۱۲۹۲ [مطابق ۱۸۷۵ء]

ایضاً، دیگر فرمودہ

ترتیب نمودہ طرفہ نادرؔ ۔۔۔ گلدستۂ گلبنِ معانی
سالش بہ بشیرؔ گفت ہاتف! ۔۔۔ ”نورستۂ گلشنِ معانی“

۱۲۹۲ [مطابق ۱۸۷۵ء]

بسالِ انطباع فرمایند

طرفہ تصنیفِ جنابِ نادرؔ است ۔۔۔ دیدنش را بس کہ جمعِ خلق شد
بہرِ سالِ انطباعش، اے بشیرؔ! ۔۔۔ گفت دل ”مقبولِ طبعِ خلق شد“

۱۲۹۳ [مطابق ۱۸۷۶ء]

بطرزِ دیگری سراید

نادرؔ از کلکِ خود بہ گلشنِ ناز ۔۔۔ رشتہ ہائے گلِ معانی سُفت
سالِ تاریخِ او نوشت بشیرؔ! ۔۔۔ ''گلِ تازہ چھپا جدید شگفت''
۳ ۹ ۲ ۱ [مطابق ۱۸۷۶ء]

جنابِ موصوف اُردو میں یوں دُرافشانی فرماتے ہیں، جس کے مصرعِ اوّل میں سالِ اختتام اور اخیر میں سنہِ انطباع دکھاتے ہیں:

مرآتِ خیالی چھپا، الحمد للہ(۳۴۲) ۔۔۔ یہ حضرتِ نادرؔ کا کھلا طرفہ چمن ہے
۲ ۹ ۲ ۱ [مطابق ۱۸۷۵ء]

ہوں مشتری اس کے جو ملائک تو عجب کیا ۔۔۔ حسرت سے جھکا سر بہ زمیں چرخِ کہن ہے
ہر بیت میں توصیف لکھی لعل لبوں کی ۔۔۔ یہ طرفہ صدف ہے کہ پُر از لعلِ یمن ہے
گھر بیٹھے خریدار چلے آئیں گے اس کے ۔۔۔ جس مال میں جوکھوں ہی نہیں ایسا وہ دھن ہے
تاریخ بشیرؔ اس کی کوئی تم سے جو پوچھے ۔۔۔ کہہ دو کہ یہ ''نوبادۂ بستانِ سخن ہے'' (۳۴۳)
۳ ۹ ۲ ۱ [مطابق ۱۸۷۶ء]

....

قطعۂ تاریخِ انطباع، چکیدۂ کلکِ گوہر سلک، مورّخِ یکتا، صاحبِ رسالہ چہل جواب تاریخی وجغرافی، بے ہمتا، صاحبِ جغرافیۂ مارواڑ ومنشیِ فصیح، صاحبِ قصۂ خرد افزا و شاعرِ بلیغ، صاحبِ تذکرۂ شعرائے اہلِ ہنود، ساکن ٹونک، یعنی منشی ابن المنشی، منشی دیبی پرشاد صاحب بشاشؔ، خوش معاش، کہ دو مرتبہ بہ دہلی آمدہ، از بندہ ملاقی شدند، واز قوم کائستھ، مردِ خلیق و لئیق اند:

تذکرہ شعر گو حسینوں کا ۔۔۔ جس میں ہیں حُسن و ناز کی باتیں
نادرِؔ پاک باز نے لکھا ۔۔۔ جس کی باتیں ہیں راز کی باتیں
ہے مزہ عورتوں کی باتوں میں ۔۔۔ ہیں جو سوز و گداز کی باتیں
ناز و انداز کا نہیں یاں ذکر ۔۔۔ اور نہ ہیں امتیاز کی باتیں
بل کہ اظہارِ وحشتِ دل ہے ۔۔۔ اور عجز و نیاز کی باتیں

اُن کے اشعار میں ہے سوز کی بو ناز کی جا نیاز کی باتیں
دل میں درد اور داغ کی خلشیں لب پہ سوز و گداز کی باتیں
اور کہیں عالمِ نصیحت میں ہیں نشیب و فراز کی باتیں
ہے کہیں عشق کے مذاق کا ذکر اور کہیں احتراز کی باتیں
اور کہیں عشق کے تقاضا سے وصل کے ساز و باز کی باتیں
عورت اور عشق کا کرے اظہار شاہد اور سوز و ساز کی باتیں
کیوں نہ ہوں عاشقوں کے دل کو پسند یارِ عاشق نواز کی باتیں
پان سو بارہ اور یہ مصرع "نادرِ پاک باز کی باتیں"(۳۴۴)
۵۱۲ [+] ۷۸۱ [= ۱۲۹۳] [مطابق ۱۸۷۶ء]
سالِ تاریخ کے لیے رکھ یاد اس حقیقت مجاز کی باتیں

....

قطعۂ تاریخ انطباع، از کلامِ مذاق انضمام، مشفق یکتا انام قاری گلشن نام، تارکش، متخلص بہ خبیر کہ بہ مشورۂ جناب بشیر باوجود اُمّی ہونے کے شعر گوئی پر مائل، رات دن کھانے ہی کے ذکر کا قائل۔ افسوس! کہ کتاب کے چھپتے ہی چھپتے بشیر جیسے خوش تقریر کی صحبت سے سیر ہو کر راہیِ ملکِ بقا ہوا۔

وحاں، خدا جانے اُسے کس کی محبت لے گئی جو گیا اس طرح وہ جلدی سے گھبرایا ہوا

إنا للّٰہ و إنا الیہ راجعون

خوانِ نعمت ہے یہ گویا تذکرہ جس کے بھوکے بیٹھے ہیں سب خاص و عام
یہ نئی باتوں کا گنگا ہے بنا جس کی تا محشر رہے گی دھوم دھام
دیکھنا شیریں کلامی کا اثر اس کا ہر فقرہ ہے گویا میٹھا آم
دال روٹی سے جو ہیں خوش حال لوگ اُن کو یہ اک شغل ہے ہر صبح و شام(۳۴۵)
دیکھنے میں اس کے کیسی اشتہا ہونے دو ہوتا ہے گر ٹھنڈا طعام

ہیں مصنف اس کے میرے مہربان — داد رس ہیں، دال پر ہے اُن کا نام
ہے تخلص اُن کا نادر اور لقب — درگا پرشادِ محبت القیام
پیٹ کی خاطر لکھا میں نے یہ سال — میں بھی ان باتوں کا بھوکھا ہوں مدام
بس یہی لکھ دے قلم لے کر خمیر! — ہے عجائب چیٹ پٹا طرفہ کلام(۳۴۶)

[= ۱ + ۱۲۹۲] ۱۲۹۳ [مطابق ۱۸۷۶ء]

قطعۂ تاریخ انطباع چکیدہ قلم، فیض رقم جناب مفتی غلام سرور صاحب لاہوری، صاحب کتب متعدد۔

گلشنِ ناز ست رنگیں نسخہ و نادر کتاب — فی الحقیقت کانِ لطف و معدنِ راز ست ایں
وقتِ طبعش جست سالِ طبع سرور از خرد — شد ندا "محبوب نادر گلشنِ ناز ست ایں"(۳۴۷)

[= ۱ + ۱۲۹۲] ۱۲۹۳ [مطابق ۱۸۷۶ء]

قطعاتِ تاریخ اختتام و انطباع از فکرِ طبع نزاکت آگیں منشی بناری داس صاحب غمگین قوم کھتری، ساکن دہلی خلف الصدق منشی کشن لال صاحب مرحوم، کہ بہ منشی گری کوٹھی ساہو گڑھ والا مشہور دہلوی، اوقاتِ گرامی بسر کرتے ہیں اور جنابِ کمالات مآب میرزا قربان علی بیگ صاحب سالک کی شاگردی سے ریختہ میں صاحبِ دیوانِ مختصر ہو گئے ہیں۔ آدمی نوجوان، خوش بیان، خوب رُو و نیک خو، خردمند، خوش رُو پسند ہیں۔ تاریخ ختم ہونے کتاب کی بکرماجیت کے سمبت میں:

لکھا نادر نے ایسا تذکرہ خوب — جہاں میں ہو رہی شہرت ہے جس کی
ہوئی دل کو ہے میرے فکرِ تاریخ — محبت دل سے رکھتا ہوں میں اُس کی
کہا یہ ہاتفِ غیبی نے غمگین — "ریاض الفیض" لکھ تاریخ اس کی

۱۹۳۲ [مطابق ۱۸۷۶ء]

به سالِ انطباع به زبانِ عجمی چنیں فرموده

دوش دیدم کہ در غمِ جاناں — مضطر و بے قرار بد غمگین

ناگہاں دلبرے ہویدا شد مہ لقا، خوش ادا و زہرہ جبیں
از روِ ناز گفت عاشقِ زار بشنو از من کہ می کنم تلقیں
نادرِ روزگار و فخرِ زماں تذکرہ ثبت کردہ رنگیں
سالِ تاریخ آں تُو نیز بگو! گفت دل "مظہرِ عجائب بیں" (۳۲۸)

۱۲۹۳ [مطابق ۱۸۷۶ء]

....

دیگر بہ زبانِ اُردو

نادر! واللہ! [کیا] خوب لکھا تم نے [ہے] یہ تذکرہ زنانہ
ہر ماہ جبین و مہ لقا کا مضمون لکھا ہے عاشقانہ
غمگیں نے لکھی ہے اُس کی تاریخ یارب! ہو یہ "مظہرِ زمانہ"

۱۲۹۳ [مطابق ۱۸۷۶ء]

....

قطعۂ تاریخ انطباع از فکرِ محبت بنیاد، لالہ گنگا پرشاد صاحب متخلص بہ گنگا، طالب علم مڈل سکول لاہور، ابنِ لالہ گنیشی لال صاحب۔ جس وقت میرے مہربان بشیر واردِ لاہور ہوئے، لالہ صاحب نے اُن سے فیض سخنی پایا۔ گو پہلے سے کچھ واسطہ باطنی رکھتے تھے لیکن یہ تازہ رابطہ ہوگیا:

جب ہوا انطباع گلشنِ ناز سب نے اُس کو کہا "صحیفۂ نغز"
کہا گنگا نے بے تکلف سال خوب "چھاپا گیا صحیفۂ نغز"

۱۲۹۳ [مطابق ۱۸۷۶ء]

....

قطعۂ تاریخ انطباع من الطبع رسا ماہرِ علوم انگلشیہ، واقفِ رموزِ زبانِ فرسیہ، مودّت خصال منشی ہزاری لال صاحب متخلص بہ مضطر، سابق ہیڈ ماسٹر مڈل سکول سونی پت، ضلع دہلی، قوم کائستھ سری باستب، ساکن دہلی، محلہ روشن پورہ، خلف دیوان سری رام صاحب مرحوم مغفور:

کہاں تک لکھوں اس کا میں حال آہ! قلم کے نکلتے ہیں آنسو سیاہ
بقولِ شخصے: ؎ ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد ـــــ افسوس! صد افسوس! کہ یہ

میرا دوستِ روحانی سنہ ۱۸۷۷ء میں عازمِ ملکِ جاودانی ہوا۔ مجھے یہ خبرِ وحشت اثر لاہور میں ملی، یادگاری کے واسطے اس موقع پر لکھ رکھی۔ خدا اس نوجوان کو اُس کے معصوم بچوں کی دعا سے بخشے اور اُس کے بڑے بھائی لالہ چندولال صاحب کو ان یتیم بچوں کے سر پر قائم رکھے، جو اُن کی خبر گیری کرتے ہیں۔ آمین!

عجب طرح کا تذکرہ یہ لکھا　　　که شہره ہے نادر کا ہر ایک جا
لکھی اس کی تاریخ مضطر نے یوں　　　ولا! غنچۂ عقل ہے کھل گیا(۳۲۹)

۱۲۹۳ [مطابق ۱۸۷۶ء]

....

قطعہ تاریخِ انطباع من جانب مغل متذکرہ حصۂ دوم تذکرۂ ہذا اعنی ''چمن انداز''

اس تاریخ میں شاعرۂ مذکور نے اُن شاعرہ عورتوں کے تخلص مع اپنے، ایک مصرع میں جمع کیے ہیں جن سے میرے دوست آشنائی رکھتے ہیں، اور اس کا لطف صرف یاروں ہی کو آئے گا:

لکھا یہ نادرِ دوراں نے تذکرہ کیا خوب　　　مشرح حال بھی عورتوں کا جس میں ہے
جو شعر اچھے ہی کہتی ہیں اِس زمانے میں　　　کلام اُن کا ملا جس قدر وہ اِس میں ہے
لکھوں جو وصف میں نادر کا کیا مری ہے مجال　　　کہ ادنا وصف کی اُن کے مجال کس میں ہے
اثر کی رُو سے ادا کو سنائی وہ تاریخ　　　مغل کہ ناز کہ و بسم اللہ بھی ہوس میں ہے

۱ ۶ ۱۰۷۰ ۷۸ ۱۳۸ [=۱۲۹۳] [مطابق ۱۸۷۶ء]

....

قطعہ سالِ انطباع، از مولف ہیچ مداں، یعنی نادرِ ژولیدہ بیان:

چو نادر گلشنِ ناز م شده طبع　　　بشد ایں عیسوی تاریخ پیدا
طفیلِ ہم صفیرانِ گلستاں　　　الٰہی! ''غیرتِ گل زار بادا''

۱۸۷۶

....

دیگر فقرۂ نثر متضمن بر شمار اشعار گویانِ متذکرۂ گلشنِ ناز:

گفتارِ پنجاہ و سہ شاعراتِ فارسی زبان سنہ ۱۸۷۶ء

....

تقریظ، ریختۂ خامۂ مودت شمامہ، عالمِ متبحر، فاضلِ دہر، سرآمدِ متکلمین، سرگروہِ متاخرین، جناب کمالات مآب مولوی اُلفت حسین صاحب شکارپوری متخلص بہ الفت، مدرسِ اول مدرسۂ انگلو عربی دہلی زاداللہ شرفاً۔ صاحبِ چند نسخۂ نظم ونثرِ مذہبی ونصیحتی ومباحثی وغیرہ جو سنہ ۱۸۸۳ء میں ٹریننگ کالج لاہور (۳۳۰) کے مدرسِ اول تھے۔

"میں نے اِس تذکرۂ شعرا النسا کو خوب پاک نظر سے دیکھا۔ واقعی اُلفت قومی اور محبتِ جنسی کا مزہ آ گیا۔ محبوبِ مطلوب بھی خوب اور پیرایۂ مقصود بھی مرغوب وخوش اُسلوب، کیوں نہ اثر ہو! اب بھی سنگ دلوں کو خبر نہ ہو تو بے شک سنگِ خارا ہیں۔

یہ رسالہ بے مبالغہ ایسا ہے کہ خواہی نخواہی زن ومرد کو اِس کے پڑھنے کا شوق ہو اور طرح طرح سے دونو کو علم وسخن کا لطف وذوق ہو۔ دل کیوں نہ لگے کہ یہ گلدستہ ہاتھ میں ہے، جی کس طرح گھبرائے کہ ہر ورق صفحۂ بہار وتختہ در کنار ہے۔ خاص کر ہندوؤں کے لیے اچھا گلِ صد برگ ہے۔ مصنف کا شکر پُرضرور ہے۔ ایسے ہی صاحبانِ علم کے ہونے سے دنیا کو فائدہ ہے کہ فیضِ متعدی رکھتے ہیں، ورنہ لیاقتِ ذاتی فرضی وجوہرِ چالاکی سے فقط کیا فائدہ! وہ تو حکام وابلہوں کے لیے تشہیر ہے۔ چند گھنٹے توتے مینا کی طرح ٹیں ٹیں کرائی اور گھر کی راہ لی ۔ ایسے ہی علوم سے قومی فائدہ بھی متصور ہے۔ جو ایسی تصانیف یادگار چھوڑ جائیں، اسی ڈھنگ سے جاہل ہوش میں آئیں گے اور عقل پائیں گے۔ اسی طرح نادانوں کی آنکھیں کھلیں گی، لیکن چھپائی وصفائی عمدہ چاہیے۔ سو، کسی دولت مند کا کام ہے کہ اعانت کرے۔

العبد من بندۂ الفتِ حسینم"

....

اخبار کوہ نور، لاہور: مطبوعہ ۱۴/۱ اکتوبر سنہ ۱۸۷۶ء میں بہ صفحہ ۲۲۷ گلشنِ ناز کا ریویو چھپا تھا مگر اِس وقت وہ پرچہ میرے پاس موجود نہیں۔ اس سبب اُس کی نقل سے معذور ہوں۔

....

سفیر بڈھانہ ، مطبوعہ ۸ نومبر سنہ الیہ میں یہ عبارت شائع ہوئی ہے :

تقریظ من نتائج طبع رسا وفکرِ عالی جناب مولوی امانت علی صاحب مدرّس قصبہ بنت، تحصیل شاملی، ضلع مظفر نگر

لکھوں تقریظ گلشن ناز کی دل میں یہ آتا ہے اگر خالِ رُخِ لیلیٰ سے حاصل کچھ سیاہی ہو

سبحان اللہ! یہ کیا گلشنِ ناز ہے جس کا نرالا ڈھنگ، نیا انداز ہے۔ تختہ تختہ میں گل ہائے سوری کا رنگ جما ہے، چمن چمن شگوفہ ہائے معنوی سے بھرا ہے؛ روش روش پر بوے عطر آمیز ہے، ہر سُو ہوائے لُطف انگیز ہے۔ سطروں کے اُلجھنے سے کھلتا ہے کہ یہ چمن زار سراپا بُوے زلفِ مشکیں سے بسا ہے۔ رنگینیِ عبارت میں رنگ حنائی ہے، ایک ایک ورق رُوے زیبا کی صفائی ہے۔ اکثر مقام پر دل دھوکا کھاتا ہے، صفحہ صفحہ پر سادہ رویوں کا خیال آتا ہے:

کیا کہیے یہ کیا ہے گلشنِ ناز گل زارِ جناں کا سارا انداز
سطروں سے کھلے ہے پیچ کاکل گردن پہ ہے اس کے خونِ سنبل
نقطوں سے نظر میں ہے سویدا یا خالِ سیاہِ روے زیبا
ہر شعر ہے اِس کا شعرِ گیسو فرق اِس میں نہیں ہے اک سرِ مو(۳۳۱)

اور کیوں نہ ہو؟ چمن آرا اِس گلشنِ بے خزاں کا دبیرِ عطارد رقم، بیضا قلم، یعنی طوطیِ سنجیدہ بیان، بلبلِ ہزار داستان؛ شہ سوارِ میدانِ سخن دانی، یکہ تازِ عرصۂ پہلوی و دری؛ واقفِ رموزِ شعر گوئی، باریک بینِ دقائقِ مضامین جوئی؛ فنِ عروض میں قادر، اعنی مُنشی درگا پرشاد نادر:

سحبانِ زماں زبانِ اُردو ہے اُس کی زباں میں جانِ اُردو

شک نہیں ہے کہ نسیم اِس گلشنِ نعیم کی، دل ہاے پژمردہ کو راحت دے اور بوے ترغیب سے مشامِ جاں ابناے جنس کا بھرے۔ کیا معنے؟ کہ ندرت بیانیِ شقائقِ تذکرۂ سخن دانیِ عورات شاعرۂ زمانۂ سلف و حال کو بہ فصاحتِ تمام و بلاغتِ مالا کلام لکھا ہے۔ اس تلاشِ عمدہ پر بہ تہِ دل سے آفرین ہے، مرحبا ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ تعریف کو مُنہ میں زبان نہیں، قلم کو طاقتِ بیان نہیں۔ فی الواقع ایسی کتاب لاجواب دیکھی نہ سُنی۔ اگر خوش مذاقانِ سخن اِس کو عوضِ گوہرِ جان خرید فرمائیں تو بجا ہے اور جو پاے چشم

سے ہوائے شوق میں اس بوستانِ معنی کی سیر کو آئیں تو سزا ہیں۔

غزلِ تازہ

عیاں ہر شاعرہ عورت کی خوش گفتار ہے اِس سے
مزہ شیریں کلامی کا ہمیں ہر بار ہے اِس سے
یہ اِک گل زارِ خوبی ہے سراپا بوے معنی سے
مشامِ جاں ہر اک بلبل کا خوشبودار ہے اِس سے
مزہ آتا ہے ہر فقرے سے یاں قندِ مکرّر کا
عجب شیریں بیانی ہے کہ یہ تکرار ہے اِس سے
بیاں ہو اِس کی کیا رنگینیِ فقراتِ موزوں کا
مثالِ لالہ، داغی سینۂ گل نار ہے اِس سے
نہ ہو مجبور کیوں فرحت ہمیں اس باغِ رنگیں سے
شگفتہ چوں گلِ خنداں دلِ سرکار[۵۹] ہے اس سے

....

تمت بعون الملک

تحریرِ تاریخ کاپی: ۲۵ راگست سنہ ۱۸۸۳ عیسوی

پردہ برداشتم ز کارِ سخن
تا دہد جلوہ گل عذار سخن

....

بقلم نیاز رقم سید محمد عبداللطیف دہلوی

ملحقہ (۳)

قطعاتِ تاریخِ تصنیف و طبع
مع تقریظات "چمن انداز"

[تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۵۵ تا ۱۶۲]

maablib.org

قطعاتِ تاریخِ انطباعِ دفعۂ اوّل "چمن انداز" جو اُس کے شائع ہونے کے بعد موصول ہوئی ہیں، اور نیز تقریظیں جو سخن وروں، انصاف پسندوں نے مرحمت فرمائی ہیں

فقرہ تاریخی بہ صنعتِ رعنا، فاضلِ اجل، عالمِ بے بدل، ماہرِ علومِ عربیہ، واقفِ فنونِ انگلشیہ مرزا اشرف بیگ خاں صاحب اشرفؔ مرحوم خلف الخلف جناب نواب فاضل بیگ خان صاحب دہلوی

ایں ماتمِ سخت است کہ گویند جواں مرد

افسوس! کہ یہ نوبادۂ جوانی، مترجمِ سنٹرل بک ڈپو پنجاب سے دہلی کے ضلع سکول کی مدرسیِ فارسی و عربی پر مشرف ہو کر سنہ ۱۲۹۹ ہجری کے اخیر میں عازمِ ملکِ بقا ہوا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

"نغمہ دُرِ غرر جو کہ کلامِ عجیب شاعراتِ ہند ہے"۔ سنہ ۱۲۹۵ نبوی، از حرفِ مہملہ [کذا۔ حروفِ مہملہ]، ۱۸۷۸ء از منقوطہ۔

من الکلام بشیرؔ خوش تقریر، سلمہٗ القدیر جن کے اوصاف گلشنِ ناز کے ضمن میں تحریر ہیں:

از فضلِ ایزدی "چمن انداز" طبع گشت — لاریب ہست قابلِ تحسین و مرحبا
کلکِ بشیرؔ کرد دو تاریخ ہا رقم — "شائستہ بوستان" و "چمن زارِ خوش فزا"
۱۲۹۵ ۱۲۹۵

دیگر

نادرِ خوش فکر و یکتائے زماں — تذکرہ فرمود حیرت ناک طبع
گفت سالش بلبلِ فکرِ بشیرؔ — "نغمہائے طوطیانِ پاک طبع"
۱۲۹۵ھ [مطابق ۱۸۷۸ء]

دیگر

نخبے ایں نسخہ چوں مطبوع فرمود — شدہ مطبوعِ طبعِ شائقیناں
بشیرؔ بے تکلف گفت سالش — "پدید آمد ریاضِ نازنیناں" (۳۳۲)
۱۲۹۵ھ [مطابق ۱۸۷۸ء]

دیگر

نادرِ خوش کلام و سحر بیان "چمن انداز" طبع زد فی الحال
خامہ تاریخِ عیسوی بنوشت "تذکرہ طبع شد بصد آمال"
۱۸۷۸ء

....

نقلِ خط

جناب میر محمد علی صاحب جوؔیا مرادآبادی (صاحبِ سرودِ غیبی، رونق افروزِ سوائی جے پور کہ فی زمانہ تاریخ گو یگانہ و یکتا شاعر، نکاتِ شاعری سے ماہر، بے ہمتا دبیر، معلوماتِ منشی گری میں بے نظیر، صاحب تحریرِ پُر تاثیر، بولنے میں خوش تقریر ہیں)۔ موصولہ ۱۴/ اپریل سنہ ۱۸۷۹ء، بہ مقامِ لاہور:

قدردانِ جوؔیا! سلامت!

اجی جناب! آپ کا رسالہ مرأتِ خیالی اتفاق سے ایک سوداگر میرے پاس لایا۔ اُس کو کھول کر پڑھتا ہوں تو وہ آفتابِ جمالی ہے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا رسالہ تالیف کیا ہے کہ عاشقوں کی جان، معشوقوں کا ایمان۔ رسالہ کیا ہے، کانِ محبت، جانِ الفت ہے۔ میں تو اس رسالے کو دیکھ کر چار گھڑی تک حیران رہا کہ اس قسم کا رسالہ، محبت کا قبالہ دیکھا نہ سنا۔

رسالے کو دیکھ کر یہ لطف آیا کہ گویا میں خواب دیکھ رہا ہوں اور اُس خواب میں یہ دیکھتا ہوں کہ گویا ایک باغ ہے، جنت کا چشم و چراغ ہے۔ اُس باغ میں ایک محل ہزار سامان سے آراستہ اور اُس محل میں ہزار پری پیکرِ حور جمال، مہر تمثال ہزار ناز و کرشمہ کے ساتھ بیٹھی ہیں۔ اُن پری رویوں کا مشاعرہ ہے۔ ہر ایک ماہ رُو اپنے اپنے اشعار پڑھ رہی ہے اور جس کا جو شعر ہے، وہ لاجواب ہے، دیوانِ عشق کا انتخاب ہے۔

آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ مرأتِ خیالی ہاتھ میں ہے۔ واللہ! عجیب کتاب ہے، لاجواب ہے۔

پڑھتے پڑھتے جب عابدہ، یعنی نواب امراؤ بیگم کے نام پر پہنچا تو اپنا نام بھی اور رسالہ

خیابان کا ذکر بھی دیکھا۔ آپ نے ذرّے کو آفتاب بنایا اور خاک کو آسمان پر بٹھایا۔ آپ بڑے قدر دان ہو۔ حق تو یہ ہے کہ میں آپ کی ان عنایتوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا ہوں۔ من آنم کہ من دانم۔ آپ نے وہ کام کیا ہے کہ مجھ کو تا زندگی ممنون رہنا چاہیے اور بعد مرنے کے بھی مشکور ہونا چاہیے کہ ہمیشہ کو یادگار رہا، اور جہاں جہاں آپ نے اصلاح فرمائی ہے، واللہ! بہت درست ہے۔ میں مان گیا لیکن مطبع والوں نے بہت غلطیاں کر دی ہیں۔ اب نظرِ ثانی میں درست کروں گا اور آپ کی اصلاح کو قائم رکھوں گا۔

کیا کہوں، آپ نے مجھ کو نہ لکھا، ورنہ عابدہ کا کلام دیوان سے بھیج دیتا۔ میرے پاس ہے۔ اب منظور ہو تو لکھنا، اور خط کتابت جاری رکھیے جس سے ایک طرح کی ملاقات ہوتی رہے، اور کار لائقہ اُس طرف سے مسرور کرتے رہیے اور اپنی کیفیت سے اطلاع بخشیے۔

بقلم سیّد محمد علی جویاؔ، نائب کوتوال شہر جے پور، ۸ر اپریل سنہ ۱۸۷۹ء۔

....

"چمن انداز"، مولفہ محققِ شیوا زبان و مولفِ جادو بیان منشی درگا پرشاد صاحب نادرؔ تخلص دہلوی، ہیڈ اگزیمنز اجوکیشنل پریس لاہور، سلمہ اللہ تعالیٰ، کا ریویو۔

ہمارے پاس یہ کتاب ایک معزز کرم فرما کی وساطت سے پہنچی۔ ہم نے سر تا پا اس کا مطالعہ کیا اور ایک بے بہا جوہر پایا۔ مصنف سلمہٗ ربہ نے شاعرہ عورتوں کے تذکرے میں، جو ہندستان میں گزری ہیں، یہ کتاب تحریر فرمائی ہے اور ایک سو چوالیس (۱۴۴) عورتوں کا اس میں ذکر کیا ہے اور سب کے نام ردیف وار لکھے ہیں اور ہر ایک عورت کے حالات، جس قدر مل سکے، مختصر اور مسجع عبارت میں لکھے ہیں۔ حتی المقدور نہایت کوشش کے ساتھ جس قدر حالات اُن کے نزدیک صحیح معلوم ہوئے، وہی درج کیے، باقی چھوڑ دیے۔ فی الحقیقت تذکرہ کی خوبی بھی یہی ہے کہ صحیح صحیح حالات اُس میں لکھے جائیں، نہ یہ کہ خواہ مخواہ طوالت اور مبالغہ سے کام لیا جائے اور اناپ شناپ اُس میں بھر دیا جائے جو ناظرین کو گمراہ اور کتاب کو بے وقعت کر دے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصنف کے پاس اس قسم کے چند نسخے اَور بھی تھے جو تصنیف کے

وقت مطالعہ میں تھے مگر اُن سے مصنّف کو کچھ مدد نہیں مل سکی، بل کہ اکثر مقامات پر اُن کو رد کیا گیا ہے اور اُن کی غلط بیانی ظاہر کی گئی ہے۔ یہ بھی اس تذکرے میں ایک بڑی خوبی کی بات ہے کہ مصنّف نے اکثر اپنی ہم عصر شاعرات کا ذکر کیا ہے اور بہتوں کو اُن میں سے بہ چشمِ خود دیکھا ہے اور دوستوں کے ذریعے سے اکثر کا احوال دریافت کیا ہے۔

غرض، ہمارے نزدیک اس تذکرے کے معتبر ہونے میں کچھ کلام نہیں۔ مصنّف کی کوشش و محنت کی جس قدر تعریف کی جائے، بہت کم ہے۔ جب سے لکھنؤ اور دہلی کی سلطنتیں زائل ہوئی ہیں، ہندستان میں شعر و شاعری کا چرچا بہت کم ہو گیا ہے۔ باوجود اس کے بھی جو شاعر، خصوصاً عورتیں موجود ہوں، وہ مردوں کے برابر، بل کہ اُن سے بہتر شعر کہہ سکیں تو یہ بھی غنیمت ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں بھی کریں تو مردوں کے برابر لیاقت پیدا کر سکتی ہیں اور یہ لیاقت بالتخصیص یوروپ ہی کی عورتوں کا حصّہ نہیں ہے، بل کہ ہر ایک ملک کی عورتوں کو خدا نے قابلیت کا مادہ عطا کیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے ہر ایک خیال کا آدمی مستفید ہو سکتا ہے۔ جو لوگ سخن فہمی کا مذاق رکھتے ہیں، اُن کے مطالعے کے لیے ایک عمدہ سفینہ ہر قسم کے اشعار کا ہے۔ جو لوگ تاریخ کے شائق ہیں، وہ تاریخ کا لُطف اُٹھا سکتے ہیں۔ جن کو ناز و اندازِ زہرہ جبینانِ مشتری خصال کی گفت گو بھاتی ہے، وہ بھی اپنے دل کے ارمان نکال سکتے ہیں۔

جن لوگوں کا آج کل یہ عقیدہ ہے کہ ہندستان میں تعلیمِ نسواں مروّج نہیں ہوئی، اُن کے دفعِ وہم کے لیے یہ کتاب کافی دلیل ہے کہ اس ملک میں عورتوں کی تعلیم پہلے سے جاری تھی اور بہت عمدہ تعلیم ہوا کرتی تھی۔ اب جو سرکار کی توجہ سے جابہ جا زنانہ مدارس قائم ہیں اور لاکھوں روپیا سرکار کے صرف ہوتے ہیں، پھر بھی وہ بات حاصل نہیں، جو پہلے تھی۔ ہم نے ہرگز نہیں سُنا کہ حال کی تعلیم یافتہ عورتوں میں سے کوئی شاعرہ ہوئی ہو۔ جتنی شعر کہنے والیوں کا ذکر اس تذکرہ میں ہے، وہ سب خانگی تعلیم یافتہ ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف اسی قدر شعر کہنے والیاں ہندستان میں ہوئی ہیں، بل کہ عجب نہیں کہ اَور بھی ہوں۔ حضرت مصنّف بھی اس احتمال کے قائل ہیں۔ پس، معلوم ہوا کہ ہندستان میں تعلیمِ نسواں پہلے ہی سے جاری ہے۔

ہاں![۶۰] یہ افسوس ہے کہ جس قدر عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اُن میں شریف بہت کم ہیں اور اکثر بازاری عورتیں ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ اشراف خاندان میں (جو پرانے خیال کے آدمی تھے) تعلیمِ نسواں ایک عیب کی بات سمجھی جاتی تھی اور شاہدانِ بازاری لیاقت پیدا کرنے کو اپنی گرم بازاری کا ذریعہ جانتی تھیں۔ نمونے کے طور پر ہم ایک شاعرہ کا حال نقل کرتے ہیں۔[۶۱]

ان چند سطروں سے ناظرین دریافت کرلیں گے کہ کس درجہ تک تحقیقات کا حق ادا کیا اور دادِ فصاحت وبلاغت دی ہے، کیوں کہ نہ ہو، آخر ماشاءاللہ! دلّی کے رئیس زادے اور اہلِ زبان ہیں۔

اربابِ بصیرت پر یہ بھی واضح ہو کہ تذکرۃ النسا نادری کے دو حصے ہیں: پہلا گلشنِ ناز اور دوسرا "چمن انداز"۔ ہم نے فقط دوسرے حصے کا ریویو لکھا ہے، پہلا حصہ ہمیں نہیں ملا۔ ہاں، اسی حصے کے ساتھ ایک مختصر تکملہ پہلے حصے کا چھپا ہے۔ طرزِ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی زبان میں شعر کہنے والیوں کا تذکرہ ہے اور یہ اُردو لکھنے والیوں کا۔ شاید ہمارا یہ قیاس صحیح ہو۔ بہر حال، جو کچھ لکھا ہے، بے بدل لکھا ہے اور مصنف سلّمہٗ ربّہٗ نے نہایت فائدہ مند یادگار چھوڑی ہے۔

یہ بھی واضح ہو کہ حضرت مصنف صرف اسی کتاب کے مصنف نہیں ہیں، بل کہ اُور بھی نہایت عمدہ تصانیف صفحۂ روزگار پر یادگار رکھتے ہیں۔ ازاں جملہ رسالہ ہشت ثمن، معلّم المبتدی، لُبِّ لُبابِ قصۂ مُمتاز صف شکن، شجرۂ گل زار یعنے نسب نامۂ تیموری، تذکرۂ نادرالاذکار شعرادکنی، ہیں۔[۶۲] (نکات الحساب، ترجمۂ رسالۂ نجوِ فلرسی صہباتی، وغیرہ)

اشتہار مشتہرہ کوہِ نور، کذب سے دور...... نمبر ۵۶، جلد ۳۰، مطبوعہ ۲۸ر دسمبر سنہ ۱۸۷۸ء)

....

مرأتِ خیالی

مندرجہ عنوانِ رسالہ، جس کا اصل نام "چمن انداز" ہے اور مندرجہ عنوان نام صرف تاریخ تالیف کے لحاظ سے رکھا گیا ہے، رسالہ گلشنِ ناز کا دوسرا حصہ ہے۔ جس کا ریویو سالِ گزشتہ میں درج اخبار ہو کر ہدیۂ ناظرین ہو چکا ہے۔

اس رسالے کے مصنّف صاحبِ طبعِ سلیم، (۲۴۳) عالی جوہر، منشی درگا پرشاد صاحب نادر نے شب و روز کی نہایت عرق ریزی سے اس میں عوراتِ شاعرۂ نادرۂ روزگار کے حالات مع اُن کے منتخب اشعار کے، درج کیے ہیں۔ رسالہ قابلِ دید ہے اور مولّف صاحب کی محنت قابلِ قدر۔ ایسے لوگوں کا وجود مغتنمات سے خیال کیا جاتا ہے جو اپنے اہلِ وطن کے لیے اپنے اوپر اتنی محنتِ شاقّہ گوارہ کر کے ایسی ایسی عمدہ یادگاریں زمانے میں چھوڑ جائیں جس سے علاوہ اُن کے بقاے نام کے، اُس چیز کی بقا تک اُن کے ہم وطن مستفید ہوتے رہیں۔ اس رسالہ کی ضخامت ۹۶ صفحہ کی بہ تقطیع ۲۰×۲۶ ہے، سری رام پوری کاغذ پر چھپا ہوا ہے، قیمت ۴؍ ہے۔

....

نقلِ خط

آمدِ جے پور، موصولہ ۳۰ رجون سنہ ۱۸۷۹ء، مقام لاہور :

مجموعۂ خوبی ہاے بے کراں، مظہرِ الطافِ فراواں، مجمعِ محاسنِ اشفاق و اخلاق، شاعرِ نازک خیال، منشیِ بے مثال درگا پرشاد صاحب المتخلّص بہ نادر دام اشفاقکم!

تسلیم عرض ہے! اشتیاقِ مالایطاق، ملاقاتِ کثیر الافادت کی تحریر یا تقریر زبانِ قلم سے یا میری (۲۴۴) لسان سے باہر ہے۔

شکر ہے اللہ کا! کہ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی نویدِ صحت وری کا اُس کی جناب سے شب و روز جویا رہتا ہوں۔ تذکرۂ "چمن انداز"، کہ جو بنام "تذکرۃ النسواں" ہم مشہور ہے، میں نے دریں وِلا تفریحاً مطالعے میں لیے۔ سبحان اللہ! ہر فقرہ جس کا نہایت پُر مضمون ہے اور طرح طرح کے عمدہ، نثرِ موزوں، خاص بحیرِ خاطر، عنایت ماآثر کا ایک دُرِ مکنون ہے۔ نقطہ نقطہ دل رُبا ہے، ہر حرف جاں فزا ہے۔ والا حوصلگی اور بلند رتبگی میں شاعر مصنّف کے، کس کو کلام ہے اور جس کسی معترض، حاسد، بد بیں کو کلام ہے، وہ کج فہم مطعونِ خاص و عام ہے۔

خیر، خاکسار اکثر مشتاقِ شعر و سخنِ ہم چینِ صاحبان ہے، بل کہ جویاے فیضِ صحبت و ملاقات و افر المسرّات رہتا ہے۔ بے تابانہ دل نے چاہا کہ خدمت میں خود کو پہنچادے مگر بوجہ چند

امورات عارضہ وافگار زمانہ یہ تمنا دل میں مخفی رکھی۔ خط، کہ نصفِ ملاقات جس کو کہتے ہیں، نگارش کیا۔ اگر جواب آئے تو کیا کہنا چاہیے، خوبیِ تقدیر سمجھنا چاہیے مگر وہ بھی خالی نہ ہو۔ ایک دو غزل بھی، جس میں چکیدۂ خامۂ لطافت شمامہ ہو۔ بعید از اخلاق واشفاق اصلا نہیں اور نہ ہوگا۔ زیادہ طول فضول۔ مدام تا دست دادِ دولتِ ملاقاتِ پُر اضافت مع کار بار لائقہ یاد فرمائیں۔

بندہ شیخ حافظ علی ابنِ منشی امان علی صاحب سررشتہ دار محکمہ اپیل ریاست سوائی جے پورا لمتخلص بہ بیتاب، مقیمِ باغ شامی رتی رام جی، بغرضِ تفریحِ طبع وتبدیلِ آب وہوا ۱۸ / رجب، روز یک شنبہ، سنہ ۱۲۹۷ ہجری۔

....

فقرۂ تاریخی

متضمن بر تعدادِ شاعرات "چمن انداز" بہ صنعتِ رعنا، مشتمل بر سنواتِ عیسوی و ہجری انطباعِ دفعۂ اوّل جو مبدائے سخن کی بارگاہِ بے نیاز سے مؤلف کو عطا ہوا تھا۔ یہ مادہ تعمیہ دار ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صنعت میں بھی تعمیہ تخرجہ ہو سکتا ہے۔

بجمل: ایک سو چوالیس شاعرہ عورتوں اُردو گو کا تذکرہ۔

یعنی، جمل کے حساب سے گن لو کہ اس فقرے کے حروفِ بے نقط کے ۱۲۹۵ عدد سنہ ہجری نبوی کے ہوتے ہیں اور نقطہ دار حرفوں کے عدد سے ۱۸۷۸ عیسوی سال نکلتے ہیں۔ "بہ جمل" سے یہ مراد ہے کہ لفظ جمل کے عدد بھی شمار میں آئیں گے۔ یہ ہی تعمیہ کا اشارہ ہے۔ (۳۳۵)

ملحقہ (۴)

قطعاتِ تاریخِ تصنیف واشاعت — تذکرۃ النّساے نادری

[تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۵]

maablib.org

قطعاتِ تاریخِ تالیفِ مجموعہ ہٰذا مع تقریظات، جو اِس وقت تک موصول ہوئی ہیں

قطعات ریختۂ کلک، جواہر سلک جناب ٹھاکر گلاب سنگھ صاحب مشتاقؔ، فنِ شاعری کے مشاق، رئیسِ میرٹھ، رونق بخشِ دہلی، اُور سیر محکمۂ نہر غربی جمن، سلّمہ اللہ تعالیٰ، شاگردِ اُستاد فلقؔ مرحوم

دیکھ کر، ہاں! کتاب نادرؔ کی — خوش ہیں، مشتاقؔ! عاقل و داناں
از سرِ دوستی کہا میں نے — "خوب ہے یہ کلامِ معشوقاں"(۳۳۶)
۴] +۱۲۹۶ = [۱۳۰۰ ھ [مطابق ۱۸۸۳ء]

دیگر

عجائب لکھی تُم نے نادرؔ کتاب — گلستانِ نازک خیالاں ہے یہ
لکھی اس کی تاریخ از روے جاں — "زہے گلشنِ خوب رُویاں" ہے یہ(۳۳۷)
۳] +۱۲۹۷ = [۱۳۰۰ ھ [مطابق ۱۸۸۳ء]

ایضاً

یہ سچ ہے کہ نادرؔ نے اس تذکرے میں — لکھے عورتوں کے ہیں حالات نادر
سرِ جان سے اس کا، مشتاقؔ! بے شک — لکھو سال تم بھی "خیالاتِ نادرؔ"
۳] + ۱۲۹۷ =] ۱۳۰۰ھ

منہٗ

کیا خوب تم نے لکھی، ہاں، یہ کتاب، نادرؔ! — ہے شور اک جہاں میں شاباش و مرحبا کا
منقوط حرف میں ہے مشتاقؔ! اس کی تاریخ — "احوال سارا لکھا عوراتِ خوش ادا کا"
۱۳۰۰ ھ [مطابق ۱۸۸۳ء]

فصلی

ہو کے ترمیم چھپی پھر یہ کتابِ نادر دیکھیے لکھتے ہیں تاریخ سخن ور کیا کیا

پوچھا مشتاقؔ سے جو سال، بدیہہ اُس نے سرِ بہجت سے کہا "نغمۂ اصنام چھپا"

[۱۲۹۰ فصلی مطابق ۱۸۸۳ء] +۲ [= ۱۲۸۸ ۱۲۹۰ ف

ایضاً عیسوی

بیٹھا کس سوچ میں ہے تُو مشتاقؔ! دیکھ کیا خوب ہے باغِ عورات

لکھ دے از روے بشارت اس کا عیسوی سال "چراغِ عورات"(۳۲۸)

+۲] [= ۱۸۸۱ ۱۸۸۳ء

دائرۂ تاریخی، رسم فرمودہ ٹھاکر گلاب سنگھ صاحب موصوف

قطعہ از نتائجِ فکرِ رسا، رموزِ خفی وجلی کے کاشف ٹھاکر لال سنگھ صاحب واصفؔ، برادرِ اکبر ٹھاکر گلاب سنگھ صاحب مشتاقؔ موصوف الصدر

افسوس ہے کہ اس کتاب کے چھپنے سے پہلے ہی جناب واصفؔ صاحب واصل بحق ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وائے نادرا! واصفؔ، برادرِ مشتاق، مُرا

بندے نے یہ فقرہ اُن کی وفات کے سمبت بکرمی کا نکالا ہے۔ اکثر احباب نے اس حادثے کی تاریخیں موزوں کی ہیں جن کو مشتاقؔ سراپا اشفاق نے جمع کیا ہے۔ شاید کسی موقع پر چھپ جائیں۔

لکھا نادرؔ نے واقعی واصفؔ! تذکرہ خوب عورتوں کا ہے
تُو بھی لکھ دے یہ مصرعِ تاریخ "نغمۂ بلبلانِ دنیا ہے"

[۱۲۹۰ فصلی مطابق ۱۸۸۳ء] ۱۲۹۰ ف

....

قطعہ رقم فرمودہ جناب بابو شنکر لال صاحب کھتری، رئیسِ روپڑ، ضلع انبالہ، رونق افزاے حال دہلی، شاگرد جناب مشتاقؔ منبع اشفاق

لکھی تم نے کتاب کیا نادرؔ! ہے یہ گویا نمونۂ اصنام
نازنینانِ خوش بیانوں کے درج ہیں اس میں واقعات تمام
دل میں شنکر کے دیکھ کر آیا اس کی تاریخ دیجیے انجام
لکھ سرِ بزم سے! ندا آئی "ہے یہ بے مثل و بے نظیر کلام"

+۲] ۱۸۸۱ =] ۱۸۸۳ء

....

قطعہ از طبعِ فیض رسا جناب ٹھاکر رادھا کشن صاحب مشتاقؔ، رئیسِ قصبۂ سُرجن نگر، متعلقۂ مراد آباد، مقیم میرٹھ، شاگرد جناب مشتاقؔ شہرۂ آفاق

لکھا تم نے جو آج کل نادرؔ! تذکرہ کیا ہی ہے بہارستان

لکھا مشتاقؔ نے بھی اس کا سال بے سر بغض، ''نظم مہ رویان''
[۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء] [۲- = ۱۳۰۲ = ۱۳۰۰ھ

....

قطعہ نظم فرمودہ مشیخت پناہ شیخ شرف الدین صاحب ظہورؔ، متوطن موضع اینڈری، ضلع کرنال، متعینہ سرس پور، ضلع دہلی، اہل کار محکمۂ نہر، شاگرد جناب مشتاقؔ صاحب موصوف الصدر زاد الطافہ

خوب ہی اس کتاب میں، اے ظہورؔ! نازنینوں کا ہے بیان لکھا
بے سر جور میں نے اس کا سال ''عورتوں کی ہے داستان، لکھا''
[۳- = ۱۲۹۳] ۱۲۹۰ ف

....

قطعۂ تاریخ عنایتی شیخ مشیت اللہ صاحب مشیتؔ، ساکن سکندر آباد، ضلع بلند شہر، شاگرد ٹھاکر گلاب سنگھ صاحب مشتاقؔ شہرۂ آفاق

نادرؔ نے وہ لکھا ہے یہ تذکرہ زنانہ لازم ہے گل رخوں کا کہیے اسے گلستاں
تاریخ ہے گر اس کی درکار اے مشیتؔ! از روے جوش لکھ دی ''ہے نظم خوبرویاں''
[۳+ = ۱۸۸۰] ۱۸۸۳ء

....

قطعاتِ تاریخیہ ریختہ قلم صداقت رقم جناب مولوی محمد عبدالحیٔ صاحب صفاؔ بدایونی، وکیلِ عدالتِ دیوانی، صاحبِ تذکرۂ شمیم سخن وغیرہ کتبِ متعددہ سلمہ اللہ تعالیٰ

قطعاتِ تاریخِ طبعِ مکرر تذکرہ ''چمن انداز''

میرے شفیق حضرتِ نادرؔ نے، اے صفاؔ! عوراتِ ہند کا ہے لکھا ٹھیک حال
کیوں فکر کر رہے ہو؟ تصور ہے کیا بندھا؟ تاریخ طبع لکھ دو ''عیشِ خجستہ فال''
[۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء] [۱۳۰۰ھ]

ولہ

تذکرہ لکھا لکھا نادؔر نے تھا عورات کا
بارِ اوّل جب چھپا، مقبولِ اہلِ دل ہوا
کوشش و اصرار سے احباب کے بااہتمام
بارِ ثانی زیورِ طبع سے پھر لکھا سجا
سالِ طبعِ دوئی، ہاتف نے باروے ادب
"ہے چھپا نادؔر کا نادر تذکرہ" مجھ سے کہا
+۱] = ۱۸۸۲ ۱۸۸۳ء

ولہ

"چمن انداز" چو شد طبع، صفؔا! بارِ دوم
شوقِ دیدار فزوں گشت بہ ہر فردِ بشر
سالِ تاریخ بہ یک مصرع دوبارہ گفتم
چمنِ ذکرِ جمیل(۳۳۹) و سَبَدِ اہلِ نظر(۳۴۰)
۱۳۰۰ھ
[۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء]

تمام شد

ملحقہ (۵)

عریضہ بخدمت حکیم رنج میرٹھی

مصنّفِ بہارستانِ ناز

[تذکرۃ النّساء نادری، صفحہ ۱۷۷ تا ۱۸۲]

maablib.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عریضہ

معروضۂ سراپا گناہ، روسیاہ، عجز بنیاد درگا پرشاد، جامعِ تذکرۃ النساء نادری موسومہ بہ مرآتِ خیالی جس کے دو حصے گلشنِ ناز و "چمن انداز" سنہ ۱۲۹۲ ہجری اور ۱۲۹۵ نبوی میں علاحدہ علاحدہ منشی انبی پرشاد (۳۴۱) صاحب تاجرِ کتب، دہلی نے طبع فرمائے ہیں اور اب مکرر صحیح ہو کر بہ ہیئتِ مجموعی مع تکملہ اور ضمیمہ کے، چھپا چاہتا ہے۔

بخدمتِ فیض درجت، شرافت پناہ، لیاقت دست گاہ جناب حکیم محمد فصیح الدین صاحب رئیس میرٹھ، موجدِ تذکرہ نویسیِ زنانہ، یکتائے زمانہ، متخلص بہ رنجؔ، نکتہ سنج، سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔

حضور نے کمال عنایت فرمائی جو ہیچ مداں کی یاد دل سے نہ بھلائی۔ سنہ ۱۲۹۹ ہجری قدسی میں جو آپ نے تیسری دفعہ ترمیم فرما کر اپنی بہارستانِ ناز چھپوائی تو اُس میں کئی جگہ "چمن انداز" کو بہ خطاب "رَدّیاتِ چمن انداز" زیبِ تحریر فرمایا۔ شاید آپ کو کامل نسخہ ہاتھ نہ آیا اور نہ گلشنِ ناز (۳۴۲) حضور کے ملاحظے میں گزرا۔ خیر، بقول شخصے "بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا"۔ مجھے اس مزخرفات سے کچھ بحث نہیں ہے۔ اپنا مذہب صلحِ کُل ہے۔ میں نے اپنے رسالے میں کوئی لفظ جناب کی نسبت گستاخی کا نہیں لکھا تھا۔ ہاں! جہاں غلطی پائی تھی، اُس کو دُرست کر دیا تھا۔ حضور نے اپنے اخلاقِ کریمانہ سے جو چاہا، بندے کی نسبت زیبِ ارقام فرمایا۔ اس کے علاوہ مجھے جناب منشی محمد علیم الدین صاحب، مالک مطبعِ عثمانی کی خدمت میں تین چار سال سے نیاز حاصل ہے جن کی فرمائش سے جناب نے یہ نسخہ ترمیم فرمایا ہے۔ اس سبب سے بھی زیادہ لکھنا فضول سمجھتا ہوں۔ صرف اس قدر مودّبانہ گزارش کرتا ہوں:

تیرہ صفحے کی دس و گیارہ سطر میں جو آپ نے ارقام فرمایا کہ

"اس تذکرے کو کھرچ کھرچا کر کچھ فرضی اور خیالی شاعرہ کا کلام خود ہی گھڑ کے

عاصی کی ریس* پر کچھ کاغذ سیاہ کریں گے...... الخ"۔

بنظرِ انصاف ملاحظہ فرمائیے کہ بندگانِ حضور نے "چمن انداز" سے کیا کچھ نہیں لیا؟ اس کے سوا حضور اس کام کے، بقول اپنے، موجد ہیں، بندہ مقلد۔ ہیچ مداں نے کہیں تصنیف کا دعوا نہیں کیا اور تالیف کے معنی یہ ہی ہیں کہ "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا۔"

میرے گلشنِ ناز میں ترپن اور اُس کے تکملہ مطبوعہ سابقہ میں، جو "چمن انداز" کے ساتھ چھپا ہے، آٹھ اور "چمن انداز" میں ایک سو چوالیس، یعنی کُل دو سو پانچ عورتوں کا کلام لکھا گیا تھا۔ حضور کی بہارستانِ ناز، مطبوعۂ دفعۂ سوم میں بھی صرف ایک سو چوہتر کی میزان لکھی گئی ہے، حالاں کہ شمار میں ایک کم آتی (۳۳۳) ہیں۔ نیز، فہرست کا مقابلہ کُل سے کیا گیا تو فہرست میں حرف کاف کی نو شاعرہ لکھی ہیں اور کتاب میں دس کا کلام ہے۔ فرمائیے! گنا لکھنوی فہرست سے کیوں خارج ہے؟ اور اب جو میرا تذکرہ مکرر چھپتا ہے، اس میں گلشنِ ناز کے تکملے میں قریب پچاس کے اور "چمن انداز" کے ضمیمہ میں پچاس شعر گویوں کا ذکر بڑھایا گیا ہے جس سے کُل شعر کہنے والیوں کی تعداد تین سو سے زیادہ ہوگئی ہے۔ فرمائیے! گھر چمن کس کی کتاب ہے؟

اور خیالی گھڑت کی جو تہمت لگائی ہے، اُس کا حال یہ ہے کہ بندے نے اکثر جگہ منقول عنہ کا حوالہ دے دیا ہے مگر:

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

یا

ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد

اغلب کہ حضور نے اس خیالی مسئلہ کو برتا ہوگا۔ پس، دوسرے کو بھی ایسا ہی سمجھ لیا۔

حضور نے پانچویں صفحہ کی گیارھویں سطر میں ترقیم فرمایا ہے:

"غرض کہ اسی تصور میں سیکڑوں تذکرے دیکھ ڈالے، جا بجا سے ڈھونڈھ کے نکالے مگر کوئی تذکرہ خاص مستورات کا نہ پایا...... الخ۔"

لیکن جناب نے اُن تذکروں کی فہرست ارقام نہ فرمائی۔ سیکڑوں تذکرے تو شاید کُل ہندستان کے

کتب خانوں میں بھی نہ ملیں گے، آپ کے دیکھنے میں کہاں سے آئے؟ ہاں! کسی چھپے ہوئے تذکرے کے سیکڑوں نسخے کسی مطبع وغیرہ میں دیکھ لیے ہوں گے، کیوں کہ جواہر العجائب، مطبوعۂ مطبع منشی نول کشور صاحب بھی بندگانِ عالی کو نہ ملا۔ کمال تعجب کی بات ہے! میرے گلشنِ ناز، مطبوعۂ سابقہ کے چوتھے صفحے کو بھی حضور نے ملاحظہ نہ فرمایا جس میں اٹھارہ بیس تذکروں کے نام اور اُن میں عورتوں کی شاعری کا پتا لکھا گیا ہے، مگر دیکھتے کہاں سے؟ وہاں تو صرف ''چمن انداز'' کی کچھ ردّی ہی نظرِ اقدس سے گزری تھی، کامل کتاب کی آپ کو کیا خبر تھی۔ خیر، اب چوتھی دفعہ اس کو ترمیم فرمایئے۔ یہ نسخۂ کامل میں حضور کی نذر کروں گا۔ مصرع:

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

شعر، بقولِ قاضی اخترؔ:

تقصیر ہو معاف تو اک عرض میں کروں ۔۔۔ مجکو نہ کیجیے آپ جو موردِ عتاب کا

جب کہ مختلف تذکروں سے حضور نے بہارستانِ ناز کو انتخاب فرمایا تو حضور اس کے موجد کس طرح ٹھیرے؟ اگر یہ فرمایئے کہ بہ ہیئتِ مجموعی تو کوئی خاص کتاب اس قسم کی پہلے نہیں تھی، چناں چہ فرمایا ہی ہے تو حضور جواہر العجائب کو اب ملاحظہ فرمائیں کہ وہ شاہنشاہ اکبر کے عہد میں تیار ہوئی تھی۔ جس صورت میں کہ آپ موجد نہ رہے، بندہ آپ کا مقلّد کیوں کر ہوا؟ ہاں! متقدّمین کی تقلید سے آپ نے بھی کتاب لکھی، بندے نے بھی تذکرہ تیار کیا۔ اس میں قصور کیا کیا؟ ''چمن انداز'' کی ردّی سے آرائش کا نام مرغوب کلام (۳۳۴) لے کر آپ نے ناحق اپنی کتاب کی آرائش بگاڑی ہے۔

اسیرؔ کا بکائن کا پھول آپ کی کتاب میں نہ سما سکا۔ تعجب کا مقام ہے کہ ''چمن انداز'' کی ردّی سے اُس کا دوسرا شعر لیا، پہلا چھوڑ دیا، تیسرا آج تک اغلب کہ نظرِ مبارک سے نہ گزرا ہوگا، پھر کس طرح آپ اس کے (۳۳۵) باقی کلام کو بکائن کا پھول قرار دیتے ہیں؟

اشکؔ کی نسبت جو تحریر ہے، صرف دعواے بے دلیل کی تقریر ہے۔ اپنے بیانِ صداقت نشان کا ثبوت تو دیا ہوتا۔

بسم اللہ کے بیان میں منشی انعام اللہ بیگ صاحب کو غیر مشہور جو آپ نے لکھا ہے، مجھے نہیں

معلوم کہ شہرت سے آپ کی کیا غرض ہے؟ دہلی کے مشاعروں میں ان کی غزلیں پڑھی گئیں اور چھپیں، اخباروں میں بھی چھپیں۔ دہلی کے مدرسۂ سرکاری میں یہ صاحب ہوش مدرّسِ فارسی ہیں۔ عالی خاندان، والا دودمان ہیں۔ اگر آپ اُن سے ناواقف ہیں تو کیا یہ غیر مشہور ہیں؟

حجابؔ تخلّص، نواب بیگم نام، صاحبِ دیوان کے بیان میں جو حضور نے "چمن انداز" کی رڈّی سے کچھ لکھ کر لکھا ہے کہ "دروغ بر گردن راوی۔" شاید اس میں بندگانِ حضور کو شبہہ رہا ہے، کیوں کہ اَوروں کا حال و مقال جو "چمن انداز" سے لیا، وہ سب راست راست سمجھا گیا، صرف اس میں شک رہا، جو یہ فقرہ سنایا گیا۔ مقتضائے تحقیق تو یہ تھا کہ آپ تحقیق فرماتے، اپنا شبہہ مٹاتے، میرا قصور جتاتے، جیسا کہ میں نے حیاؔ کے بیان میں جناب کی خطا ظاہر کی تھی۔

منجھو خانم کنیز کی رباعی جو حضور نے زیبِ ارقام فرمائی ہے، وہ دراصل میر علی اوسط صاحب رشکؔ کی ہے۔ اُن کا دیوان نظمِ مبارک (۱۲۵۳ھ۔ مطابق ۸۔۱۸۳۷ء) ملاحظہ فرمایئے! چوتھی دفعہ کی ترمیم میں اِس کی تحریر سے بھی ہاتھ اُٹھایئے!

فریدن کے باب میں جو کچھ ارشاد ہوا، بجا و درست ہے، کیوں کہ حضور خاص وہاں کے رئیس۔ ابتدائے آبادی سے شہر میرٹھ کی رنڈیوں کی فہرست آپ کے ہاں تیار ہوگی۔ بندہ نے جیسا سنا تھا، لکھ دیا تھا۔ بالفرض اگر غلط ہے تو بقول آپ کے "دروغ بر گردنِ راوی"۔ میرے پاس بہ مقامِ لاہور، دلّی سے ایک خط میں اس کا احوال یوں پہنچا تھا کہ

> "میرزا محمد بیگ صاحب حیرانؔ، قرابت دارِ نواب شمس الدین خان صاحب مرحوم کی زبانی فریدن کا حال لکھا جاتا ہے، عرصے تک جن کی ملاقات اس شاعرہ سے رہی تھی۔"

پس، میں نے درج تذکرہ کر دیا۔ وہ خط بجنسہٖ میرے پاس موجود ہے۔ جس صاحب کو شک ہو، آ کر ملاحظہ فرمائیں۔ پس، بندہ اس بہتان سے برکنار ہے۔ بقول ہندی:

جیسی سُنے، ویسی کہے(۳۳۶) پاپ پن میں نیارا رہے(۳۳۷)

کنیزؔ کے بیان میں حضور نے سب سے بڑھ کر گُل کھلائے ہیں، عجیب و غریب فقرے

اُڑائے ہیں۔ اُن سب سے قطع نظر کر کے بندہ صرف اتنا عرض کرتا ہے کہ وہ ''نصرت الدولہ بہادر'' کو اہلِ مطابع نے ''رضرت الدولہ بہہ اور'' چھاپا، حضور نے اُسے ''نظرت الدولہ بہہ اور'' بنا لیا۔ خیر، اچھا کیا۔ رہا کنیز فاطمہ بیگم، ممکن ہے کہ فاطمہ بیگم کی لونڈی کا تخلص کنیزؔ ہو، حضور ہی اُس کو کنیز فاطمہ بیگم نام سمجھے ہوں۔ پس، میری ہیچ مدانی پر بہتان بندی ناحق و ناروا ہے۔ زیادہ گزارش کرنا تہذیب کا منہ کالا کرنا ہے۔

ماہ لقا کی نسبت ارشاد ہے کہ ''یہ ایک شعر اُس کے اشعار سے منتخب ہوا۔'' بخدا! سچ سچ کہنا کہ اس کے کتنے اشعار نظرِ مبارک سے گزرے تھے جن میں سے یہ منتخب ہوا؟ بندے کو تو صرف اس کا یہ ہی شعر ہاتھ آیا تھا، وہی ''چمن انداز'' میں لکھ دیا تھا، جس کی رڈی سے حضور نے نقل کر لیا ہے۔ یہ چوری اور سینہ زوری نہیں تو کیا ہے؟

نازکؔ تخلص زینت جان نام کے کلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ ''یہ دو شعر اُس کے یاد تھے، لکھ دیے گئے۔'' اگر حضرت کو شعر ہی یاد تھے تو اس کی سکونت و سنہِ موجودگی ''چمن انداز'' سے لکھ دیتے۔ اس میں کیا قاضی جی گلہ کرتے؟

نازکؔ تخلص وفتن جان نام پر تحریر ہے کہ ''منّا جان رنڈی کے ڈیرے میں آنے جانے لگی۔'' جناب عالی! وہ تو اُس کے ڈیرا میں آ کر آباد ہو گئی اور ''چمن انداز'' کے چھپنے تک منّا جان کے پاس رہی، بل کہ اُس کے بعد منّا جان کی تجہیز و تکفین خود ہی کی۔ آپ نے ناحق ''چمن انداز'' کے اس فقرے کو بدلا کہ ''منّا جان والدۂ جتن جان متوفّی کے ڈیرے میں آئی۔''

غرض، اس کا بیان آپ نے خلاف واقعہ تحریر فرمایا ہے۔ اس پر آپ لکھتے ہیں کہ ''باور فرمائے کا جھوٹ نہیں، سچ ہے۔ یہ اشعار اُس کی زبانی سنے ہوئے تحریر ہیں۔'' سبحان اللہ! ''چہ دلاور ست دُزدے کہ بکف چراغ دارد۔''

جناب نے ''چمن انداز'' کی خاک چھان کر یہ شعر فتن کے لکھے اور زبانی سنے ہوئے تحریر فرمائے۔ آپ نے جس وقت یہ شعر لکھے ہیں، اُس وقت اُس سے ہم کلام ہونا تو درکنار، اُس کا دیکھنا بھی غیروں کو نصیب نہ تھا اور اگر آپ پہلے سُن چکے تھے تو اوّل ہی دفعہ یا دفعۂ ثانی میں کیوں نہ لکھے؟

الغرض، یہ ہٹ دھرمی اچھی نہیں ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ کے سارے دعوے نرے دعوے ہی دعوے ہیں، راستی کے دریا سے سب کنارے ہی کنارے ہیں۔ خیر، غیب کا حال خدا ہی جانتا ہے۔

صفحہ	سطر	لفظِ غلط	صحیح
۴	۸	مطّلب	مطب
۵۱	۱	برام	بزم
۵۱	۸	تبھی بعد غدر	بھی بعد غدر
۶۴	۴	کھول کر	گھول کر
۶۸	۱۲	میر کرامت علی	میر برکت علی
۶۹	۳	فرحت کے بیان کی عبارت سے نہ اس کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ مر جانا۔ کوئی فقرہ موجودگی پر دال ہے، کوئی فوتیدگی پر۔ غرض کہ اجتماعِ نقیضین ہے۔ بہار، مطبوعۂ دفعہ ۲ کی تحریر تو اس کی فوتیدگی صاف ظاہر کرتی ہے، دفعۂ ثالث کی ناحق دھوکا دیتی ہے۔	
۹۹	۱۵	لوزم	نورم

جناب حکیم صاحب! یہ سات آٹھ غلطیاں بہارستانِ ناز ، مطبوعۂ دفعۂ ثالث کی صرف اس سبب سے نمونے کے طور پر گزارش ہوئی ہیں کہ باوجود اس قدر کوشش وسعی کے بھی مطبع کے کارپرداز جیسی کہ چاہیے، صحت نہیں کرتے۔ آپ تو خود وہاں رونق افروز تھے، جس قدر صحت ہوتی، کم تھی، اور جس وقت کہ میرا ''چمن انداز'' چھپا تھا، میں لاہور میں تھا اور کتاب دہلی میں چھپی تھی، پھر بھی حضور کو اُس میں بجز ایک اس (یہہ اور) لفظ کے اور کوئی گرفت کا موقع نہ ملا، گو اپنی ہٹ دھرمی سے آپ نے فریدن اور کنیز کے بیان میں اپنے دل کا غبار نکال لیا۔ خوب ہوا کہ میں عاقبت کی باز پُرس سے بری ہو گیا۔

اب زیادہ گوئی یاوہ گوئی سمجھ کر سلام عرض کرتا ہوں اور اس کا انصاف منصف مزاجوں سے چاہتا ہوں۔

تحریر تاریخ ۲۰ر نومبر سنہ ۱۸۸۲ء
الراقم درگا پرشاد نادرؔ

ملحقہ (۶)

رُقعۂ ☆ راستی مُرقعۂ ☆ بے مُجادلہ ☆

[بہ جناب ابوالقاسم محتشمؔ]

[مشمولہ: ملحقۂ مرأتِ خیالی، علاحدہ صفحات ۱ تا ۸]

maablib.org

رُقعۂ راستی مُرقعۂ بے مُجادلہ

محررۂ عجز بنیاد درگا پرشاد مولفِ تذکرۃ النساء نادری (جس کے دونوں حصے: گلشنِ ناز اور ''چمن انداز'' پہلے علاحدہ علاحدہ چھپے تھے اور اب ایک جلد میں، بہ ایزادیِ تکملہ و ضمیمہ مع عریضہ بخدمتِ مولفِ بہارستانِ ناز، اُن کی حینِ حیات چھپا ہے)۔

بہ ملازمت والا درجت جناب ابوالقاسم محتشم صاحب مولفِ تذکرۂ اخترِ تاباں و ماہِ درخشاں، رونق افزاے دارالاقبال بھوپال زاداللہ حشمتھا۔

جنابا! سرِ تسلیم خم کر کے مدّعا طراز ہوں، معافی چاہ کر تصدیعہ پرداز ہوں۔ حضور کی پہلی کتاب، اعنی اخترِ تاباں بندے کے پاس آئی۔ اُس نے میری گلشنِ ناز کے حاشیے اور تکملے کی آبرو بڑھائی۔ اب جو اُس کی جلدِ ثانی، یعنی ماہِ درخشاں، مطبوعہ سنہ ۱۳۰۰ ہجری [مطابق ۱۸۸۳ء] ملی تو اُس نے اَور ہی کیفیت دکھائی۔ خیر، اِن اوراق کا مقابلہ ''چمن انداز'' سے کیا تو عجب حیرانی نے مُنہ دکھایا۔ جہاں دیکھا، تحریف و بلا سبب تنسیخ کا نقشہ پایا۔ ناچار، دلِ تحقیق منزل میں یہ ہی سمایا کہ بندگانِ عالی سے اس کا سبب دریافت کروں، دلِ ناشکیب کو تسکین دوں، کیونکہ میں نے اپنے نزدیک کمال تحقیق کے ساتھ واقعاتِ صحیحہ جمع کیے تھے، پھر اُن میں بلا دلیل ردّ و بدل کیوں کر ہوگئی؟ آئندہ نسل کے واسطے گویا مغالطے کی راہ کھل گئی۔ کوئی اِس کو، کوئی اُس کو صحیح سمجھے گا، کوئی یوں ہی ٹھوکریں کھایا کرے گا۔ بس، اگر براہِ فیض رسانیِ طالبانِ حال و آئندہ آپ معروضاتِ ذیل کا جواب شافی تحریر فرمائیں تو بندے کو اپنے الطاف و اخلاقِ کریمانہ کا بندۂ احسان بنائیں اور زمانۂ حال و مستقبل کے طالب علم اِن غلطیوں اور مغالطوں سے مامون و محفوظ ہو جائیں۔ آئندہ جو راے مبارک۔

دو کلمۂ استفسارات (۱۳۰۸)

(۱) ماہِ درخشاں، صفحہ ۹ سطر ۱۲: ''بیگم زنے بود۔'' لیکن ''چمن انداز'' میں اِس کا نام صاف تارا بیگم موجود تھا، پھر آپ نے اِس فروگذاشت میں کیا فائدہ تصور فرمایا۔ اگر اس میں کوئی رمز ہو تو بندہ بھی اُس سے مطّلع ہو۔

(۲) صفحہ ۱۰ سطر ۱۰: پارؔسا کے بیان میں زیب تحریر ہوا ہے کہ ''شوہر نگرفت۔'' کیا خوب! بندے نے تو اس پارسا کے ولدِ ماجد کی نسبت یہ لکھا تھا کہ:

''آپ نے اِس خیالِ خام سے اِس صاحب عصمت کی شادی کت خدائی نہ کی کہ کسی کو اپنا داماد بنانا باعثِ ننگ ہے۔''

حضور نے اس واقعۂ[۳۴۸] عبرت خیز کو بالکل معکوس فرما دیا اور نواب زیب النّسا شہزادی سے اِس غریب زادے کو بھڑا دیا۔ فرمایئے، اِس میں کیا نیا لطف نکالا۔

(۳) اسی صفحہ کے اخیر پر پٹاباز کا جو شعر مشتہر ہوا ہے، وہ دراصل مولوی وجیہ الزماں رحیقؔ کا ہے۔ کمافی تذکرۃ الشعرا رام پور۔ بندے نے اپنے تذکرے میں، جب کہ وہ دوبارہ چھپا ہے، یہ امر ظاہر کر دیا ہے۔ پس، اِطلاعاً یاں بھی گزارش ہوا ہے۔ نیز، اس بیان سے حضور کی تحقیقات کا حال بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) صفحہ ۱۱ سطر ۱۳[۳۴۹]: ''تصویرؔ: تخلّص بروالا کبار، وطنش عظیم آباد۔'' بندہ صرف یہ التماس رکھتا ہے کہ حضور کو اس کے وطن کا پتا کہاں سے لگا؟ میرے نزدیک تو یہ عورت حکیم میر قطب الدین صاحب باطنؔ اکبرآبادی، مولّفِ تذکرۂ نغمۂ عندلیب کی آشنا معلوم ہوتی ہے جنھوں نے اوّل اوّل اس کا کلام شائع کیا، سکونت کا پتا نہ دیا۔ اگر آپ کو بالتحقیق اس کا یہ مسکن معلوم ہوا ہے تو ہیچ مداں کو بھی اس کی سَنَد سنایئے! ممنون فرمایئے۔

(۵) صفحہ ۱۲ پر: ثریا بیگم نام آپ کو کہاں سے ہاتھ آیا۔ ''چمن انداز'' اور ''بہارستانِ ناز'' میں تو اس کا نام بنڑی بیگم چھپا تھا۔ کیا ڈاہندی کا لفظ بھوپالیوں سے ادا نہیں ہو سکتا یا اس تبدیلی نام کا

کوئی اَور سبب خاص ہے؟ بہر کیف، جو معاملہ راست راست ہو، وہی ارشادِ فیض بنیاد ہو۔

(۶) صفحہ ۱۶: حبیب النسا دہلوی۔ حضور نے کس سے سنا۔ یہ محض غلط اور غلط محض ہے۔ حبیب تخلص کا جو شعر بندے نے لکھا ہے، اُس کا نام اور پتا بخوبی معلوم ہے۔ اُس کے لواحقوں سے ملاقات ہے۔ یہ صاحب عفت و عصمت اس درجے کی نہیں ہے کہ جس کا نام و نشان مشتہر کیا جائے۔ آپ نے یہ فرضی نام کیوں دھر گھسیٹا؟ اس افترا پردازی میں کیا فائدہ سمجھا؟ مگر ہاں! اپنی کتاب کے ملاحظہ فرمانے والوں کو ناحق دھوکے میں ڈالا۔

(۷) اس کے آگے ہے: ''حجاب در بنارس۔ از زمرۂ لولیاں بود۔ در قصبہ ہاپُڑ قریب میرٹھ اکثر جا گرم می نمود'' مگر ''چمن انداز'' میں صاف لکھا ہے کہ حجاب تخلص، بنی جان نام، سکنہ، ہاپوڑ، ضلع میرٹھ، مقیم بنارس۔ فرمایئے! کیا یہ ترجمہ حضور نے درست کیا ہے، یا کسی اَور تذکرے سے یہ ماجرا لکھا ہے؟ پس، اُس کا نام و نشان بتانا اور میرا بے ہودہ بکنا، ظاہر فرماتا تھا۔

(۸) صفحہ ۱۷: ''حجاب تخلص، نواب بیگم، زنِ عفیفہ، خوش تقریر، دخترِ اعظم علی خاں، رفیقِ معتمد الدولہ آغا میر۔'' اصل میں ''چمن انداز'' کا یہ مقولہ ہے کہ حجاب تخلص، نواب بیگم نام عرف چھوٹی بیگم، دخترِ داروغہ اعظم علی خاں فرزند نواب معتمد الدولہ بہادر...... وغیرہ۔ آگے اس کے سنہ ولادت اور صاحبِ دیوان ہونا بھی لکھا ہے۔ پس، معلوم ہوا کہ بندگانِ عالی کے نزدیک یہ دونو باتیں تذکرے میں ذکر کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ خیر، مگر جس قدر حضور نے زیبِ ارقام فرمایا ہے، اُس میں بھی تناقض پڑ گیا۔ ظاہر ہے کہ دونو عبارتیں تو درست ہو ہی نہیں سکتیں، ایک ضرور غلط ہو گی۔ پس، جس کو آپ بہ دلائلِ صحیحہ صحیح رکھیں، وہ ہی صحیح ہے۔ بندہ بھی اُس سے مطلع ہو تو عین عنایت ہو۔

(۹) صفحہ ۱۹ میں حیا کا بیان جناب نے عجیب ڈھنگ پر زیبِ تحریر فرمایا ہے:

''بقولِ مؤلف گلشنِ ناز و ''چمن انداز''، دخترِ شاہ عالم و شاگردِ شاہ نصیر و بقولِ مؤلف بہارستانِ ناز، بنتِ نواب مرزا تقی خاں ہوس شاعرِ شعیر۔''

اے مہربان! برائے خدا ''چمن انداز'' کو بنظرِ غور ملاحظہ فرمایئے! بندے نے اس پاک

دامنہ کا احوال لکھ کر صرف وہ شعر لکھ دیا ہے: نہ کیوں حیرت ہو...... الخ ــــ اور یہ بھی عرض کر دیا ہے کہ اِس شاعرہ کا صرف یہی ایک شعر ملا ہے۔ اس کے بعد دوسری شاعر ہم شیرِ پارسا بنتِ ہوسؔ مسطور کا احوال قلم بند کیا ہے اور بہارستان ناز کی غلط بیانی کو بہ دلائل ساطع و براہینِ قاطع جلوۂ ظہور دیا ہے، چناں چہ اشعارِ مندرجۂ بہارِ مذکور، میرزا رحیم الدین صاحب حیاؔ کے دیوان اور تذکرۂ گلستانِ سخن میں بتا دیے ہیں، سب کو سنا دیے ہیں۔ آپ نے دونو شاعراؤں کو ایک ہی خیال فرمالیا، تحقیق کا حق پورا پورا ادا کیا۔ مزید بر آں، صاحب عالم بہادر کا تخلص حیاتؔ قرار دے لیا۔ پس، یہ تحریف و تنسیخ نہیں معلوم کہ کس وجہ سے ہوئی ہے، جب کہ تذکرہ ایک قسم تاریخ کی ہے تو مورّخ کو واقعات میں اختلاف کرنا، بقوانینِ عقلی، درست نہیں معلوم ہوتا۔ ہاں! اگر حضور کو ریاست بھوپال زاد اللہ شوکت سے کوئی خاص حکم اس بارے میں مل گیا ہو تو مضائقہ نہیں ہے، پر آج تک تو ایسا حکم کسی حاکم کی طرف سے دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔

الغرض، اس کی مفصّل کیفیت (اگر بندگانِ عالی کو تکلیف نہ ہو)، ضرور زیبِ ارقام فرمائیے۔ بندہ آپ کا کمال ممنون و مرہونِ احسان ہوگا۔ زیادہ کیا تصدیعہ دوں، ہاں! بہارستانِ ناز، مطبوعہ دفعۂ ثالث کو دیکھو تو وہاں بھی پہلے حیاؔ صفحہ ۳۹ میں ہے اور دوسرے صفحہ ۴۴ پر۔ نہیں معلوم کہ حضور نے کیوں کر دونوں کو ایک سمجھ لیا۔

(۱۰) صفحہ ۲۱ پر جو آپ حسینؔ کو طوائف تحریر فرماتے ہیں، اس کی کیا سَنَد رکھتے ہیں؟ وہ تو پردہ نشین، حافظ محمد امین صاحب امینؔ کی شاگرد ہے جس کا ذکرِ خیر ''چمن انداز'' کے ضمیمۂ نوتیار میں درج ہوا ہے۔ پس، اگر میرا بیان غلط ہو اور آپ کو اِس کا فاحشہ ہونا ثابت ہو گیا ہو تو بندے کو بھی اس کی سَنَد عطا ہو، ورنہ کیوں کسی مسلمانی کو بدنام کیا؟

(۱۱) اسی صفحے پر ''خاکسار تخلص، نذیں کہ در سنہ ۱۲۷۰ ہجری [مطابق ۵۴-۱۸۵۳ء] ...... الخ'' جو لکھا ہے، آپ کو کہاں سے ثابت ہوا ہے؟ بندہ اس عفت پناہ کے واسطہ داروں سے رابطہ رکھتا ہے اور بہ خوبی جانتا ہے کہ خاکساریؔ اُس کا تخلص ہے۔ سنہ ۱۲۹۲ ہجری [مطابق ۱۸۷۵ء] میں، جب

کہ ''چمن انداز'' تالیف ہوا، پندرہ سولہ برس کا اُس کا سِن و سال تھا۔ فرمائیے کہ سنہ ۱۲۷۰ھ۔ مطابق ۵۴-۱۸۵۳ء] میں کہاں سے موجود ہوئی؟ یہ موجودگی کی سَنَد آپ کو کہاں سے ملی؟

(۱۲) صفحہ ۲۳: ''دیبیؔ، ہندو زنے بود، از قوم کا یتھ، ساکن بندرابن......''۔ سبحان اللہ! تخلّص بدلا، نام اُڑا دیا، مسکن تبدیل کیا، قومیت پیدا کر دی، بیت نئی کیوں نہ گھڑی؟ وہ ''چمن انداز'' ہی سے نقل کر لی، ورنہ یہ شاعرہ نئی ہو جاتی، مجھے کیوں اس قدر خامہ فرسائی کی حاجت پڑتی! جنابا! یہ شعر، جو حضور نے دیبیؔ کے نام سے زیبِ ارقام فرمایا ہے، مہراں نامی دہلوی کا ہے جس کا تخلّص ڈھبؔ لکھا گیا ہے اور اب تک زندہ و سلامت موجود ہے مگر شاعری نہیں کرتی۔ یہ بھی صرف اُس زمانہ کی ترنگ، اُٹھتی جوانی کی اُمنگ میں بول اُٹھی تھی، جو یاروں کے گوش آشنا ہو گئی، قیدِ کتابت میں آ گئی۔ آپ نے ناحق اس کا نام و نشان مٹایا اور دوسری کو فرضی نام، قوم اور سکونت سے اس کی جگہ لا بٹھایا۔

(۱۳) صفحہ ۲۴: رعنائیؔ کا مسکن فتح پور، صفحہ ۲۷: ''ہوشؔ، زنے بود در کرنال''۔ ان دونوں کا مقام کہاں سے دریافت ہوا؟ اگر صحیح ہو تو بندہ بھی لکھ دے، گھڑت ہے تو خیر۔

(۱۴) صفحہ ۳۲، سطر ۳: ''میر محمد شیرؔ و امداد علی بحرؔ'' بجائے میر محمدی سپہرؔ و شیخ امداد علی بحرؔ کے لکھا گیا۔ یہ سہوِ کاتب معلوم ہوتا ہے، پر مصحح نے درست کیوں نہ کیا؟ اہالیانِ مطبع کو متنبّہ کرنا ضرور ہے کہ کاپی و پروف کی تصحیح پر نظر رکھا کریں، سنگ ساز کو تاکید کریں۔ اس پر بھی درست نہ ہو تو صحت نامہ تیار ہو۔

(۱۵) صفحہ ۴۱ پر: ''طالبؔ، طالبہ خانم، از لولیانِ شاہ جہاں آباد، زنِ ذی شعور۔ دیگر حالِ وے در پردۂ عصمت مستور''۔ ماشاء اللہ! چشم بد دور! یاں بھی وہی طور برتا جو صفحہ ۲۳ پر دیبیؔ کے بیان میں ظاہر ہوا تھا۔ یہ ڈھب حضور کو خوب آتا ہے۔ ''چمن انداز'' میں تو صرف یہ لکھا تھا: ''طلبؔ، مجہول الحال کسی عورت کی یہ مقال ہے۔'' فرمائیے! نام کہاں سے نکالا؟ تخلّص میں الف کیوں زیادہ ہوا؟ جب وہ مجہول الحال تھی تو لولی کیوں لکھی گئی؟ شاید بھلی مانس ہی ہو، اور جب قحبہ قرار پائی تو اُس کا حال پردۂ عصمت میں کس طرح مستور رہا؟ وہ تو طشت از بام

ہوگیا۔ غرض یہ کہ ''دروغ را فروغ نباشد'' کا مقولہ درست ہے۔

جب جناب نے اس طرح کی بہتان بندیاں اختیار کیں تو فرمایئے کہ ان تذکروں کی کیا وقعت رہے گی؟ بندے نے دانستہ اس کو مجہول الحال لکھا تھا، کیوں کہ اشراف زادیاں جو شعر کہتی ہیں، وہ اپنا نام و نشان ظاہر کرنا ہرگز روا نہیں رکھتی ہیں، نہ اُن کے لواحق اس امر کا افشا چاہتے ہیں، البتہ اپنے ملاقاتیوں کو اُن کے شعر لا دیتے ہیں، نام و نشان نہیں بتاتے۔ پھر فرمایئے کہ ایسے موقع پر فرضی نام و نشان سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟

(۱۶) صفحہ ۴۴: فاطمہ کے بیان میں بڑا دھوکا ہوا۔ حال تو دہلوی کا لکھا گیا، کلام آگرہ والی کا ڈال دیا۔ دہلوی کا صرف ایک مصرع جوابی تھا جو اُس نے اپنے اُستاد کے مصرع پر کہا تھا۔ پس، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید جناب نے ''چمن انداز'' پر کچھ نشان دے کر کاتب کے حوالہ کیا ہو گا، اُس نے یہ غلطی کر دی۔ آپ کو کارِ سرکار سے اس قدر فرصت کہاں ملے کہ پھر اُس کا مقابلہ اصل سے ہو! خیر، یاں بھی ادغام نے کام دیا، جیسے دوحیا کو ایک مان لیا تھا۔

(۱۷) اسی صفحہ میں فرخ بیگم کو لکھنوی مخدرات، بمعنی پردہ دار ناحق لکھا ہے۔ یہ تو کوئی پوربی رنڈی تھی۔ اگر آپ کو اپنے کلام کی کوئی سَنَد ملی ہو تو زیبِ تحریر ہو۔

(۱۸) اس کے آگے فریدن میر ٹھن کو آپ نے دہلوی بنا دیا۔

(۱۹) صفحہ ۵۱ پر گوہر تخلص، مسماۃ لال بی، بجائے گوہر تخلص، لعلِ بے بہا نام کے، کیوں شائع ہوا؟ کیا ہر جگہ نام کا بدلنا لازم گردانا گیا ہے۔

(۲۰) صفحہ ۵۲: منجھلی بیگم خانگی کا مسکن ''بیرون لاہوری دروازہ'' کس بنا پر قائم فرمایا ہے؟ وہاں تو رذیل قوم کی آبادی سمجھی جاتی ہے۔ لا حول ولا قوۃ......الخ۔

حضور نے یاں بھی وہی تخفیف تصدیعہ کا معاملہ کیا، یعنی ''چمن انداز'' میں ماہ تخلص کی دو عورتوں کا ذکر تھا۔ آپ نے ایک کو لکھا، دوسرے کے بیان میں لکھا تھا کہ لاہوری دروازے کے باہر اپنے باغ میں مدفون ہے، یاں سے اُس کا مسکن نکال لیا۔ کیا خوب انتخاب لاجواب کیا! جزاك الله فی الدارین خیرا!

(۲۱) صفحہ ۶۱: ''گمانی خانم طوائف'' بجائے گمانی خانم کی بیٹی بنام گیتی آرا بیگم کے، لکھ کر ناحق غلط بیانی کا دھبّا اُٹھایا۔

(۲۲) صفحہ ۶۲: ''عالم آرا بیگم''۔ بندے نے خود اس شاعرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا کلام لکھا تھا۔ الّا، اُس نے نام نہیں بتایا تھا، آپ نے یہ فرضی نام خوب گھڑ لیا۔

(۲۳) صفحہ ۶۴ میں نازک تخلص، فتن جان نام کو حضور نے فتنہ جان بنایا لیکن ''بعد وفات شہزادہ'' کہاں سے پایا؟ یہ بیان خلاف واقعہ ہوا۔ وہ تو ولی عہد بہادر کے روبرو ہی نکل آئی تھی۔

(۲۴) صفحہ ۶۵: ''نزاکت تخلص، مسماۃ بجو''، بجائے نزاکت تخلص، رجو کے، سہوالقلم سمجھنا چاہیے۔

(۲۵) صفحہ ۶۶ میں: ''نزاکت تخلص، مسماۃ کندن''، بجائے نزاکت تخلص، کندو نام کے، بنا کر کیا غلط نویس صاحب نے کندن کا ڈلا حاصل کر لیا؟ مگر: نیشِ عقرب نہ از پے کیں است۔

(۲۶) صفحہ ۶۸: ''نظیرن''، بجائے، نسائی کے، لکھ کر دو شعر تحریر فرمائے۔ دراصل پہلا شعر نسائی کا، دوسرا نظیر متخلص بہ اسم کا۔ پس، یاں بھی تخفیف کا بازار گرم رکھا۔

(۲۷) صفحہ ۷۳: ''بعد ساعتے یاسمن قالب تہی نمود۔'' یہ واقعہ بھی خلافِ واقعہ لکھا گیا۔ آپ کو مترجم اچھا نہ ملا۔ اُس نے اپنی عقل آرائی بہت کی ہے۔ نکاح کے بعد اس کا تین روز زندہ رہنا مورّخوں نے لکھا ہے، پھر آپ کا ترجمہ کس طرح درست رہا۔

(۲۸) صفحہ ۷۴ سطر ۵ کا شعر جو یاسمین شاعرہ کے اشعاروں [کذا] میں ملا دیا ہے (جس کا اصلی نام تو من ہے اور تخلص یاسمین)، وہ تو کسی اَور شاعر یا شاعرہ کا ہے۔ جس کا حال بندۂ ہیچ مداں کو تحقیق نہیں ہوا تھا۔ اغلب کہ حضور نے تحقیق فرما کر لکھا ہوگا، یا وہی دو دو کو ایک ایک کر کے تعدادِ شاعرات کا گھٹانا ہی واجب گردان لیا ہے۔

بہر کیف، جیسا ہو، اگر نمبروار جواب شافی عطا ہوں تو عین عطا ہو۔

یہ بھی تو فرمایئے کہ اس تذکرہ نویسی کا صلہ کیا اُڑایا؟ حضور رئیسہ دام اقبالہٗ سے کیا ہاتھ آیا؟ والسلام!

خاتمہ حمید کلامِ محبوباں (۱۳۰۸ [ھ۔مطابق ۱۸۹۰ء])

یا

خاتمہ کالاے کلامِ محبوباں (۱۳۰۸)

واضح راے ناظرینِ باتمکین ہو کہ ہیچ مداں نے ۵/اکتوبر سنہ ۱۸۹۰ء مطابق ۲۰ صفر سنہ ۱۳۰۸ ہجری کو ایک کارڈ جناب مکتوب الیہ صاحب کو لکھا تھا کہ آپ کے تذکرۂ ماہِ درخشاں کی نسبت بندہ کو کئی باتیں دریافت کرنی ہیں۔ اگر آپ تحریر فرمائیں تو عرض کروں مگر وہاں سے جواب نہ آیا۔ مجبور یہ رقعہ چھپوانے کا ارادہ کیا۔ پس، میں ہر طرح سے معذور ہوں اور مہذب جواب کا اب بھی خواست گار ہوں۔ والسلام!

غور فرمایئے کہ جب بہارستانِ ناز دو دفعہ چھپ چکی تو بندے نے گلشنِ ناز اور "چمن انداز" تیار کیا۔ اس میں جہاں موقع پایا، بہارِ مستور کی غلط بیانی دکھائی مگر کہیں بدتہذیبی کی عبارت نہیں لکھی، مگر اُس کے مولّف نے پھر تیسری دفعہ اپنی کتاب کو ترمیم فرما کر چھپوایا، جس میں اِس جاہلِ مطلق کی نسبت جو دل میں آیا، حوالۂ قلم کیا۔ پس خاک سار نے بھی اپنے تذکرے کے دونوں حصے بدستور، بہ ایزادیِ تکملہ و تیاریِ ضمیمہ، مع ایک عریضہ، چھپوا کر جناب حکیم صاحب مرحوم مولّف بہار کو نذر کیا، چناں چہ اُن کی دست خطی رسید بھی میرے پاس موجود ہے۔ جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"تذکرۃ النسا جمالِ جہاں آرا برُخ نظارگیاں کشود۔ مشکورِ عطیۂ مصنف بے بدل منشی درگا پرشاد شدم۔ ۲/اپریل سنہ ۱۸۸۴ء۔"

مگر پھر صداے برنخاست، اور نیز، ہیچ میرز نے سرودِ غیبی کی نسبت جو کچھ

''چمن انداز'' میں بہ بیانِ عابدؔ عرض کیا ہے، وہ سب کتابِ مندرجہ بالا کے مصنّفِ منصف مزاج میاں جویاؔ صاحب نے منظور فرمالیا ہے، جیسا کہ اُن کے خط سے، جو ''چمن انداز'' مطبوعۂ دفعۂ ثانی کے ساتھ چھپ گیا ہے، ظاہر ہے۔ پس، اسی طرح اگر جنابِ مکتوب الیہ بہادر بھی صحیح صحیح جوابِ باصواب دیں گے تو ان شا اللہ کسی موقع پر چھپوا دوں گا، یا وہ خود ہی اس لچر و پوچ عبارت کو، مع جوابات، اپنی کتاب کا ضمیمہ بنا کر شائع فرماویں، ایک نسخہ مجھے بھی مرحمت فرمائیں۔ زیادہ کیا تصدیعہ دیا جاوے۔ فقط۔

تمت

ملحقہ (۷)

تاریخ گوئی کا بیان

[مرأتِ خیالی، صفحہ ۵۷تا۶۹ ؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۱۶تا۱۲۹]

maablib.org

تمہید

ناظرانِ علم دوست کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ گو بندے نے اپنے تذکرے مثل دستۂ نادر الاذکار میں رمز البلاغت درج کی ہے۔ وہاں سے تاریخ گوئی کا ڈھنگ بھی کچھ اخذ ہو سکتا ہے۔ [اِس بیان کی زیادہ تشریح چاہو، [تو] میرا رسالہ کنزِ تاریخی (۱۲۹۰ھ [مطابق ۱۸۷۳ء]) اور ملخصِ تسلیمؔ (۱۳۰۰ھ [مطابق ۱۸۸۳ء]) حضرت انوار حسین تسلیم مرحوم کی، ملاحظہ فرماؤ!]، (۳۵۰) اور نیز میرے مہربان میر عباس صاحب نے ایک رسالہ بنام استخراج التواریخ چھپوا دیا ہے۔ پس، یہاں زیادہ توضیح کی کچھ حاجت نہیں تھی۔ الّا، جو یا ممدوح کی کتاب لاجواب مسطور میں عجیب عجیب باتیں نظر آئیں۔ بے اختیار دل چاہا کہ اُس کا لبِّ لباب بھی نذرِ احباب ہو۔ پس، نادر یاوہ گو عرض کرتا ہے:

عام باتیں جن کی واقفیت تاریخ گو کو لابد ہے

ایسے چند حرفوں کے اجتماع کو تاریخ کا مادّہ کہتے ہیں جن کے عدد، جو جُمّل کے حساب سے حاصل ہوں، سنہ و سالِ مطلوبہ کے برابر ہوں۔ اب عام ہے کہ جملہ، جس کو مادّہ قرار دیا ہے، موزوں ہو یا ناموزوں، یعنی پیوستہ ہو خواہ پراگندہ۔ سب سے بہتر وہ مادّہ ہے جو اُس واقعہ پر دلالت کرتا ہوا ہو جس کی کہ وہ تاریخ ہے۔ مثلاً، میرزا رفیع السوداؔ نے کسی کے باغ کی تاریخ میں کیا خوب کہا ہے:

سرِ عدوے بہارش بریدم و گفتم بگلشنِ تو الٰہی گزند وے نرسد

مادّہ تین طرح کا ہوتا ہے: کامل، ناقص، زائد۔ ''کامل'' جیسے مرأۃ خیالی اِس کتاب کا نام ہے۔ ''ناقص''، جس کے عدد کچھ کم ہوں اور بہ اشارۂ لطیفہ اُس پر کوئی حرف بڑھا کر سنہِ مطلوب نکالیں۔ جیسے جناب میرزا قربان علی بیگ صاحب سالکؔ مدظلہ العالی نے بندے کے تذکرۂ نادر الاذکار کی تاریخ یوں موزوں فرمائی ہے، اور اس عمل کو ''تعمیہ'' کہتے ہیں:

زِ رشحِ کلکِ نادرؔ نقش نادر تراوید و میسّر گشت کامش
برائے سالِ تالیف از سرِ فہم نہادہ نادر الاذکار نامش

۸۰ [+] ۱۲۰۸ [=۱۲۸۸ھ ۔ مطابق ۲-۱۸۷۱ء]

"زائد" وہ مادّہ ہے کہ جس کے عدد اعداد مطلوبہ سے زیادہ ہو جائیں اور اُس کو بہ کنایۂ فصیح کم کریں۔ اس عمل کا نام تخرجہ ہے۔ جیسے بندہ کے "شجرۂ خاندان تیموریہ" کی تاریخ یہ چھپی ہے:

بے سرِ بغض اے نکو سیرت! ہست تاریخ "غیرتِ گل زار"
۲
[-] ۱۸۶۸ [=] ۱۸۶۶ء

یادرکھو کہ چند باتیں فنِ معمّا کی، تاریخ گویوں نے مان رکھی ہیں جو تعمیہ و تخرجہ کے عمل میں مستعمل ہیں۔ ذہن میں ان کا حاضر رکھنا ضروریات سے ہے۔

تعمیہ اور تخرجہ اکثر دو حرفی، سہ حرفی لفظ کے ایک حرف سے کیا کرتے ہیں۔ پس، ہر کلمہ کے حرف کو ابتدا، اوّل، لب، دست، چشم، رخ، دہان، دندان، روے، زبان، بینی، پیش، شاخ، سینگ، راس، سر، جعد، چوٹی، وغیرہ الفاظ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ دوسرے حرف کو کہ وسطِ کلمہ ہو، ان ناموں سے یاد کرتے ہیں: وسط، اوسط، درمیان، میان، کمر، ضمیر، دل، جگر، قلب، شکم، پہلو، بازو، ناف، وغیرہ۔ تیسرے حرف کے یہ نشان مقرر ہیں، جو اکثر کلمہ کا اخیر ہوتا ہے: انجام، پا، پس، پایاں، انتہا، حد، اخیر، دُم، پاشنہ، زانو، وغیرہ۔

اگر میں ان سب کی مثالیں لکھوں تو طولِ فضول ہو۔ مختلف شاعروں کی تاریخیں دیکھو! سب کی مثالیں ظاہر ہیں۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ۔

جمل کا حساب اس نظم سے ظاہر ہے اور ابجد، ہوّز، حطّی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ؛ ان آٹھ کلموں میں عربی کے اٹھائیس حرف موجود ہیں۔ ان کے مقابلات (ٹ پ چ ڈ ژ گ) کے اعداد بھی انھیں کے مطابق شمار میں آتے ہیں۔ مخلوط الہا حرفوں کے عدد اُن کی ترکیب کے موافق گنے جاتے ہیں کہ بیانیہ، وغیرہ کے اکثر بچیس سمجھتے جاتے ہیں۔

نکتہ: منتخب التواریخ والا؛ سلطان محمد عادل عرف عدلی سُور کے ذکر میں لکھتا ہے کہ اضافت کے ہمزہ کا ایک عدد شمار کر لیتے ہیں۔

تو ابجد سے حُطّی تک ایک ایک گن مگر تا بہ سعفص دے دس دس بڑھا
پھر آگے سے سو سو فزوں کر کے یار دل اپنا جُمل سے لے نادرا! چھڑا

خاص سرودِ غیبی کی اصطلاحیں

واضح ہو کہ اب شاعر تاریخ گوئی میں صنعتوں کو بہت کم برتتے ہیں، بل کہ اکثر تو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ نظر براں چند صنعتوں کی تعریف مع امثلہ لکھتا ہوں۔

صنعتِ صوری و معنوی: جس مادّے کے اعداد سے ایک سنہ اور الفاظ سے دوسرے سنہ نکلیں، وہ اس نام سے موسوم ہوتا ہے[۴۳] جیسا:

یک ہزار و دو صد و ہشتاد و شش تاریخ بنائے مدرسۃ العلوم علی گڑھ اٹھارہ سے پچھتر

جس کے حرفوں سے سنہ ۱۲۹۲ ہجری [مطابق ۱۸۷۵ء] ظاہر ہیں، اور جائز ہے کہ خواہ دونوں طرح ایک ہی سنہ نکالیں۔

صنعتِ تجنیس: تجنیس کی ایک قسم ''تجنیسِ خطی'' یہاں کام آتی ہے کہ نقطوں وغیرہ کی تبدیلی سے سنہ پڑھے جاتے ہیں۔

اٹھارہ سے پتھر دیا سر میں مار

دیکھو اٹھارہ سے بہتر سنہِ عیسوی ہیں۔ ایضاً تین بتاسوں کی رسید کی تاریخ:

سنہ تازہ شے بتاسے آئے

پس، سنہ بارہ سے بیاسی بھی اسی کو پڑھ سکتے ہیں اور عدد بھی مطابق ہیں۔

صنعتِ مرصّع: جس کے مادّے کا ایک حرف نقطہ دار ہو اور دوسرا بے نقطہ۔

تنبیہ: بعلم بدیع میں اس کو ''صنعتِ رقطا'' کہتے ہیں۔ پس، یہاں بھی یہی ہو تو مناسب معلوم ہوتا ہے: سال اس کا بلند تر قسمت (۱۲۸۶ [مطابق ۱۸۷۰ء])

صنعتِ منقوط: وہ مادّہ ہے جس کے سب حرف منقوط ہوں:

شب خفت شفیق۔ ۱۸۷۲ء

صنعتِ مہملہ: جس میں مادّہ بے نقطہ ہو:

کہ گردد مالک و سردار و سرور سنہ ۱۲۷۸ ہجری [مطابق ۱۸۵۵ء]

صنعتِ رعنا: اگر کسی ایک مادّے سے دو تاریخیں اس طرح نکالیں کہ اُس کے حروفِ منقوط

سے ایک کامل تاریخ نکلے اور مہملہ سے دوسری، تو اُس کو اِس نام سے نامزد کرتے ہیں، کیوں کہ گلِ رعنا دورنگا ہوتا ہے۔ اس کی دو مثالیں ''چمن انداز'' کے اخیر پر بھی ہیں:

سنہ ۱۲۸۳ روضۂ فردوس ورشکِ صد جمال ہر ورق سنہ ۱۲۸۳ھ [مطابق ۱۸۶۷ء]

صنعتِ موصّل وغیر موصّل: جب کہ مادّے کے حروفِ موصّل سے بھی تاریخ کامل ملے اور حروف مقطع سے بھی: سنہ ۱۲۸۷ مثالِ نور چہ تاباں عجب چراغ ادا سنہ ۱۲۸۷ھ [مطابق ۱۸۷۰ء]

صنعتِ مقلوب: مادّے کو چاہو جس طرح اُلٹ پلٹ کر پڑھو، وہی پڑھا جائے:

گفتم برائے سالش۔ شاباش کلک شاباش سنہ ۱۲۷۸ فصلی [مطابق ۱۸۷۰ء]

صنعتِ تقسیم وہ ہے کہ عدد کے حصّے دو چند یا سہ چند لیے جائیں:

لے دال کر دو چند سہ چند اُس کو پھر تین ۱۲۸۴ھ [مطابق ۱۸۶۸ء]

یعنی اوّل اکائی میں دال کے عدد ۴ کو رکھا، پھر اُس کے دو چند ۸ کو، پھر اُسی کے سہ چند ۱۲ کو لکھا۔

تنبیہ: ہیچ مداں نادرِ نادان عرض کرتا ہے کہ اگر اس صنعت کا نام ''صنعتِ ضرب'' رکھا جائے تو بہت ہی مناسب ہو۔ اس نکتہ کو محاسب خوب سمجھ سکتے ہیں اور میری رائے ناقص کے موافق ''صنعتِ تقسیم'' کی مثال یہ ہوسکتی ہے: بارہ کا پونا اور چھٹا حصّہ دیکھ لو سنہ ۱۲۹۲ [مطابق ۱۸۷۵ء] یعنی پہلے بارہ کو سیکڑہ سمجھو، پھر اُس کے پونے یا تین چوتھائی، یعنی نو کو دہائی بناؤ اور اُسی بارہ کو چھ پر تقسیم کر دو، خارج قسمت کو اکائی کی جگہ لکھو تو اس کتاب، یعنی مرأۃ خیالی کی تصنیف و تالیف کے ہجری سنہ ۱۲۹۲ پیدا ہوں۔ فافہم!

صنعتِ اوائل: جب کہ سرِ ہر لفظ سے تاریخ پیدا ہو:

ہاتف دحور و پری آدم گفت سنہ ۱۲۸۵ ہجری [مطابق ۱۸۶۹ء]

انتباہ: اس صنعت کی دوسری مثال بندہ اسی کتاب کی تالیف سنہ عیسوی میں یوں عرض کرتا ہے۔

ہم دم، عابد و ضیا، غافل اند سنہ ۱۸۷۵ء

گو ہر چہار شاعرات کے تخلص ہیں مگر اوّل و آخر کو تخلص نہ گردانو تو گویا صحبتِ نسواں سے پرہیز کرنے کو ایک عمدہ نصیحت ہے اور تاریخِ تالیفِ کتاب بھی ظاہر ہے۔

صنعتِ فالی: جب کہ کسی واقعے کی تاریخ فال کے طور پر کسی کتاب سے دیکھی جائے، جیسے اُمراؤ بیگم صاحبہ عابد کی تاریخ اُسی کے کلام سے میر جو یا صاحب نے لکھی ہے۔

صنعتِ ریاضی: جس قدر قاعدے ریاضی کے مشہور ہیں، سب سے تاریخ پیدا ہو سکتی ہے۔ مثلاً جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، اربعہ، ستہ، کسورِ اعشاریہ، خطائیں، سلسلہ وغیرہ کے کل قاعدوں سے تاریخ بنا سکتے ہیں۔ تمت مفاد کلامہ۔

تنبیہ: ذرّۂ بے مقدار عرض کرتا ہے کہ اگر اس کو صنعتِ حسابیہ کے نام سے لکھتے تو مناسب تھا، کیوں کہ یہ سب قاعدے حساب کے ہیں اور ممکن ہے کہ ایک ہی مادّے میں دو تین عملوں سے کام لیا جائے۔ جیسے تذکرۂ نادرالاذکار کی تاریخ میں نے یوں لکھی ہے:

ولی مضروب ہے مولیٰ کے سر سے ولی کے دل میں جس کا اک نشاں ہے (۳۵۱)

''ولی'' کے ۴۶ عدد مضروب اور سرِ ''مولیٰ'' کے ۴۰ مضروب فیہ، جن کا حاصلِ ضرب ۱۸۴۰ ہوا۔ ''ولی'' کا دل لام ہے، جس کے ۳۰ عدد ہیں۔ دونوں کو جمع کیا تو مجموعہ ۱۸۷۰ سنہ مطلوبہ ہوئے۔ اس کے ظاہری معنی مصطلح فقرا ہیں۔ اہلِ دل اس کو خود جانتے ہیں۔ تشریح کی حاجت نہیں۔

صنعتِ ملفوظی: جب کہ حروفِ ملفوظی ہی کے عدد لیے جائیں، یا یہ کہو کہ حروف کے اِسموں کے عدد لیں، یعنی زُبر و بیّنات، دونوں کے عدد ملا کر تاریخ پیدا ہو۔

''سراجِ سعادت'' ہے تاریخ اُس کی سنہ ۱۲۸۲ ہجری [مطابق ۱۸۶۶ء]

سین	را	الف	جیم	سین	عین	الف	دال	تا		
۱۲۰	۲۰۱	۱۱۱	۵۳	۱۲۰	۱۳۰	۱۱۱	۳۵	۴۰۱	=	۱۲۸۲

تنبیہ: اگر اس کو صنعت الاسما کہیں تو بھی شایاں ہے، کیوں کہ اس میں حرفوں کے اِسموں سے کام لیا ہے، اور ''ملفوظی'' صرف تیرہ حرفوں کا نام ہے (الف جیم دال ذال سین شین صاد ضاد عین غین قاف کاف لام)۔ پس، صنعتِ ملفوظی کا وہی مادّہ ہو جس میں ان حرفوں سے کام لیا جائے، اور کوئی حرف نہ آئے۔ جیسے ''قلق قلق شد'' کے بارہ سو اکسٹھ (۱۲۶۱) عدد ہیں، یا بہ اعتبار تقطیع کے ملفوظی حرفوں کا لحاظ کیا جائے۔ جیسے سودا نے ایک جگہ ''تواب'' کی واو مشدّد کو دو حرف خیال فرما کر بارہ عدد شمار کر

لیے ہیں: یہ فتح نو مبارک الٰہ آباد نام دار سنہ ۱۱۸۸ھ [مطابق ۴-۱۷۷۳ء]

مگر یہ غلطی ہے۔ اِس کو کسی نے جائز نہیں رکھا۔

صنعت نادر: اس میں شمار حروف کے عدد لیتے ہیں۔ جیسے الف مسمّا، کہ اس کا شمار یک ہے۔ پس، یک کے تیس عدد لے لیے۔ جوؔیا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صنعت بہت ہی مشکل ہے۔ اس میں صرف مظفر خان گرمؔ اور مومن خان مومنؔ مرحومین نے ہی ایک ایک تاریخ لکھی ہے، اور کسی سے نہ ہوسکی

مومنؔ: این نسبت جوؔیا: باشد خوشی

۱۲۶۴ [ھ۔مطابق ۱۸۴۹ء] ۱۸۷۰[ء]

تشریح مادّہ اوّل کی یہ ہے:

ا	ی	ن	ن	س	ب	ت	حروف
یک	دہ	پنجاہ	پنجاہ	شصت	دو	چہارصد	شمار
۳۰ +	۹ +	۶۱ +	۶۱ +	۷۹۰ +	۱۰ +	۳۰۳	اعداد

= ۱۲۶۴ سنہ مطلوبہ۔

اور مادۂ ثانی کی تشریح سرودِ غیبی میں ہے

جوؔیا موصوف نے اس صنعت میں پچیس تاریخیں لکھی ہیں۔ میں نے صرف نمونہ دکھا دیا ہے۔ اس شاعرِ یکتا نے اس صنعت میں خوب ہی علمِ اُستادی بلند فرمایا ہے۔

تنبیہ: اگر اس کو صنعت شمار مسمّا کہتے تو مناسبِ مقام تھا۔

صنعت ایجاد: جس میں لفظِ مادّہ کے اعراب کے بھی عدد شمار کرلیں۔ شہاب ثاقب کی تاریخ:

اس کی تاریخ صاف "تارہ" ہے۔

۱۲۸۶ [ھ۔مطابق ۱۸۷۰ء]

تارہ = ت + زبر + ا + ساکن + ر + زبر + ہ + ساکن

۴۰۰ + ۲۰۹ + ۱ + ۱۳۱ + ۲۰۰ + ۲۰۹ + ۵ + ۱۳۱ = ۱۲۸۶

تنبیہ: میرے نزدیک اس صنعت کو صنعت الاسما الحروف والاعراب کے نام سے یاد کیا جائے تو نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کما لا یخفی علی الفہیم۔

صنعتِ بلیغ: جب کہ شمارِ حروف کو بھی حرف فرض کر کے اس کے عددوں سے تاریخ نکالیں، اور یہ سب سے مشکل ہے۔ آج تک کسی صاحبِ ذکا کی تاریخ اس قسم کی نہیں دیکھی گئی۔ یہ جوؔیا کا ایجاد ہے۔

ایک ہاتھی کی تاریخ: اس کی تاریخ "پیل" ہے جوؔیا

۱۸۷۲ [ء]

پ	ی	ل	حروفِ مادّہ
دو	دہ	سی	شمارِ حروفِ مادّہ
چہار شش	چہار پنج	شصت دہ	شمارِ حروفِ شمارِ مادّہ
۸۰۹ +	۲۶۴ +	۷۹۹ =	۱۸۷۲ سنہ مطلوبہ

تنبیہ: لیکن دوسری تاریخ جو حضرت نے بلا تشریح لکھی ہے، درست نہیں آتی:

ایمنہ ہے نام، یہی سال ہے

۱۲۷۲ [ھ۔ مطابق ۱۸۵۷ء]

ا	ی	م	ن	ہ	حروفِ مادہ
یک	دہ	چہل	پنجاہ	پنج	شمار
دہ بست	چہار پنج	سہ پنج سی	دو پنجاہ سہ یک پنج	دو پنجاہ سہ	حروفِ شمار کا شمار
۴۷۱ +	۲۶۴ +	۱۹۰ +	۲۲۱ +	۱۳۶ =	۱۲۸۲ اعداد

مگر اصل میں تو (۱۸۷۲) لکھے ہیں۔ واللہ اعلم یہ مغالطہ کیوں کر پڑا۔ اغلب ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو۔ مصنف صاحب نے (۱۲۸۲) ہی لکھے ہوں گے۔ اس صنعت کا نام "صنعتِ شمار مستا زیبا" معلوم ہوتا ہے۔

صنعتِ عجیب: اس میں حرفوں کے عدد بجنسہٖ حسبِ مراتب لکھے جاتے ہیں:

سال تاریخ احبا جوؔیا(۳۵۲)

۱۲۸۱ [ھ۔ مطابق ۱۸۶۵ء]

ا	ح	ب	ا	حروف
۱	۸	۲	۱	اعداد
۱	۸۰	۲۰۰	۱۰۰۰	مراتب

پس سنہ ۱۲۸۱ ہجری حاصل ہوئے۔

تنبیہ: اس کا نام "صنعت المراتب" موزوں معلوم ہوتا ہے۔

صنعتِ غریب: جس میں کنایۃً تعمیہ تخرجہ کیا جائے :

الف آخر اللہ اکبر کے لکھ!

"اللہ اکبر" کے عدد ۲۸۹ ہوتے ہیں اور الف بمعنی ہزار اُس کے آخر بڑھایا تو ۱۲۸۹ سالِ ہجری [مطابق ۳-۱۸۷۲ء] ہوئے۔

صنعتِ اشکال: جس میں ملفوظی حرفوں کے شمار کے عدد لیے جاویں:

"جامۂ عیش" اس کا سال ہوا

جیم	الف	میم	ہا	عین	یا	شین	حروف ملفوظی
سہ دہ چہل	یک سی ہشتاد	چہل دہ چہل	پنج یک	ہفتاد دہ پنجاہ	دہ یک	سہ صد دہ پنجاہ	شمار
۱۱۲ +	۸۱۰ +	۸۵ +	۸۵ +	۵۶۰ +	۳۹ +	۲۲۹	عدد

جن کا مجموعہ ۱۹۲۰ سمبت راجا دھرم نیت بکرماجیت [مطابق ۱۸۷۳ء] ہوتا ہے اور سرودِ غیبی میں اُس کی تشریح کے تحت لفظ شین کے نیچے جو عدد (۲۶۸) لکھے گئے ہیں، وہ سہو القلم خیال کرنے لازم ہیں۔ شاعر کی اُستادی اور اُس کی صحت پر ہزار آفرین ہے: ع(۳۵۳)

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

تنبیہ: اس کو "صنعتِ شمار الاسما" کہیں تو بھی زیبا ہے۔

یک حرفی تاریخ: اس کی تاریخ کاف ہے جو یا

کاف	ہا	
بست یک ہشتاد	پنج یک	: سنہ ۱۲۸۷[ھ] مطلوبہ
۱۲۰۲	۸۵	[مطابق ۱-۱۸۷۰ء]

تنبیہ: کاف سے مراد کاف مرکب یعنی "کہ" ہے، پس یک حرفی نہ رہی۔

ہاں! یک حرفی کی مثال یہ ہے جو شیخ محمد جان شاد نے کہی ہے اور یہ شخص میر کلو عرش خلف الرشید محمد تقی میر، کا شاگرد تھا۔ اس مثال میں "صنعتِ ضرب" بھی آگئی ہے۔ کما مر:

الف بگیر ز فرق اسیری تمن سہ مرتبہ بمضاعف مضاعف افزون کن = سنہ ۱۲۴۸ھ
[۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۳ء]

صنعت کمال: جب کہ ماڈے کے طاق طاق حرفوں سے الگ تاریخ نکلے اور جفت جفت سے الگ۔ گویا ایک ماڈے سے دو تاریخیں پیدا ہوں:

فرخندہ وفرخ شود شادی بملک آید بہی سنہ ۱۲۸۷ ہجری [مطابق ۷۱-۱۸۷۰ء]

ف خ د و ر ش د ا ی م ک ی ب ی

۸۰ + ۶۰۰ + ۴ + ۶ + ۲۰۰ + ۳۰۰ + ۴ + ۱ + ۱۰ + ۴۰ + ۲۰ + ۱۰ + ۲ + ۱۰
= ۱۲۸۷

ر ن ہ ف خ و ش د ب ل ا د ہ

۲۰۰ + ۵۰ + ۵ + ۸۰ + ۶۰۰ + ۶ + ۳۰۰ + ۴ + ۲ + ۳۰ + ۱ + ۴ + ۵
= ۱۲۸۷

حروف طاق: ۱۴، حروف جفت: ۱۳ = ۲۷

تنبیہ: سرودِ غیبی مطبوعہ میں اس کی تشریح بھی غلط چھپی ہے۔ افسوس کہ مصنّف کی اس قدر جاں فشانی یوں رائگاں جائے۔ میں نے بڑی کوشش سے اس کو صحیح کیا ہے۔ اس کو ''صنعت الفرد والزوج'' کہنا درست معلوم ہوتا ہے۔

صنعتِ زُبر وبیّنات: ماڈے کے حرفوں سے زُبر کے اعداد بھی سنہِ مطلوبہ ظاہر کریں اور بیّنات کے عدد بھی۔

نکتہ: ہر شخص جانتا ہے کہ ہر ایک حرف کا ایک اِسم ہوتا ہے جس کا سرِ حرف وہی مسمّا آتا ہے۔ اُسی کو زُبر کہتے ہیں اور باقی کو بیّنات۔ جیسے حرف 'د' کا نام دال ہے، پس ''د'' زُبر ہے ''ال'' بیّنات۔ وقس علی ہذا البواقی:

حاصلِ کارِ مرا آرامِ کامل عمدہ مرد سنہ ۱۲۸۷[ھ۔ مطابق ۷۱-۱۸۷۰ء]

سطر نمبر۱: زُبر ح ا ص ل ک ا ر م ر ا

سطر نمبر۲: اعداد ۸ + ۱ + ۹۰ + ۳۰ + ۲۰ + ۱ + ۲۰۰ + ۴۰ + ۲۰۰ + ۱

سطر نمبر۵: بیّنات ا لف ا یم لف او ام اف لف ا لف

سطر۶: اعداد ۱ + ۱۱۰ + ۵ + ۴۱ + ۸۱ + ۱۱۰ + ۱ + ۵۰ + ۱ + ۱۱۰

سطر نمبر۳: بقیہ زُبر ا ر ا م ک ا م ل ع م د ہ م ر د

سطر نمبر۴: اعداد ۱ + ۲۰۰ + ۱ + ۴۰ + ۲۰ + ۱ + ۴۰ + ۳۰ + ۷۰ + ۴۰ + ۴ + ۵ + ۴۰ + ۲۰۰ + ۴

= ۱۲۸۷۔ مجموعہ سطر ۲ و ۴، سنہ مطلوب ہے۔

سطر نمبر۷: بقیہ بیّنات لف ا لف یم اف لف یم ام ین یم ال ا یم ا ال

سطر نمبر۸: اعداد ۱۱۰ + ۱ + ۱۱۰ + ۵۰ + ۸۱ + ۱۱۰ + ۵۰ + ۴۱ + ۶۰ + ۵۰ + ۴۱ +۱ + ۵۰ +۱ + ۴۱

مجتمع سطر ۶ و ۸، سنہ مطلوب ہے ۱۲۸۷

صنعتِ کامل: جب کہ ایک مادّہ سے چند تاریخیں نکالیں اور چند مادّوں سے صدہا تاریخ استخراج کریں تو اُسے ''صنعتِ کامل'' سمجھیں۔ جیسے جوؔیا صاحب نے دس شعر لکھے اور اُن سے بارہ ہزار تاریخیں نکالیں۔ اس طرح پر کہ اوّل تو ہر مصرع (۲۰) تاریخی کہا ہے، پھر ہر شعر کے حروفِ منقوط سے اور نیز غیر منقوط سے جدا جدا تاریخ برآمد کی، پھر پہلے مصرع (۱۰) کے حروف معجمہ اور دوسرے کے مہملہ، اور اسی طرح (۱۰) اس کے عکس سے، الگ الگ تاریخ نکالی۔ پس، یہ کُل ساٹھ تاریخیں ہوئیں، مگر حضرت نے آگے ترتیب کے قاعدے کو جاری فرمایا کہ پہلا مصرع، اخیر کے سب مصرعوں سے ملے تو ۳۶۰ تاریخیں بنیں، پھر اسی طرح باقی نو مصرع اُولیٰ مصاریعِ ثانی سے ضم ہوں تو ۳۲۴۰ تاریخیں ہو جائیں۔ بس، یہاں تک ۳۶۶۰ تاریخیں ہوئیں۔ پھر حضرت فرماتے ہیں کہ مصاریعِ اوّل کو دوم فرض کیا اور دوم کو اوّل۔ گو اس ترکیب سے ۳۶۶۰ تاریخیں اور ہو جائیں گی مگر میرے نزدیک یہ سراسر تکلّفِ بے جا ہے۔ الغرض، کُل ۷۳۲۰ ہوئیں۔ اس تکلّف سے بھی پوری بارہ ہزار نہیں آئیں۔ شاید مصنّف صاحب نے کوئی تکلّف اور دور از قیاس بھی کیا ہو جو اس ہیچ مداں کی سمجھ میں نہیں آیا، کیوں کہ حضرت نے اس کی تشریح بہت ہی کم لکھی ہے۔ خیر، یہ کیا کم ہے۔

چام راج پریس، بنگلور کا قاسم الاخبار، نمبر ۵، جلد ۲۳، مطبوعہ ۱۱ ر دسمبر سنہ ۱۸۸۲ء لکھتا ہے کہ جناب عبدالحفیظ صاحب معجزؔ بنگلوری نے یہ چھ شعر تاریخی اس پرچہ کی تعریف کے، اسی صنعت کے لکھے ہیں جن سے دس ہزار تاریخ نکلتی ہیں، اور وہ یہ ہیں:

تاریخ بہ صنعت کامل، ملحقہ صفحہ ۱۲۶ "چمن انداز" (۳۵۴)

[۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء]

۱۰۰......قاسم قرطاس است نور ہوا......۱

۸ ...... حل گلشن مرہم شاہد سوار ۲۰۰

۵ ...... ہالۂ مہ نور خاور کام ملک ۲۰

۵۰ ...... نسخۂ درد و حمام کامگار ۲۰۰

۹ ...... طالع خرسند سال لمع یاد ۴

۷۰ ...... عالم نشر گل و ماہ وقار ۲۰۰

۴۰ ...... مطلع نور خیر و اہل کلہ ۵

۶۰۰ ...... خندہ طور حصول کوہسار ۲۰۰

۳۰۰ ...... شمع روشن ماہ و طالع صلح کل ۳۰

۸ ...... حافظ رحم کل اہل حصار ۲۰۰

۵۰ ...... نشر قاسم مطلع کامل حسام ۴۰

۶۰ ...... سیف معجز للہ روح نثار ۲۰۰

۱۳۰۰ : میزان اوائل ۱۳۰۰ : میزان اواخر

۱۳۰۰ ہجری نبوی [مطابق ۱۸۸۳ء] کے دس ہزار مادّہ اس طرح پیدا کرلو: (۱) [انھی کے حروفِ] سر مصاریع، (۲) ہر مصرع کا اخیر، (۳) ہر مصرع تاریخی ہے، (۴) اوّل و دوم مصرعوں کے حروفِ منقوط، (۵) غیر منقوط، (۶) پہلے تینوں کے معجمہ حروف، دوسروں کے مہملہ، (۷) اوّل کے بے نقط، ثانی کے نقط دار، (۸) ہر ایک مصرعِ اُولا کو باقی کے مصاریعِ ثانی سے ربط دے کر اعمالِ بالا جاری کرو۔ تمت مفاد کلامہ۔ (۳۵۵)

میرے نزدیک تو جوؔیا اس فن میں سب پر سبقت لے گیا، جیسے معمّا کے فن میں صہبائیؔ جنّت ماوائی، کہ اس ایک شعر: ؎

چو آں مہ روے خود از پردہ بنمود دل از ما برد و آخر کرد نابود

میں سے تین سو ساٹھ نام نکالے گئے ہیں، یا علمِ قافیہ[۳۵۶] میں مولانا مرحوم نے ایک رسالہ دو صفحہ خرد کا لکھا، پھر اُس کی شرح چودہ جُزو میں زیبِ ارقام فرمائی۔ سبحان اللہ! علمِ اُستادی ایسے ہی اُستاد بلند فرمایا کرتے ہیں۔ یہی لوگ قیامت تک کو یادگار چھوڑا کرتے ہیں۔ غرض، دریا کو کوزے میں بند کرنا اور قطرے کو دریا بنانا اسی کو کہتے ہیں۔

صنعتِ مسلسل: جب کہ ایک ماڈے کو بہت طرح پڑھ سکیں اور اُس کی بحر میں فرق نہ آئے۔ اِس کو سجع بھی بولتے ہیں۔

حضرت نے اس صنعت میں دو شعر مہاراجا جے پور کی صحت یابیِ بیماریِ چشم میں لکھے ہیں اور اُن کو چار دائروں میں رکھا ہے۔ پس، وہ چونسٹھ طرح پر پڑھے جاتے ہیں، مگر آپ کا ارشاد ہے کہ یہ چھیانوے طور پر پڑھے جاتے ہیں، وہو ہٰذا۔

مہرِ سخا ماہِ کرم در عجب سرو قدی یوسف لقا لیلیٰ شیم عالی نسب نازک سری

سنہ ۱۸۷۱ء سنہ ۱۲۸۸ ہجری

روحِ وفا ثابت قدم اہلِ ادب لقماں وشی وصفِ ترا جوید قلم اوجِ طرب آید بسی

۱۹۲۸ سمبت سنہ ۱۲۷۸ فصلی

دائرے کی صورت مجوزہ مصنف صاحب کی اصل کتاب میں ہے۔

صنعتِ مربع: کئی طرح پر ہوسکتی ہے۔ الاّ مصنّف صاحب نے جو شطرنج کی قید لگائی ہے اور مثال میں یہ مصرع :

حاکم عادل مالک نامی بینا قابل منصف سرور ۱۲۸۸ ہجری [مطابق ۲-۱۸۷۱ء]

بساط پر مزیب فرمایا ہے، شاید سہوِ کاتب سے غلط ہوگیا ہے کہ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

صنعتِ نو: ایک مادہ میں لاکھ تاریخیں ہوں۔ یہ بھی ایجادِ خامۂ جویا ہے۔

زدست باغی بقتل آمد غمِ فراوان بما مرکب سنہ ۱۸۷۲ء

تاریخِ قتل میو صاحب گورنر جنرل بہادر ہند ہے۔

پہلے اوّل حرف کو لو اور بعد تیسرے، پانچویں، ساتویں، وغیرہ کو۔ اسی طرح چاہو جس حرف سے شروع کرو، اُس کے بعد کو ترک کرتے جاؤ۔

یہ بھی پُر از تکلّف ہے۔ اس تکلّف سے بھی اوّل مرتبہ تیس تاریخیں نکلیں گی۔ اگر اس کے عکس پر عمل کرو، جیسا کہ مصنّف صاحب نے فرمایا ہے، یعنی پہلے پچھلا حرف لو، پھر ۲۸ و ۲۶ وغیرہ، بعد ازاں ۲۹، ۲۷ وغیرہ تو تیس اور ہوں۔ پس، کل ساٹھ ہوئیں۔ اب وہ کہتے ہیں پھر دوسرے کو پہلا سمجھو اور وہی عمل کرو۔ غرض، اس طرح ۶۰ × ۶۰ = ۳۶۰۰ ہو جائیں گے، نہ ایک لاکھ بارہ ہزار ہو جائیں، جیسا کہ حضرت فرماتے ہیں۔ مگر ہاں! اور کوئی تکلّف دور از قیاس جاری کیا ہو تو سمجھ میں نہیں آتا۔ بہرکیف، یہ باتیں خواہ مخواہ کی فرضی ہیں۔

خاتمہ اس کے بیان کا۔ یہ شوخیِ بیان، خامۂ جویا سحر لسان کا خلاصہ تمام ہوا۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ علمِ بلاغت میں جس قدر صنائع لفظی و معنوی ہیں، اگر شاعر اُن پر بخوبی حاوی ہو تو صدہا صنعتوں میں تاریخ کہہ سکتا ہے۔ غرض، جس قدر کسی کو کسی خاص فن میں مہارت ہو، وہ اسی قدر اُس میں ترقّی کرسکتا ہے۔ یہ بیان صرف نمونے کے طور پر اچھا ہے۔ اے نادرِ ژاژ خواہ! تو کہاں سے کہاں چلا گیا۔ نازنینوں کی باتوں سے پہلوتہی کرنا، اُن کے مشتاقوں کو شاق گزرا ہوگا۔ خیر، گزشتہ را صلواۃ۔ اب پھر اصل تذکرے کا تذکرہ چھیڑ![65]

ملحقہ (۸)

گلشنِ ناز اور مِرأتِ خیالی
کی زائد عبارتیں

maablib.org

گلشنِ ناز کے سرورق کی عبارت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادا پہلے حمدِ خدا کو کرو! پھر آغاز اس تذکرہ کا سنو!

خدائے سخن آفریں کے فضل سے یہ تذکرہ فارسی اور

اُردو شاعرات کا مسمّٰی بہ مرآتِ خیالی، ملقّب بہ

گلشنِ ناز

۱۲۹۳ھ۔ ۱۲۸۳ف۔ ۱۸۷۶ء۔ ۱۹۳۳سمبت

مؤلفہ احقر العباد قادر، دُرگا پرشاد نادر کھتری دہلوی، بہ تصحیح تمام وسعی لاکلام

شہر دہلی کے مطبع فوق کاشی میں بہ اہتمام منشی انبی پرشاد چھپ کر نذرِ احباب ہوا

مرآتِ خیالی کے سرورق کی عبارت

ہر کہ نامِ رفتگاں آرد بیاد نام نیکش در جہاں آباد باد

تذکرۃ النساے نادری، الموسوم بہ اسمِ تاریخی مرآتِ خیالی

متضمن ہر دو حصہ کہ بہرہ اولینش، یعنی

گلشنِ ناز، سابقاً بہ قالبِ طبع درآمدہ

بخشِ ثانیش ایدون چمن انداز نذرِ احباب می گردد

مولفۂ احقر العباد قادر درگا پرشاد نادر کھتری دہلوی

کہ اینک شہر لاہور در راجو کے شنل پریس عہدۂ ہذا اگزیمنری

وہم کتب ذیل مصنفہ ومرتبہ اوست: رسالہ ہشت ثمن، معلم المبتدی،

لبّ لباب قصۂ ممتاز صف شکن شجرہ غیرت گلزار

نسب نامۂ تیموریت، تذکرۂ نادر الاذکار شعرائے دکنی

در مطبع فوق کاشی دہلی مطبوع نمود، انبی پرشاد

مرأت خیالی میں گلشنِ ناز کے صحت نامے کی عبارت

یافتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحت نامہ اغلاط گلشنِ ناز یعنی حصہ اوّل تذکرۃ النساء نادری مطبوعہ سنہ ۱۸۷۶ء

تاریخ تحریر صحت نامہ (ریختۂ کلک باادب) سنہ ۱۲۹۵ ہجری

جن صاحبوں کے پاس گلشن ناز ہو وہ ان لفظوں کو ضرور درست فرمالیں......

اگر چہ اُس رسالہ میں اور بھی غلطیاں ہیں لیکن اس وقت میں نے انھیں کا درست کرنا مقدم سمجھا۔ باقی کو ناظرین خود درست فرمالیں۔

احقر العباد قادر درگا پرشاد نادر کھتری دہلوی، مقیم لاہور ہذا اگزیمنر اجو کے شنل پریس ممالک پنجاب وغیرہ

[مرأت خیالی، صفحہ ۸]

مرآتِ خیالی میں اختتام کی عبارتیں

مناجات بہ درگاہِ قاضی الحاجات، منظومہ مؤلفِ تذکرہ، اُمید وارِ نجات

خدایا ترحّم بہ حالِ سقیم — بہ داری ز من دور دیوِ لئیم
ترحّم بہ حالِ نزارم بکن — تفقد بہ احوالِ خوارم بکن
بدیں زشت رُوے چہ نالم بہ تُو — کنم ہم چساں عرضِ حالم بہ تُو
کریما! شمارِ گناہم مکن — بجز عفو بر من نگاہم مکن
گناہانِ خود را چہ آرم شمار — نویسم چہ ایں حالتِ زشت و زار
سزاے عذابِ جہنم منم — نہ کہ شاد از خود ترا ساختم
شدہ بر دلم نفس و شیطاں قوی — مرا ساز زیں ہا خدایا بری
فراموش کردم ترا اے کریم! — ہوا و ہوس گشتہ با من ندیم
شدم تابعِ نفسِ ناپاک و زشت — شدم خوار از مکر ایں بد سرشت
بہ صد رُو سیاہی بہ تُو آمدم — الٰہی! بہ حالِ نزارم کرم!
بہ بخشاے بر نادرِ ناتواں — تُو از مکرِ شیطاں مرا دہ اماں
الٰہی! بہ سوزِ دلِ عاشقاں — الٰہی! بہ دردِ دلِ آشفتگاں
الٰہی! بہ ذوقِ مناجاتیاں — الٰہی! بہ شوقِ خراباتیاں
الٰہی! بہ دردِ دلِ دردمند — نماید بہ شب آں کہ کارِ سپند
الٰہی! بہ پاکانِ خاکی نہاد — طفیلِ حسینانِ فرخ نژاد
بہ ناکامیِ نامُرادانِ دہر — کہ تریاق در کامِ شانست زہر
دلم را بہ نُورت منوّر بکن — تو ایں ذرّہ را مہرِ انور بکن
بہ دریاے وحدت بفرماے غرق — شوم غرقِ وحدت ز پا تا بہ فرق

گریزان شوم من ز دُنیاے دُوں | شود حالِ دُنیا بہ چشمم زبوں
بجز عشقِ ذاتت نباشد ہوس | بماند بہ دِل نامِ نامیت و بس

التماسِ مولّفِ کم اساس

اب نازک خیالوں چمنستانِ سخن سے، اِس ہیچ مدان، کج مج زبان نادر ابن ناتواں کی یہ التجا ہے کہ اِس تحریر میں کسی طرح کا اعتراض ہو یا کچھ غلطی معلوم ہو تو بہ ذریعہ تحریر اس گم نام کو اِطلاع بخشیں، تا کہ دفعۂ ثانی میں اُس کی اِصلاح ہو جائے۔

اِشتہار

اگر کسی صاحب کے پاس کسی شاعرہ کا کلام موجود ہو تو جس قدر اس کا حال کتاب میں درج ہونا مناسب سمجھیں، لکھ کر عنایت فرمائیں، مولّف کو مرہونِ منّت بنائیں۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ اوقتِ اِنطباع دفعۂ ثانی حُلیۂ طبع سے مزیّن ہو جائے گا، متکلّم کی یادگاری کا ذریعہ ہاتھ آئے گا۔ اللہ بس، ماسوا ہوس!

[مرآتِ خیالی، صفحہ ۹۵، ۹۶]

ملحقہ (۹)

حواشیِ مصنّف

maablib.org

۱ ۱۶۔اگست سنہ ۱۸۷۸ء کا انجمن اخبار، جلد۹، نمبر ۳۳ ناقل ہے کہ تا رُودت نامی ایک ہندو عورت، علمِ ادب میں فاضل، انگریزی، ہندی، سنسکرت اور فرانسیسی زبانوں کی کامل، تھوڑے دن ہوئے کلکتہ میں آئی تھی [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۴، حاشیہ]۔

۲ یہ تذکرہ، دکن کے اُردو گو شاعروں کا، بنام خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم سنہ ۱۸۷۹ء میں مقام لاہور چھپ گیا ہے۔۱۲ منہ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۴، حاشیہ]۔

۳ سنہ ۱۲۹۹ ہجری نبوی [مطابق ۱۸۸۲ء] میں پھر تیسری دفعہ، از سرِ نو ترمیم فرما کر شائع کیا ہے۔ ۱۲ منہ عفی عنہُ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۶، حاشیہ]۔

۴ ''چمن انداز'' کے شروع میں چمن کا بیان لکھا گیا ہے۔۱۲ منہ عفی اللہ عنہُ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۸، حاشیہ]۔

۵ یہ مصنّفِ کتبِ متعددہ، بہ مقامِ لاہور، بعد لینے پنشن کے، رہ گزاے عالمِ بقا ہوئے۔۱۲ منہ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۹، حاشیہ]۔

۶ یہ رسالہ بھی بہ نامِ نکات الحساب، سنہ ۱۸۸۰ع میں چھپ گیا۔۱۲ منہ عفی اللہ عنہُ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۲، حاشیہ]۔

۷ تنبیہ : تان سین کلاونت اور باز بہادر عطائی: دونوں عدلی شاہ بادشاہ کے شاگرد، علمِ موسیقی میں بے نظیر تھے۔ عدلی، سنہ ۹۱۲ ہجری [مطابق ۱۵۰۵ء] میں، بہ مقابلۂ خضر خاں مخاطب بہ سلطان بہادر؛ مارا گیا۔۱۲ منہ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۳، حاشیہ]۔

۸ تذکرۂ حسینی میں ملّا کا نام شاید سہوِ کاتب سے بقانی غلط چھپ گیا ہے۔ بہر کیف، اُس نے اِس کو خوارزمی لکھا ہے۔۱۲ منہ عفی اللہ عنہُ ،۱۲ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۷، حاشیہ]۔

۹ اخترِ تاباں میں اِس کو بہ تخلّصِ آفاقی وا آقا بیگم نام یاد کیا ہے [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۹، حاشیہ]۔

۱۰ اخترِ تاباں میں بہ تخلّصِ بیگی لکھا ہے [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۹، حاشیہ]۔ [التماسِ مؤلّفِ کم اساس: پہلے آپ میرے رقعۂ راستی مرقعہ بے مجادلہ کو ملاحظہ فرمائیں، پھر اخترِ تاباں نامی

گرامی تذکرے کے مقولے کو معتبر یا غیر معتبر سمجھیں۔ منہ عفی اللہ عنہ۔ [یہ التماس تمام کتاب میں، جہاں جہاں اخترِ تاباں کا حوالہ ہو، بہ کار آمد ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ۔](۴۴)

۱۱ میر حسین دوست سنبھلی کے تذکرۂ فارسی سے، جو بنامِ تذکرۂ حسینی، سنہ ۱۸۷۵ء کا چھپا ہوا ملا، معلوم ہوا کہ آصفی نے یہ قطع [کذا] آغا بیگ ہرولی کو لکھا تھا اور یہ شعر: آہ از...... الخ — اسی آغا کا ہے، مگر میرے نزدیک قولِ اولا، اوّل ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہُ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۹، حاشیہ]۔

۱۲ یہ شعر لالہ خاتون کے نام بھی، بعض نے لکھا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۲۰، حاشیہ]۔

۱۳ اخترِ تاباں میں اس کو بہ تخلصِ ماہ لکھا ہے [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۲۱، حاشیہ]۔

۱۴ اخترِ تاباں میں اس کو حجابی استرآبادی لکھا ہے۔ ۱۲ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۲۲، حاشیہ]۔

۱۵ عجائب الاسفار، یعنی سفرنامۂ شیخ ابن بطوطہ، مرتبۂ ابنِ جزی، مترجمۂ جناب فضیلت مآب مولوی محمد حسین صاحب ایم اے، ڈسٹرکٹ جج فیروز پور پنجاب، ساکنِ قصبۂ بھیرہ، من مضافاتِ رُہتک، فیلو یونیورسٹی پنجاب؛ جلد دو، باب چار، فصل تیرہ، بہ ذکرِ سلطان غیاث الدین تغلق کے حاشیے پر درج ہے کہ فرشتہ اور بدایونی، دونوں متفق ہیں کہ شیخ زادۂ دمشقی اور عبید زاکانی شاعر نے (جو اُن دنوں ہندستان میں آکر جونا خاں کے مُصاحب بنے ہوئے تھے)، ڈاک چوکی کے بند ہو جانے سے یہ افواہ اُڑا دی کہ تغلق شاہ مر گیا، اور ساتھ ہی امیروں کو بہکایا کہ جُونا خاں تُم سے ناراض ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ اُس نے دونوں کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ وہاں دونوں مارے گئے۔ تمت مفاد کلام۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہُ۔ [ملحقۂ مراتِ خیالی، صفحہ ۲۶؛ نمبر ۱۱]

۱۶ یہی شعر نسائی نام [کذا] سے بھی لکھا گیا ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہُ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۲۳، حاشیہ]۔۔

۱۷ تذکرۃ النسا مسما بہ اخترِ تاباں کے مؤلف نے حیاتی کی غزل بھی اِسی حیات کو بخشی اور حیاتِ متذکرۂ بالا کا وہ شعر، جو تحت آرام لکھا گیا ہے، وہ بھی اِسی کا سمجھا، آرام کا ذکر بالکل اُڑا

دیا۔ ۱۲منہٗ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۴، حاشیہ]۔

۱۸ اخترِ تاباں والا، فخر النسا اِسی کا نام بتاتا ہے [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۵، حاشیہ]۔

۱۹ اخترِ تاباں والا اِس کو بہ تخلص آقا دوست لکھتا ہے، عروض و قافیہ کا فاضلہ [کذا] بتاتا ہے [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۴، حاشیہ]۔

۲۰ اخترِ تاباں میں اِس کو ایرانی لکھا ہے [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۴، حاشیہ]۔

۲۱ تذکرۂ حسینی میں اِس کو دلبری ماہری لکھا ہے، اغلب کہ سہوِ کاتب ہو۔۱۲منہ عفی عنہٗ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۴، حاشیہ]۔

۲۲ اخترِ تاباں والا اِس کو ایرانی بتاتا ہے اور عصمتی کا یہ شعر دکھاتا ہے۔۱۲:

تا فگندست مرا بختِ بد از یار جدا غم جدامی کشد، ہم چرخ ستم گار جدا

[تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۷، حاشیہ]

۲۳ اخترِ تاباں والا اِس کو اُس سیف الملک تورانی کی بیٹی لکھتا ہے [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۲۷، حاشیہ]۔

۲۴ بہار [بہارستانِ ناز] مطبوعۂ دفعۂ ثالث میں مہتاب النّسا لکھا گیا ہے۔۱۲منہ عفی عنہٗ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۷، حاشیہ]۔

۲۵ اورنگ زیب کی مختصر سوانح عمری، مولفہ محمد اکمل لاہوری، مرتبہ سنہ۱۸۹۶ء، مطبوعہ سنہ ۹۷[۱۸]ء، مصطفائی پریس لاہور، صفحہ۵۳، تحتِ سُرخی (چلن) اِس کی عمر ۹۱ سال، ۱۳دن کی ہوئی؛ پچاس سال، دو ماہ، ۲۷ یوم سلطنت کی۔ دولت آباد کے قریب شیخ برہان الدین اور شاہ زری زربخش کے مزاروں کے درمیان دفن کیا گیا۔ اِس کی تاریخِ وفات ''دخل الجنۃ'' ہے۔ تمت الکلام۔

حسب تحریر کنزِ تاریخی (۱۲۹۸ھ[مطابق۱۸۸۱ء]) و ملخصِ تسلیمؔ (۱۳۰۰ھ[مطابق ۱۸۸۳ء]): ''جنۃ'' کی تاے فوقانیہ کے پانچ عدد شمار کرنے تھے مگر مورّخ نے چار سو لے لیے جو ناجائز تھے۔۱۲منہ عفی اللہ عنہٗ۔][۶۰]

۲۶ نسخہ: زیب زینت بس ہمیں، ہم نام من زیب النساست [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۳۱، حاشیہ]۔ [تذکرۃ النساے نادری (ص۳۱) میں "زیب" پر "نسخہ" لکھ کر حاشیے میں یہ مصرع درج کیا گیا ہے۔ ممکن ہے تذکرہ نگار کے ماخذ میں مصرعے کی یہ صورت بھی رہی ہو (مرتب)۔]

۲۷ نغمۂ دل کش کے دوسرے حصۂ مطبوعہ سے معلوم ہوا کہ مشتری کا دیوانِ فارسی چھپ گیا ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۳۲، حاشیہ]۔

۲۸ اخترِ تاباں والا اِس کو ناصر کی بیٹی، رشید وطواط کی ہم عصر بتاتا ہے۔ ۱۲ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۳۳، حاشیہ]۔

۲۹ دلے دارم بہ پہلو۔ ۱۲ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۳۳، حاشیہ]۔ [حسبِ سابق "مرادر" پر "نسخہ" لکھ کر اندرونی حاشیے میں یہ متبادل صورت لکھی گئی ہے (مرتب)۔]

۳۰ سیدا! [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۳۴، حاشیہ]۔ ["اے ملک" پر "ن" کا نشان بنا کر اندرونی حاشیے میں "سیدا!" درج کیا گیا ہے (مرتب)۔]

۳۱ اخترِ تاباں والا دونوں کو ایک ہی سمجھتا ہے اور یہ شعر وہ بھی دونو جگہ لکھتا ہے۔ ۱۲ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۳۷، حاشیہ]۔

۳۲ اخترِ تاباں والا نور تخلص بتاتا ہے۔ ۱۲ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۳۷، حاشیہ]۔

۳۳ اخترِ تاباں والا اِس کو قائنی ایرانی لکھتا ہے۔ ۱۲ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۴۰، حاشیہ]۔

۳۴ اخترِ تاباں والا نے یہ شعر نور جہاں کے نام پر لکھا ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۴۰، حاشیہ]۔

۳۵ اخترِ تاباں والا یہ شعر نہانی شیرازی کے نام پر لکھتا ہے، بل کہ ایک یہ شعر بھی اُسی کا بتاتا ہے: ؎

شدم دیوانہ تا در خواب دیدم آں پری زادے
چہ باشد حال گر بیند بہ بیداری کسے اورا

[تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۹۲، حاشیہ متعلق "صحت نامہ......"]۔

۳۶ اخترِ تاباں والا نے ہر شعر نہانی کرمانی کے نام پر لکھے ہیں ۱۲ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۴۴، حاشیہ]۔

۳۷ اخترِ تاباں میں اِس کو زوجۂ خاور غلط لکھا ہے۔ ہاں، باہم آشنائی ہو تو ہو۔۱۲ منہ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۴۲، حاشیہ]۔

۳۸ تصحیح گلشنِ ناز میں جو عصمتؔی، خواف کے حکم راں کی بہن کو بندے نے لکھا تھا، وہی تکملے میں حامؔی تخلّص سے درج ہوگی۔ خدا معلوم بندے نے یہ دھوکا کس تذکرے سے کھایا۔ بہرکیف، میرے نزدیک یہ غلط ہے، تحریرِ سابقہ درست ہے۔ حامؔی، عصمتؔی کے بھائی کا تخلّص ہے، نہ کہ عورت کا۔ کمامر ۱۲ منہ عفی اللہ عنہ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۹۱، حاشیہ ملحق ''صحت نامۂ تذکرۃ النّساے نادری، مطبوعۂ دفعۂ ثانی......'']۔

۳۹ ہاں، یاروں نے ایک مہربان کی زبانی سُن لیا کہ یہ شاعرہ سہارن پور کی کسبی ہے۔۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۷۰، حاشیہ]۔

۴۰ صاحبِ بہار نے جو تیسری دفعہ سنہ ۱۲۹۹ ہجری میں از سرِ نو بہار دکھائی تو صفحہ ۲۵ پر تحریر فرمایا کہ یہ غزل کسی اَور شاعر کی ہے مگر اس کا ثبوت کچھ نہیں۔۱۲ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۳، حاشیہ]۔

۴۱ یہ شعر ''دُلھن'' کے نام پر بھی لکھا گیا ہے۔۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۸۰، حاشیہ]۔

۴۲ اِس شاعرہ نے اِن شعروں میں رنڈیوں کے نام موزوں کیے ہیں، اور وہ قصہ طلب ہیں۔ اس طرح کی بندش کو صنعتِ تلمیح یا بقولِ بعض تملیح کہتے ہیں، اور گو شیریں فرہاد اور لیلیٰ مجنوں کے قصے تو مشہور ہیں مگر ملاگیر کے نام سے بھی شاید دِلّی والوں کے سوا اور کوئی واقف نہ ہو۔ اس سبب سے میں اُس کا مختصر قصہ بیان کرتا ہوں، کہ اسی صدی میں میر مداری نامی ایک زنانہ تھا جس نے کئی نوچیاں خرید کر ایک ڈیرا پیشۂ عام کا قائم کر رکھا تھا۔ اُسی کی ایک نوچ کا نام ملاگیر بھی تھا جو اُس وقت اپنے حسن و انداز میں یکتاے زمانہ مشہور تھی اور اس بے مقدار کے قرابتیوں میں ایک صاحب ثروت راجا ٹوڈرمل نامی گرامی کوٹھی وال ساکنِ کٹرہ مشروع واقعہ دریبہ کلاں، اُس پر فریفتہ و شیفتہ تھے جن کا انجام یہ ہوا کہ لاکھ کا گھر خاک میں ملا کر حیدرآباد دکن میں جا پڑے۔ لوگوں کی زبانی تو میں نے اُن کو کروڑ پتی سُنا ہے۔ واللہ

اعلم بہ حقیقت الحال۔ الحاصل، تماش بینی ایسا فعلِ بد ہے کہ اِس میں رُسوائی و سرگردانی و پریشانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو مرنا ہی نصیبِ اعدا ہوتا ہے۔ خداوندا! تُو اپنے بندوں پر رحم فرما اور اس مصیبت میں کسی فرد بشر کو مبتلا نہ ہونے دے! ۱۲۔ آمین، یاربّ العالمین! منہ عفی اللہ عنہ۔

[نتائج المعانی نامی رسالہ، مرتبہ میرزا محمود بیگ صاحب راحتؔ، مطبوعہ سنہ ۱۸۷۴ء، مطبع میڈیکل پریس آگرہ کے "بابِ اوّل: ذکرِ حکایاتِ عدل عدالتِ حاکمانِ معدلت آگیں" کی پہلی حکایت میں میر مداری متذکرہ کے ایک مقدمہ 'خرید نوچی مسمات بہ سروری'(۶۷) کا احوال مندرج ہے۔ گو اُس میں ملا گیر کا تذکرہ نہیں ہے مگر نامبردہ کا ثبوت اور اُس کے ڈیرادار ہونے کا بیان میرے قول کی تصدیق بخوبی کرتا ہے۔ اِسی سبب سے یہ نوٹ لکھا گیا۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ۔](۶۸)

۴۳ یہی شعر جانی بیگم کے نام سے مشہور ہے۔ خدا جانے دراصل کس کا کلام ہے [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۹۱، حاشیہ]۔

۴۴ یہ صاحب مصنّف رسالۂ تاثیر القلوب کے ہیں اور خوابِ مقناطیسی کے عامل ہیں (یعنی مسمریزم)۔ مجھے بھی اُن کی خدمت نیاز ہے۔ عجب مرد و صاحب انداز ہے۔ اُن کا رسالہ تسخیر سیاروں، وغیرہ کے باب میں نہایت عمدہ چھپا ہے۔ وہ بھی دیکھنے کے لائق ہے۔ ۱۲ منہ عفی عنہ [مرآتِ خیالی، صفحہ ۴۰، حاشیہ]۔

۴۵ بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث، سنہ ۱۲۹۹ھ [مطابق ۱۸۸۲ء] میں، جو "چمن انداز" مطبوعۂ دفعۂ اوّل، سنہ ۹۵ [۱۲] ھ [مطابق ۱۸۷۸ء] کے گویا چار برس بعد چھپی ہے، اس کو تیس برس کا لکھ دیا ہے۔ اس تحقیق کی داد محقق دیں، میں کچھ عرض نہیں کرتا۔ ۱۲ منہ [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۱۰۴، حاشیہ]۔

۴۶ شاید ردیف کی رعایت تلفظ پر رکھی گئی ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۱۰۶، حاشیہ]۔

۴۷ "دروغ گویم بروئے تُو" اسی کو کہتے ہیں، کیوں کہ جناب اگر آپ اس شاعرہ سے واقف ہوتے

تو اوّل یا دوسری دفعہ میں اس کا ذکر کیا ہوتا۔ اب دفعۂ ثالث میں، ''چمن انداز'' کی نقالی سے سخن سازی کیوں کرتے ہو؟ ۔۱۲منہٗ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۱۳، حاشیہ]۔

۴۸ بعد انطباع اس رسالے کے رسالہ معارضۃ النثر، محمد مقبول عالم برادرِ مقصود دیکھا گیا تو اُس میں اس شاعرہ کا کلام تو اَور ملا مگر اَور کچھ حال نہ کھلا۔ ۱۲منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۳۰، حاشیہ]۔

۴۹ بہار، مطبوعۂ دفعۂ ثالث میں اس کی تصحیح یوں کی گئی ہے کہ کنیز فاطمہ بیگم نام، کنیز تخلص، نصرت الدولہ بہادر کی چھوٹی بیٹی کا تھا۔ اس موقع پر جس قدر عبارت حکیم صاحب نے تحریر فرمائی ہے، اس میں اپنے جوہرِ ذاتی خوب ظاہر فرمائے ہیں۔ ''بہادر'' کو ''یہ اور'' لکھ کر فقرے کو مجذوب کی بڑ خیال کیا ہے، یہ نہ سمجھا کہ یہ مطبع والوں کی خوبی ہے، نہ مولّف کی۔ مزید براں یہ کہ حضرت نے ''نصرت'' کو ''نضرت'' خود بنالیا ہے۔ اس بہتان بندی کا خدا ہی حافظ ہے۔ ۱۲منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۳۲، حاشیہ]۔

۵۰ یہ مطلع نظیر کا ہے، نہیں معلوم! اس کے نام سے کس طرح مشہور ہوا۔ ۱۲منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۳۸، حاشیہ]۔

۵۱ سنہ۱۸۸۳ء میں، جب کہ یہ کتاب دوسری دفعہ چھپ رہی ہے، خانم صاحبہ حیدرآباد دکن میں رونق افروز ہیں، بل کہ متعلّق مذکور کو بھی اُنھوں نے اپنے پاس ہی بلا لیا ہے۔ ۱۲منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۴۳]۔

۵۲ اس کتاب کے چھپتے چھپتے ماہ نومبر سنہ۱۸۷۸ء میں عمدہ جان بہ عارضۂ بخار راہیِ ملکِ عدم ہوئی۔ حضرت بشیر خوش تقریر نے اُس کی تاریخ وفات یوں موزوں کی:

آں عفیفہ صاحبِ عصمت ازیں دارالفنا — رفت سوے خُلد حسبِ الحکم خلّاقُ العباد
ملہمِ غیبی پے تاریخِ رحلَش بشیر! — گفت ''زیرِ دامنِ خیر النسا جاوید باد''
۱۸۷۸ء

تحریر ۱۴ردسمبر سنہ۱۸۷۸ء، مقام لاہور، از نوازش نامہ بشیر۔ درگا پرشاد عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۴۳]۔

۵۳ے سنہ ۱۸۷۹ء/سنہ ۱۲۹۶ ہجری میں زہرہ یعنی بو بن بھی نوعمری میں ہی رحلت کر گئی۔ انّا للہ وانّاالیہ راجعون [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۱۴۳]۔

۵۴ے سنہ ۱۸۸۰ء کے اخیر سے وہ شخص بالکل دست بردار ہوگیا، پر اب تک یہ تائب ہی بنی ہوئی ہے۔ غنیمت ہے۔ ستمبر سنہ ۱۸۸۳ء کو یہ شاعرہ دکن کے حیدرآباد میں اپنی بہن کے پاس چلی گئی ہے۔ چھوٹے بھانجے کو اپنے ہم راہ لے گئی ہے۔ سب سے بڑا بھائی بھی اس کا وہیں ہے۔ [تیسری دفعہ ایسی گئی کہ حیدرآباد ہی میں اپنے بہنوئی کی قبر کے پاس جا دفن ہوئی۔ انّا للّٰہ و انّاالیہ راجعون۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ]۔ (۲۲۶) ۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۱۴۳]۔

۵۵ے ولی کا دیوان دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مصرع بعینہٖ اُس میں اس طرح موجود ہے:

بے وفائی نہ کر! خدا سوں ڈر!

لیکن چوں کہ اس شاعرہ نے یہ غزل ولی کی کبھی نہ سُنی تھی، لہٰذا اس کو توارد سمجھنا لازم ہے۔ نہ یہ سرقہ ہے، نہ تضمین۔ اس غزل کے چھٹے مصرع کا بھی یہ ہی حال ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۱۴۳]۔

۵۶ے واہ وا! کیا کہنا ہے! بہار، مطبوعہ دفعہ ثالث میں لکھ دیا: نہ سکونت سے اس کی خبر، نہ نشانِ مقام ہے۔ یہ دو شعر اُس کے یاد تھے، لکھ دیے۔ محققانِ زمانہ اس تحریرِ بے تاثیر کو ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۱۴۷]۔

۵۷ے گناہ من آرنامدہ درشمار ترا نام کے بودے آمرزگار

کا اچھا ترجمہ کیا ہے۔ ۱۲ منہ [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۱۵۳]۔

۵۸ے اغلب ہے کہ یہ نام "صیام" ہو یا "صائم"، کیوں کہ یہ پارسا دائم الصوم تھی۔ ۱۲ منہ [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۱۸۸، حاشیہ]۔

۵۹ے "سرکار" [سے] مراد ہے راؤ امر سنگھ صاحب بہادر رئیس، مالک مطبع و اخبار سے۔ ۱۲ عفی اللہ عنہ [تذکرۃ النّسائے نادری، صفحہ ۵۳، حاشیہ]۔

۶۰ے قولہ: ہاں، یہ افسوس ہے...... الخ — جناب ایڈیٹر صاحب! آپ کے اس افسوس کو بندہ اس

معروضے سے رفع کرتا ہے کہ شریف زادیوں کو شاعری کی ممانعت رہتی ہے، دینیات کی طرف زیادہ رغبت دلائی جاتی ہے۔ دوسرے، اُن کا کلام دست یاب ہونا بہت مشکل ہے۔ اس پر بھی ''چمن انداز'' کی ۱۴۴ شاعروں [شاعراؤں؟] میں ستاون (۵۷) بھلی مانسوں کا کلام موجود ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۶۰]۔

۶۱ قولہ: نمونہ...... الخ ــــ صاحبِ اخبار نے اس موقع پر چندا دکنی کا پورا پورا حال درج فرمایا، بندے نے اُسے چھوڑ دیا، کیوں کہ اصل کتاب میں موجود ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۶۰]۔

۶۲ یہ ریویو پنجابی اخبار، صداقت بار، نمبر۱۲، جلد۱۳، مطبوعہ ۲۸ دسمبر سنہ ۱۸۷۸ء میں شائع ہوا تھا۔ ۱۲ منہ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۶۱، حاشیہ]۔

۶۳ بعض شاعر اُس مادّے کو اس نام سے یاد فرماتے ہیں، جس میں دن، تاریخ، مہینے کا نام ہو اور اُن کے عدد سال ظاہر کرے [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۱۸، حاشیہ]۔

۶۴ اس رسالہ مسمّا بہ کافی در علمِ قوافی کا ترجمہ بندے نے رسالہ نحوِ فارسی جنابِ ممدوح کے ترجمے کے ہم راہ چھپوا دیا ہے، اور اصل فارسی دونوں رسالوں کی، جناب کے کلّیات میں بھی شائع ہوئی ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۲۷، حاشیہ]۔

۶۵ التماسِ مولّفِ کم اساس: گو اس کتاب میں یاے معروف و مجہول کی شناخت مروجۂ حال ملحوظ رہی ہے مگر بعض جا ''ع''، ''و''، ''ف'' کا اشارہ دستورِ قدیم کے بموجب بھی کرنا پڑا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی نقاط وغیرہ کی غلطیاں اس میں رہ گئی ہیں جو ناظرین خود درست فرمائیں گے۔ مجھے زیادہ صحت کی فرصت، نہ اب کاغذ میں گنجائش۔ اللہ بس ماسوا ہوس! [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۹۲][نادر کا یہ بیان تذکرۃ النساے نادری کے متعلق ہے (مرتّب)۔]

ملحقه (۱۰)

فرہنگ

از مصنّف

maablib.org

اصنام : صنم کی جمع۔

حورین : اصل میں ''حور'' جمع کا صیغہ ہے، ''حورا'' اس کا مفرد ہے، مگر اُردو اور فارسی والوں نے اس کو مفرد ہی استعمال کیا ہے، ''حوران'' جمع بنایا ہے، جو دراصل جمع الجمع ہے، اور اسی سبب سے ''حورین'' تثنیہ گھڑ لیا ہے۔ اگر بے محاورہ ہو تو ناظرین معاف فرمائیں۔۱۲ منہ عفی عنہٗ۔

خیابان : نام قصبہٗ ایران۔

رقعہ : خط۔

رام جنی: یہ لفظ دراصل ''رم جنی'': بمعنی رستے، یعنی چلتے پھرتے کی اولاد کے ہیں۔ نویدِ جاوید میں جو اس کو ''رام جنی'': خدا کی بیٹیاں لکھا ہے، بالکل بے جا ہے۔ دیکھو: سرگذشتِ نادری کا خاتمہ، محررہٗ یکم مئی سنہ ۱۹۰۰ء، جو بنام ''نمونۂ خیالاتِ مذہبی''، ہم راہ رسالہ سناتن دھرم کی صداقت و قدامت چھپ گیا۔۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [ملحقہ مرآتِ خیالی، صفحہ ۲۹۔۳۰، نمبر ۲۸]۔

رلیس : خط۔۱۲

ریس: بہ یاے معروف، بہ معنی: حرص، ہم سری، برابری وغیرہ — زبانِ پنجابی کا لُغت ہے، نہ کہ اُردو کا؛ اور ''تنگی کا ناچ'' پُوربی محاورہ ہے، کہ اُردو معلاً کا۔ ایسے ہی اور چند محاوروں کا استعمال حضور نے فرمایا ہے۔ کیا آپ ان کی سَنَد اپنے اُستاد: غالبؔ، علی کل غالب مرحوم کے کلامِ فیض انضمام سے دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! یہ چھاؤنی والوں کی بول چال ہے، ان کی سَنَد اہلِ زبانِ اُردو کے کلام سے ملنی محال ہے۔۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ [ملحقہ مرآتِ خیالی، ص ۳۰، نمبر ۳۳]۔

ریل : تنبیہ: دراصل ریل اُس لوہے کی پٹری کو کہتے ہیں جس پر دُخانی گاڑی کے پہیے [پہیے] چلتے ہیں مگر عوام الناس میں یہ لفظ ''ٹرین'' کی جگہ مروّج ہو گیا ہے۔ کما لا یخفی علی الفہیم۔

سکبا : افضل الفوائد، مطبوعہٗ مطبع رضوی، دہلی، سنہ ۱۳۰۵ ہجری [مطابق ۸۔۱۸۸۷ء]، صفحہ ۶۳، جلد اوّل کے حاشیہ پر دیکھا گیا ہے کہ: ''سکبا'': بہ باے موحدہ، بالکسر نوعے از آش است کہ از

گوشت وگندم وسرکہ ونبات وکشمش سازند۔" پس، "سکپا" غلط ہے۔ اِس کا تلفظ کاف عربی وبا موحدہ سے ہی درست ہے۔ منتخب اللّغات کی پہلی ہی فصل سے ظاہر ہے کہ یہ لفظ مرکّب ہے۔ "سک" بہ معنی نوعے خوش بُو اور "با" مخفف "ابا" سے، جو بالفتحہ، یعنی "آش" بدونِ ہمزہ، لُغتِ فارسی ہے، اور صاحب غیاث نے بھی یہ لفظ بہ کاف تازی وبا موحدہ ہی لکھا ہے۔ ۱۲ منہ عفی اللہ عنہ [ملحقہ مراٰۃ خیالی، صفحہ ۲۶، ۲۷؛ نمبر (۱۲)]۔

کبی ایشوراں : شاعران۔

کبرائیوں : شاعرہ۔

کسی کی : یہ لفظ [کسی کی] آج کل کے محاورہ میں اسی طرح مستعمل ہے مگر پہلے "کسو کی" بولتے تھے۔ اس شاعرہ نے بھی اس کو واو ہی سے باندھا ہے [کسو کی]، مگر میں نے "ے" سے لکھ دیا۔ ۱۲ منہ عفی عنہُ۔

مجادلہ : لڑائی جھگڑا، دشمنی، خصومت۔

مرقعہ [مرقّع] : تصویروں کی کتاب یا گدڑی۔

مہنتنی : عابدہ وزاہدہ۔

ضمائم

maablib.org

ضمیمہ (ا)

مرتّب کے حواشی

maablib.org

۱۔ پرانی اِملا۔ آج کل اس کی جگہ ''شاعرات'' مستعمل ہے۔

۲۔ اصل: ''سرشتہ... الجنت'' [تذکرۃ النساے نادری، سرورق]۔

۳۔ ''حصارِ سعادت پناہِ تو باد'' تاریخی مادّہ ہے۔ اس کے اوپر ''۱۳۰۱ ہجری'' درج ہے، لیکن اس تاریخی مادّے سے ۱۳۰۱ کے بجاے ۱۳۰۵ کا عدد برآمد ہوتا ہے۔ اس میں سے آخری حرف ''د'' کے چار عدد کم کیے جائیں تو ۱۳۰۱ کا عدد برآمد ہوتا ہے۔

۴۔ یہ شعر نادر نے پہلی بار اپنے پہلے تذکرے خزینتہ العلوم فی متعلقات المنظوم کے سرورق پر درج کیا۔

۵۔ ملحقہ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۲؛ نمبر (۱) تاریخی مادے ''تذکرۂ نسائے نادری نام نہاد'' سے مطلوبہ ۱۹۰۲ کا عدد برآمد نہیں ہوتا۔ دونوں ہمزاؤں کو ملانے سے ۱۸۶۳ اور ہمزاؤں کے بغیر ۱۸۶۲ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ ''نام'' کی جگہ ''تامّ'' ہو تو ہمزاؤں کے بغیر ۱۹۰۲ کا عدد برآمد ہو سکتا ہے۔

۶۔ گلشنِ ناز، صفحہ ۲ کا آخری لفظ شریف ہے۔ پھر یہی لفظ صفحہ ۳ کے شروع میں بھی کتابت ہوا ہے۔ یوں لفظ ''شریف'' کی تکرار ہو گئی ہے۔ بعض کاتب زمانہ قدیم میں ''ترک'' کے بجاے یہ طریقہ بھی استعمال کرتے تھے۔ گلشنِ ناز میں آئندہ بھی بعض صفحات میں یہ التزام ملتا ہے۔

۷۔ اصل: ''کبھی'' اور اس کے نیچے ''ف'' کا نشان بنایا گیا ہے۔ ایسا نشان آئندہ بھی ایسے الفاظ کے نیچے لگایا گیا ہے جو یاے معروف کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس لفظ میں یاے معروف کے بجاے یاے مجہول پڑھی جائے۔ اس اَمر کی نشان دہی نادر نے کتاب کے صحت نامے میں کر دی ہے۔

۸۔ اصل: ''علی کلّ مسلمین و مسلمۃ'' [گلشنِ ناز، صفحہ ۳؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۳]۔

۹۔ متن میں ہے: ''حکیم قاسم کا تذکرہ حسبِ موقع گلدستہ نازنینان کا جزو اخیر......'' [گلشنِ ناز، صفحہ ۴؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۴]۔ سکتہ (') نہ ہونے سے ''حسبِ موقع'' کو ''حکیم قاسم کے تذکرہ'' سے متعلق بھی باور کر سکتے ہیں اور گلدستہ نازنینان سے بھی؛ لیکن گلدستہ نازنینان سے متعلق کرنے میں قباحت یہ ہے کہ ''حکیم قاسم کا تذکرہ'' سے، ایسی صورت میں، یہ باور ہوگا کہ حکیم قاسم کا تذکرہ مکمل طور پر بطور ماخذ پیشِ نظر رہا ہے، جب کہ گلدستہ نازنینان کا آخری حصّہ حسبِ موقع استعمال کیا گیا۔ ہم جانتے ہیں کہ نادر نے ان دونوں کتابوں سے اُردو شاعرات سے متعلق معلومات اخذ کی ہیں اور حکیم قاسم کا تذکرہ (مجموعۂ نغز) شعرا کا تذکرہ ہے، اس میں شاعرات کا ذکر کہیں کہیں آیا ہے، لہٰذا کہیں

کہیں ذکر ہونے کی صورت میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ پورا تذکرہ ماخذ کے طور پر پیشِ نظر رہا؛ چناں چہ مجموعۂ نغز سے "حسبِ موقع" ہی استفادہ کیا گیا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ مصنف نے گلدستۂ نازنیناں کے جزوِ اخیر کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ گلدستۂ نازنیناں نامی انتخابِ اشعار کا آخری جُز ہی اُن کا ماخذ ہے۔ ایسی صورت میں اس کے ساتھ "حسبِ موقع" کا جواز مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا دونوں پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے "حسبِ موقع" کا تعلق "حکیم قاسم کا تذکرہ" سے قائم کرنے کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی لیے حسبِ موقع کے بعد سکتہ لگانے کا التزام کیا گیا ہے۔

۱۰۔ اصل: "عرب کی۔" "کی" کے نیچے بھی "ف" درج ہے، گویا اسے "کے" پڑھنا چاہیے۔

۱۱۔ ملحقۂ مراٰتِ خیالی، صفحہ ۲۳؛ نمبر (۲)۔ آخر میں "۱۲ منہ عفی عنہ" درج ہے۔

۱۲۔ اصل: "فَلَوْ لَا عَجْوَۃُ السُّوْدَایَ" [گلشنِ ناز، صفحہ ۵؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۵]۔

۱۳۔ اصل: "فَلَوْ لَا طَاعَۃَ مَا یَجْتَابُوْا دِیْنَکُم" [گلشنِ ناز، صفحہ ۵؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۵]۔

۱۴۔ اس عربی شعر کا اصل ترجمہ یوں ہے: ہم تمھارے پاس آ گئے، ہم تمھارے پاس آ گئے۔ سو، اپنے قبیلے میں ہمیں سلام کہو! اگر سیاہ عجوہ (کھجور) نہ ہوتی تو ہم تمھاری وادی میں نہ ہوتے۔ [بہ شکریہ ڈاکٹر خورشید رضوی (لاہور)]

۱۵۔ اس عربی مصرعے کا صحیح ترجمہ یوں ہے: اگر خداے رحمٰن کی اطاعت نہ ہوتی تو ہم تمھاری وادی میں نہ ہوتے [بہ شکریہ ڈاکٹر خورشید رضوی (لاہور)]

۱۶۔ "ایک باغ نادر" کے تاریخی مادے سے ۱۲۸۹ کا عدد مستخرج ہوتا ہے، جب کہ ۱۲۸۸ کا عدد "یک باغ نادر" سے حاصل ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہاء الدین بشیر نے "یک باغ نادر" ہی تاریخی مادہ کہا ہوگا۔ اسے نقل کرنے میں مصنفِ تذکرہ نادر یا پھر کاتب نے غلطی کر دی۔

۱۷۔ تاریخی مادے "غیرتِ شعرا" سے ۲۱۸۱ کا عدد نکلتا ہے۔ اس تاریخ میں تخرجہ ہے دوسرے مصرعے میں "بے رنج" کا مطلب ہے کہ مادۂ تاریخ میں "رنج" کے ۲۵۳ عدد خارج ہوں گے۔ یوں مطلوبہ سنہ بکری ۱۹۲۸ حاصل ہوتا ہے۔ پہلے مصرعے میں "نادر گنج" کی ترکیب میں شاعر نے مصنف کا تخلص بھی نظم کر دیا ہے۔

۱۸۔ اصل: "الحیرہ"۔ یہ لفظ بظاہر ناخوانا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مصنفِ تذکرہ یا کاتب نے "اِلٰی آخرہٖ" کو پرانے اندازِ کتابت کے مطابق ملا کر یوں لکھا ہے "الخرہ"۔

۱۹۔ ملحقۂ مراٰتِ خیالی، صفحہ ۲۳، ۲۴؛ نمبر (۳)۔ آخر میں "۱۲ منہ" درج ہے۔

۲۰۔ اس کی کوئی سَنَد موجود نہیں کہ آں حضرتؐ نے یہ شعر سُنے تھے۔

۲۱۔ ملحقۂ مِراٰتِ خیالی، صفحہ۲۴، ۲۵؛ نمبر(۴)۔ آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ'' درج ہے۔

۲۲۔ گلشنِ ناز میں بھی یہ شعر نور جہاں کے ترجمے میں درج ہوا ہے۔ وہاں یہ مصرع یوں لکھا گیا ہے :

کل تم جو یہ کہتے تھے، شمشیر ہے اور میں ہوں

[گلشنِ ناز، صفحہ۳۱؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۳۶]۔ اس مصرعے کی یہی صورت باوزن اور صحیح لگتی ہے۔

۲۳۔ مصنّف کے زمانے میں بھی اور اس کے بہت عرصے بعد تک اَدبی دُنیا میں یہی مشہور تھا کہ اُردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر وَلی دکنی ہے، تا آں کہ ۱۹۲۲ء میں مولوی عبدالحق نے کلیاتِ قلی قطب شاہ کا تفصیلی تعارف کرایا اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی ترتیب سے ۱۹۴۰ء میں یہ کلّیات آب و تاب کے ساتھ شائع بھی ہو گیا۔ یوں دست یاب کلام کی رُو سے طے ہوا کہ اُردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر وَلی سے بہت پہلے کا شاعر قلی قطب شاہ [۱۴ ررمضان ۹۷۳ھ / ۱۴ راپریل ۱۵۶۵ء — ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء] ہے۔ [کلّیاتِ محمد قلی قطب شاہ، مقدمہ، صفحہ ۲۶۵ تا ۲۶۹]

۲۴۔ ملحقۂ مِراٰتِ خیالی، صفحہ۲۵، نمبر(۵)۔

۲۵۔ نادر کے اس رسالے کا نام رسالۂ شطرنج ملقّب بہ ہشت ثمنہ ہے۔ مجھے یہ رسالہ نہیں مل سکا۔ اس کا تذکرہ اور کچھ مشمولات کا اِندراج کالی داس گپتا رضا نے اپنی کتاب غالبیات (کچھ مطالعے اور مشاہدے) میں کیا ہے۔ وہاں اُنھوں نے اس کتاب کا یہی نام تحریر کیا ہے۔ نادر نے اس مقام کے علاوہ آگے بھی ایک دو جگہ اس رسالے کا نام ''ہشت ثمن'' تحریر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں۔

۲۶۔ اصل: ''ہندوسار'' [ملحقۂ مراٰتِ خیالی، صفحہ ۲۵، نمبر(۶)]۔ بظاہر یہ کتابت کی غلطی ہے۔ صحیح نام ''بندوسار'' ہے۔ زمانۂ حکومت ۲۹۸ تا ۲۷۳ ق م [دیکھیے ہندوستان کا شاندار ماضی، صفحہ ۱۰، ۸۲۔]

۲۷۔ ملحقۂ مِراٰتِ خیالی، صفحہ۲۵؛ نمبر(۶)۔ اس عبارت کا آغاز یوں ہوتا ہے: ''بگیا سے پہلے راجا اشوک ......'' اور آخر میں حسبِ سابق ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ'' درج ہے۔ تسلسل قائم رکھنے کے لیے یہ دونوں عبارتیں حذف کر دی گئی ہیں۔

۲۸۔ ملحقۂ مِراٰتِ خیالی، صفحہ۲۵؛ نمبر(۷)۔ یہاں بھی آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ'' درج ہے۔ ضمیمے کی اس عبارت اور تذکرے میں بھی، مصنّف نے لفظ ''آچار'' اور اس کے مشتقات: آچاری، آچاریہ،

آ چارج کو ایک جگہ کے سوا ہر جگہ الف مقصورہ کے ساتھ لکھا ہے۔ مزید دیکھیے ضمیمۂ الفاظ۔

۲۹۔ یہاں ''مل گوجری'' کے بعد صاد کا نشان بنا کر حاشیے میں ''منگل گوجری'' درج کیا گیا ہے۔ یہ نام گلشنِ ناز میں تو موجود ہے لیکن لگتا ہے کہ تذکرۃ النساے نادری کے متن میں کتابت ہونے سے رہ گیا، جسے حاشیے میں درج کر دیا گیا۔ یہ معلومات اس سے قبل نادر نے اپنے تذکرۂ اوّل خزینتہ العلوم فی متعلقات المنظوم (صفحہ ۹۵) میں بھی درج کی تھیں، بل کہ لگتا ہے کہ یہ معلومات وہیں سے اخذ کر کے یہاں درج کی گئی ہیں۔

۳۰۔ فخرؔی بھوپالی کا بیان ہے کہ بھوپ کلیان راگنی کی ایجاد روپ متی سے منسوب کی جاتی ہے (''روپ متی، باز بہادر'' (مضمون، صفحہ ۱۹۴)۔

۳۱۔ گلشنِ ناز میں ''بہادر باج'' ہے۔ یہاں ''بہادر راج'' کے بجاے ''بہادر باج'' زیادہ مناسب لگتا ہے، جو ''باز بہادر'' یا ''بہادر باز'' کا بھاشا تلفظ ہے۔ ''سکھ راج'' کا قافیہ بھی ''بہادر راج'' کی جگہ ''بہادر باج'' مناسب معلوم ہوتا ہے؛ لیکن یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ''راج''، ''راجا'' کا مخفف بھی ہے۔ ان معنوں میں ''بہادر راج'' بھی مناسب ہے۔ آئندہ شعر میں بھی گلشنِ ناز میں ''بہادر راج'' کی جگہ ''بہادر باج'' ہے۔

۳۲۔ اصل: ''یہ عورت اپنے'' (گلشنِ ناز، صفحہ ۱۱؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۳)۔ ''اپنے'' کے نیچے ''ع'' کا نشان بنایا گیا ہے، گویا اس لفظ کو ''اپنی'' پڑھا جانا چاہیے۔

۳۳۔ اصل: ''راج نیت کی'' (گلشنِ ناز، صفحہ ۱۱؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۳)۔ یہاں ''کی'' کے نیچے ''ف'' کا نشان بنایا گیا ہے، گویا اسے ''کے'' پڑھنا چاہیے۔

۳۴۔ ۱۹۵۷و۵۸ کے بعد کاتب نے غلطی سے عیسوی سن کا مخفف ''ء'' کتابت کر دیا ہے (ملحقۂ مرأت خیالی، صفحہ ۲۵، نمبر ۸)۔

۳۵۔ ملحقۂ مرأت خیالی، صفحہ ۲۵، ۲۶، نمبر (۸)۔

۳۶۔ اصل: ''جانیوالیان'' (گلشنِ ناز، صفحہ ۱۲؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۴)۔ جہاں دو نون اکٹھے آئے ہیں، کاتب اُنھیں نون مع شد کے ساتھ کتابت کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اسی روش کی پابندی کی گئی ہے، لیکن شد لگانا کاتب بھول گیا۔

۳۷۔ اصل: ''دلارام'' (گلشنِ ناز، صفحہ ۱۲؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۶)۔ صحیح نام ''دل آرام'' تھی ہے۔ پرانے اندازِ کتابت میں لفظوں کو ملا کر لکھتے تھے، چناں چہ ''دل آرام'' کو ''دلآرام'' لکھنے لگے۔

یہاں بھی یہی صورت کارفرما ہے، اس فرق کے ساتھ کہ اس کتاب کا کاتب ایسے تمام الفاظ میں مد کتابت نہیں کرتا۔

۳۸۔ اصل : ''روزی نبوذ'' (گلشنِ ناز، صفحہ۱۳؛ تذکرة النسایے نادری، صفحہ۱۷)۔ ''روزی'' کے نیچے ''ف'' کتابت کیا گیا ہے، گویا اسے ''روزے'' پڑھا جائے۔

۳۹۔ شاطرہ، بمعنی شطرنج کی ماہرہ۔ شاطر: چالاک اور مکار کو بھی کہتے ہیں۔ علامہ کا مفہوم بھی تیز وطرار کا ہے۔

۴۰۔ رنگین میرٹھی نے دل آرام کو جہاں گیر شاہ بادشاہ سے منسوب کیا ہے۔ نادر نے رنگین میرٹھی کا نام نہیں لیا لیکن اعتراض انھی پر کیا ہے، کیوں کہ رنگین میرٹھی نے پہلے تو ''زوجہ جہانگیر شاہ'' لکھا، چند سطروں بعد اسے ''جہانگیر بادشاہ'' کر دیا، پھر آگے چل کر اس کی بیگم کا نام ''نور جہاں بیگم'' لکھ دیا۔ (نادر نے اس بیگم کا ذکر محض جہاں تخلص سے کیا ہے)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ رنگین میرٹھی کی مراد جہاں گیر بادشاہ ہی سے تھی، لہٰذا نادر کا اعتراض درست ہے۔

۴۱۔ ملحقۂ مرأت خیالی، صفحہ۳۶، نمبر(۹)۔ آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ'' درج ہے۔

۴۲۔ اصل : ''جانثار'' (گلشنِ ناز، صفحہ۱۳؛ تذکرة النسایے نادری، صفحہ۱۸)۔

۴۳۔ اصل : آرزوی (تذکرة النسایے نادری، صفحہ۱۹)۔ گلشنِ ناز (صفحہ۱۵) میں ''آرزوئی'' ہے۔ نادر نے شاعرات کی مشروح فہرستِ تذکرہ (رک ملحقہ ا میں بھی اس کا تخلص ''آرزوئی'' لکھا ہے۔ رنگین میرٹھی نے بھی ''آرزوئی'' تخلص کے تحت اس کا ذکر کیا ہے (صفحہ۱۰۰)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا صحیح تخلص آرزوئی ہی تھا۔ ''آرزوی'' کو محض کتابت کی غلطی سمجھنا چاہیے۔

۴۴۔ ملحق ''حواشی مصنف''۔ ملحقۂ مرأت خیالی، صفحہ۳۶، نمبر(۱۰) اور حاشیے کی عبارت۔

۴۵۔ اصل : ''من اگر توبہ زی کردم اے سرو سہی تو خود این توبہ نکردی کہ میرا می مدہی''۔

[گلشنِ ناز، صفحہ۱۶؛ تذکرة النسایے نادری، صفحہ۲۰]۔

۴۶۔ اصل : ''اشکے کہ زسر گوشہ...... بروئی میں نشنید و دعوی خون کند''۔ [گلشنِ ناز، صفحہ۱۶؛ تذکرة النسایے نادری، صفحہ۲۰]۔

۴۷۔ اصل: ''صدا جانفزا'' [گلشنِ ناز، صفحہ۱۶؛ تذکرة النسایے نادری، صفحہ۲۰]۔ ظاہراً یائے اضافت کتابت ہونے سے رہ گئی ہے۔

۴۸۔ رنگین میرٹھی نے تخلص ''بیدلی'' لکھا ہے (بہارستانِ ناز، صفحہ۱۱۰)۔ یہ کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے۔ آسی الدنی نے بھی اس کا تخلص ''بیدلی'' ہی لکھا ہے (تذکرة الخواتین، صفحہ۱۸۹)۔

۴۹۔ اصل "ہے گیاہ" [گلشنِ ناز، صفحہ۱۸؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۳]۔ "ہے کے نیچے" ع" کتابت ہوا ہے، یعنی اسے "ہمی" ہونا چاہیے۔

۵۰۔ کاتب نے یہاں شعر کا نشان " ؎ " کتابت کیا ہے، حالاں کہ یہاں مصرعے کا نشان "ع" آنا چاہیے۔

۵۱۔ اصل : "میں دو بلا گرم" [گلشنِ ناز، صفحہ۱۹؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۳]۔

۵۲۔ اصل : "لیلی عذاری" [گلشنِ ناز، صفحہ۱۹؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۴]۔ "عذاری" کی یا کے نیچے "ف" لکھا ہے، گویا اسے یاے مجہول پڑھا جائے، یعنی "عذارے"۔

۵۳۔ اوپر کے شعر میں "گساری" اور اس شعر میں "روزگاری" کے نیچے "ف" لگا کر نشان دہی کی گئی ہے کہ انھیں بالترتیب "گسارے" اور "روزگارے" پڑھا جائے۔

۵۴۔ نادر نے حاشیے میں تذکرۂ حسینی کا حوالہ دیا ہے۔ وہاں اس شاعرہ کا کوئی ذکر "دلیری ماہری" کے تحت نہیں ہے، البتہ "بی بی زلیری ماہری" کا ترجمہ موجود ہے۔ تاہم اس میں نمونۂ کلام کی غزل کے تین شعر ہیں۔ پہلے دو شعر وہاں موجود نہیں۔

۵۵۔ اصل : بجز خوں خوردن [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۲۵]۔ اس صورت میں مصرع بے وزن رہتا ہے۔ آسی نے "بجز خون جگر خوردن" لکھا ہے [تذکرۃ الخواتین، صفحہ۲۱۵]۔ یہ وزن میں ہے اور حسب حال بھی، اسی لیے قیاسی تصحیح میں اسے اختیار کیا گیا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ شعر گلشنِ ناز میں نہیں تھا، نہ بہارستانِ ناز میں ہے۔ نادر نے اس کا اضافہ تذکرۃ النّساے نادری میں کیا۔

۵۶۔ رنج میرٹھی نے اس غزل کے چوتھے شعر کا پہلا اور پانچویں شعر کا دوسرا مصرع ملا کر اپنے ہاں زائری کے نمونۂ کلام میں تیسرے شعر کے طور پر درج کیا ہے [بہارستانِ ناز، صفحہ۱۴۹]۔ نادر نے رنج میرٹھی کے نام عریضے [رک ملحقہ (۵) کتاب ہذا] میں بہارستانِ ناز کی اغلاط گنائی ہیں۔ حیرت ہے کہ اُن کی نظر سے یہ غلطی بچ نکلی۔

۵۷۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نادر نے رنج میرٹھی کے تذکرے سے استفادہ کرتے ہوئے اس شعر میں درستی کی ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرع گلشنِ ناز (صفحہ۲۱) میں "تو دل" سے شروع ہوتا ہے، جب کہ بہارستانِ ناز میں "ہاں وئے" سے (صفحہ۱۵۸)۔ گلشنِ ناز اور تذکرۃ النّساے نادری کی اشاعت (۱۸۷۶ء تا ۱۸۸۴ء) کے دوران رنج میرٹھی کا بہارستانِ ناز تیسری بار طبع ہوا تھا [دیکھیے مقدمۂ مرتب کا متعلقہ حصہ اور "عریضہ" مشمولہ کتاب ہذا تحت "ملحقہ (۵)"]۔ اس میں اس مصرعے کا

متن مختلف دیکھ کر نادر نے اسی کے مطابق اس مصرعے کا متن تذکرۃ النساے نادری میں درست کر دیا ہوگا۔

۵۸۔ اصل : وہ کہ۔ [گلشنِ ناز، صفحہ۲۲؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۲۷]۔ تصحیح قیاسی۔

۵۹۔ حاکی تخلص خواف کے حاکم کا نہیں، بل کہ عصمتی کی ہم شیرہ کا ہے۔ مصنف (نادر) نے اپنی اس غلطی کا اعتراف اور توجیہ بھی پیش کی ہے۔ دیکھیے "ملحقہ (۱۳): حواشی مصنف" کے تحت حاشیہ ۳۸۔

۶۰۔ متعلق "حواشی مصنف" - ملحقۃ مرآتِ خیالی، صفحہ۲۷، نمبر (۱۳)۔ حوالہ دینے میں یہاں مصنف سے سہو ہو گیا ہے۔ اقتباسات نمبر ۱۲، ۱۳ کے لیے مصنف نے صفحہ ۲۴ میں اضافے کا حوالہ دیا ہے لیکن متعلقہ صفحے پر ان عبارات کے اضافے کا کوئی محل نہیں۔ موجودہ عبارت کا تعلق اورنگ زیب عالم گیر سے ہے جس کا ذکر صفحہ ۲۴ پر کہیں نہیں ہوا، بل کہ صفحہ ۲۹ پر ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ مصنف سے صفحہ نمبر لکھنے میں سہو ہو گیا ہو یا کاتب نے صفحہ نمبر غلط لکھ دیا ہو۔ بہر حال، یہ اضافہ شدہ عبارت اپنے سیاق وسباق کے مطابق، یہیں آنی چاہیے۔

اسی کے ساتھ، اس عبارت کے مشمولات کو متن میں شامل کرنے کا کوئی قرینہ بھی نظر نہیں آتا۔ متن میں زیب النسا مخفی کا ذکر ہے جس کے تحت اورنگ زیب عالم گیر کا حوالہ آ گیا ہے، کیوں کہ مخفی اُس کی بیٹی تھی۔ اس سیاق وسباق میں اورنگ زیب عالم گیر سے متعلق معلومات کا متن میں شامل کرنا اَن مل اور غیر متعلق لگتا ہے۔ اسی لیے اورنگ زیب سے متعلق ان اضافی معلومات کو متن کے بجائے حاشیے میں درج کرنے کو ترجیح دی گئی ہے، کہ وہاں ان کا شمول مناسب ہے۔

یاد رہے کہ مصنف نے ضمائم کی عبارات میں کہیں یہ نشان دہی نہیں کی، یا واضح اشارہ نہیں دیا کہ کون سی عبارت متن میں رکھی جائے گی اور کون سی حاشیے میں درج ہوگی۔

۶۱۔ اصل : ترشی (گلشنِ ناز، صفحہ۲۴؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۳۰)۔

۶۲۔ ملحقۃ مرآتِ خیالی، صفحہ۲۷، نمبر (۱۲)۔ آخر میں "۱۲منہ عفی اللہ عنہ" درج تھا۔ ضمیمے کی اس عبارت میں بھی "صفحہ۲۴ سطر ۱۰" کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن متعلقہ صفحے پر اس عبارت کے اضافے کا کوئی محل نہیں۔ اس اضافہ طلب عبارت میں قلعۂ دولت آباد کا ذکر ہے۔ اس سیاق وسباق میں یہ عبارت اصولی طور پر انتباہ کے درمیان یا آخر میں درج ہونی چاہیے تھی، لیکن چوں کہ مصنف نے خود اس میں یہ عندیہ دیا ہے کہ "انتباہ" کی عبارت آئندہ آئے گی، یعنی یہ اضافی عبارت "انتباہ" سے قبل ہے، اسی لیے اس اضافہ طلب عبارت کو اس مقام پر "انتباہ" سے پہلے درج کیا گیا ہے۔

۶۳۔ اصل: ''عجائبات فرہنگ'' (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۰)۔ ''فرہنگ'' بظاہر کتابت کی غلطی لگتی ہے۔

۶۴۔ اصل: ''ذخیم''۔ (گلشنِ ناز، صفحہ۲۴؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۱)۔ یہ غلطی پرانے کاتب عام طور پر کرتے تھے۔

۶۵۔ اصل: ''...... خفتی گفتی ...... کی'' (گلشنِ ناز، صفحہ۲۵؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۱)۔ تذکرہ میں دونوں کے نیچے ''ف'' بنا کر یاے معروف کو یاے مجہول پڑھنے کا اشارہ دیا گیا ہے۔

۶۶۔ ''زبانی'' (گلشنِ ناز، صفحہ۲۴؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۱) کے نیچے بھی ''ف'' بنایا گیا ہے۔

۶۷۔ اصل: ''ابیاتِ آیندہ مثنوی''۔ ملحقۂ مراتِ خیالی، صفحہ۲۷، نمبر (۱۴)۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا منشا اس زائد عبارت کو مثنوی کے اشعار سے قبل درج کرنے کا تھا لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ مثنوی مولوی کی یہ ابیات رقعۂ مذکور کا حصّہ ہیں اور مصنّف کا منشا یہ نہ رہا ہوگا کہ یہ اضافہ اقتباس کی عبارت، یعنی رقعۂ مذکور کے درمیان ہی درج کر دیا جائے۔ مناسب یہی ہے کہ یہ اضافہ طلب عبارت رقعے کے اختتام پر درج کی جائے۔ رقعے سے قبل بھی یہ اضافہ شدہ عبارت درج نہیں کی جا سکتی، کیوں اس عبارت کا تعلق اشعارِ مثنوی سے ہے جو رُقعے کے آخر میں نقل ہوئے ہیں۔

۶۸۔ ملحقۂ مراتِ خیالی، صفحہ۲۷، نمبر (۱۴)۔ آخر میں ''منہ عفی اللہ عنہ'' درج ہے۔

۶۹۔ اصل: ''سرقہ'' [ملحقۂ مراتِ خیالی، صفحہ۲۸]۔ ''ۃ'' پر ہمزہ کتابت ہونے سے رہ گیا ہے۔

۷۰۔ ملحقۂ مراتِ خیالی، صفحہ۲۷، ۲۸؛ نمبر (۱۵)۔ آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ'' درج ہے۔

۷۱۔ اصل: ''ہوئیگی'' (گلشنِ ناز، صفحہ۲۵)۔ تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۳۱) میں ''ی'' کی یا کے نیچے ''ف'' کا نشان بنا کر اسے ''کے'' پڑھنے کا جواز مہیا کیا گیا ہے۔

۷۲۔ ''چمن انداز'' (صفحہ۳۶) اور تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۴۱) میں مشتری کا نام ''قمرن جان'' درج ہے۔ اس کے علاوہ تذکرۃ النّساے نادری کے آخر میں فہرستِ شاعرات میں بھی اس کا نام ''قمرن جان'' ہی لکھا ہے۔ گویا ''قمر جان'' کتابت کی غلطی ہے، لہٰذا ان شواہد کی بنا پر یہ غلطی درست کر کے صحیح نام درج کیا گیا ہے۔

۷۳۔ اصل: ''بے تحاشہ۔'' (گلشنِ ناز، صفحہ۲۶؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۲)

۷۴۔ اصل: ''بھونتی ہے۔'' (ایضاً)

۷۵۔ اصل: ''اوحکیم'' (گلشنِ ناز، ص۲۷؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۳)۔

۷۶۔ اصل : ''واقع'' (گلشنِ ناز، صفحہ۲۷؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۴)۔

۷۷۔ مولّف تذکرہ کو سہو ہوا ہے۔ ''ہرات'' سے صفتِ نسبتی ''ہروی'' اور ''ہرویہ'' بنتی ہے۔ ''ہراتی'' اور ''ہراتیہ'' تو دیسی طریقے سے بنائی گئی نسبت ہے، چناں چہ مہری ہرویہ اور مہری ہراتیہ سے ایک ہی شاعرہ مراد ہے، لہٰذا مولّف تذکرہ کی یہ بحث فضول ٹھہرتی ہے۔

۷۸۔ اصل : ''بستان'' (گلشنِ ناز، صفحہ۲۹؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۶)۔

۷۹۔ اصل : ''عاشقی بر قامتی ابروکمندی کردہ ام'' (گلشنِ ناز، صفحہ۳۰؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۳۷)۔ ''قامتی'' اور ''کمندی'' کے نیچے ''ف'' کا نشان بنایا گیا ہے۔

۸۰۔ اصل : ''اپنے زبان''۔ (گلشنِ ناز، صفحہ۳۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۸)۔ اپنے کے نیچے ''ع'' کتابت کیا گیا ہے، گویا اسے ''اپنی'' پڑھنا چاہیے۔

۸۱۔ اصل : ''یہ طشت ہے اور شمشیر ہے'' (گلشنِ ناز، صفحہ۳۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۸)۔ مقدمۂ کتاب میں یہی شعر نور جہاں کے ذکر میں درج ہے۔ وہاں اس کی صورت یہی ہے جو درج کی گئی ہے۔ یہی وزن میں ہے اور درست معلوم ہوتی ہے۔

۸۲۔ اصل : ''میرے حال کو'' (گلشنِ ناز، صفحہ۳۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۸)۔ وزن کے مطابق ''مرے'' چاہیے۔

۸۳۔ مصنف / تذکرہ نگار نے نور جہاں کے انتخابِ کلام میں ہر قافیہ / ردیف کے شعروں کے لیے الگ اور مسلسل نمبر لگائے ہیں۔ نور جہاں کے انتخابِ کلام میں کل ۲۴ غزلوں کے شعر اور ایک رباعی دی ہے۔ نمبر شمار کا یہ التزام کسی اور شاعرہ کے انتخابِ کلام کے ساتھ نہیں ملتا۔

۸۴۔ اصل : ''خون آلودہ میگردد'' (گلشنِ ناز، صفحہ۳۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۳۹)۔

۸۵۔ تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۳۹، سطر۱۲) میں ''ترانۂ تکمہ'' ہے۔

۸۶۔ اصل : ''گل چیدن'' (گلشنِ ناز، صفحہ۳۲، تذکرۃ النّساے نادری، ص۳۹)۔

۸۷۔ ملحقہ مرأتِ خیالی، صفحہ۲۸، نمبر(۱۶)۔ آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ'' درج ہے۔

۸۸۔ اصل: ''افتادہ براہ''۔ (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۴۱)۔

۸۹۔ تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۴۲) میں ''نام'' کا لفظ کتابت ہونے سے رہ گیا تھا۔ تصحیح از گلشنِ ناز (صفحہ۳۵)۔

۹۰۔ اصل: ''تمیز اپنے حد''۔ (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۴۲، سطر۶)۔ ''اپنے'' کے نیچے ''ع'' کتابت

کر کے اسے ''اپنی'' پڑھنے کا اشارہ کیا گیا ہے۔

۹۱۔ اصل: ''چہ مردی بود'' ۔(تذکرۃ النساے نادری ،صفحہ ۴۲،سطر ۱۱)۔''مردی'' کے نیچے ''ف'' کتابت کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ موٴلف تذکرہ نے بدایونی کی عبارت نقل کرتے ہوئے ''شاعرانِ دہر'' لکھا ہے، جب کہ بدایونی نے ''صاحبانِ دہر'' تحریر کیا ہے۔

۹۲۔ اصل : ''کہتا ہے'' (گلشنِ ناز ،صفحہ ۳۶؛ تذکرۃ النساے نادری ،صفحہ ۴۴)۔

۹۳۔ پرانے زمانے میں سال، مہینے، ہفتے، دن اور تاریخ وغیرہ سب کے ساتھ ''کو'' استعمال کرنا جائز سمجھا جاتا تھا۔موجودہ اُردو قواعد کے مطابق سال، مہینے، ہفتے کے ساتھ ''میں'' اور دن، تاریخ، وقت کے ساتھ ''کو'' استعمال کیا جاتا ہے۔

۹۴۔ سراپا خیالی میں شامل گلشنِ ناز کے تکملے میں کُل آٹھ شاعرات کے تراجم ہیں (دولت ،شیریں، فاطمہ، فاطمہ، گلشن ،مدینہ، محترم، لااعلم)، جب کہ تذکرۃ النساے نادری میں شامل تکملے میں پچاس شاعرات کے حالات وکلام درج ہے۔

۹۵۔ اصل: ''بادشاہی......تخم'' (تذکرۃ النساے نادری ،صفحہ ۵۵،سطر ۴)۔

۹۶۔ اصل: ''بر روے می زند'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۵۵،سطر ۶)۔

۹۷۔ اصل: ''برخیزد......حجرہ......از بہرہ تو......دل ساختہ ام'' (صفحہ ۵۵،سطر ۱۳)۔

۹۸۔ ''نژاد'' اُردو میں ''ژا'' کے ساتھ ہے اور فارسی نژاد ہے لیکن ''زا'' عربی کے ساتھ بھی اس لفظ کا استعمال جائز سمجھا جاتا تھا۔

۹۹۔ ملحقۂ سراپا خیالی ،صفحہ ۲۸،نمبر (۱۷)۔آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ'' بھی درج ہے۔انوار الاخلاق کے نیچے ''۸/'' اصل میں اس کتاب کی قیمت ہے، جو غالباً نادر کی دکان پر براے فروخت موجود تھی۔

۱۰۰۔ اصل : ''شرمسار تو نیست'' (تذکرۃ النساے نادری ،صفحہ ۵۷،سطر ۱۰)۔

۱۰۱۔ ملحقۂ سراپا خیالی ،صفحہ ۲۸،نمبر (۱۸)۔آخر میں ''۱۲ منہ'' درج ہے۔

۱۰۲۔ ملحقۂ سراپا خیالی ،صفحہ ۲۸،نمبر (۱۹)۔آخر میں ''کما لا یخفی علی النہا'' تحریر ہے۔''قصۂ رامی دوس'' بظاہر کسی فارسی مثنوی کا نام نہیں ہے۔یہ نام کہیں معروف فارسی مثنوی ''ویس ورامین'' کا بگاڑ تو نہیں جو متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

۱۰۳۔ اصل: ''در پیش مرداں'' (تذکرۃ النساے نادری ،صفحہ ۵۹،سطر ۹)۔

۱۰۴۔ اصل: ''بھوپال'' (تذکرۃ النساے نادری ،صفحہ ۶۰، سطر ۲)

۱۰۵۔ اصل: ''چھپی ہیں'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۰)۔ ''چھپی'' کے نیچے ''ف'' کتاب ہوا ہے۔

۱۰۶۔ یہاں ''فاحشہ'' سے مراد فحش کلام کہنے والی سے ہے، نہ کہ فاحشہ بلحاظ کردار۔

۱۰۷۔ اصل: ''عالم بالصلوب'' ۔ (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۰، سطر ۱۴)۔

۱۰۸۔ تذکرۃ النساے نادری (صفحہ ۶۰، ۶۱) میں اس غزل کے مصرعے توڑ کر کتابت کیے گئے ہیں، یوں کہ ایک مصرع توڑ کر آمنے سامنے ایک شعر کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ یہ غزل بحرِ طویل میں ہے اور پیشِ نظر غزل چار شعروں پر مشتمل ہے لیکن تذکرۃ النساے نادری میں اسے یوں کتابت کیا گیا ہے کہ گویا یہ آٹھ اشعار پر مشتمل غزل ہے۔ اس سے یہ ہوا ہے کہ اس غزل کی ردیف (من آنم کہ من دانم) بجاے خود ایک مصرعے کی صورت میں کتابت کی گئی ہے اور پوری غزل میں یہ مصرع پانچ جگہ دُہرایا گیا ہے۔ یہاں ان اشعار کو اُس اصل صورت میں درج کیا گیا ہے جیسے مرأتِ خیالی (صفحہ ۹) میں کتابت ہوئے ہیں۔

۱۰۹۔ اصل: ''بنجارست'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۲، سطر ۱۸)۔

۱۱۰۔ اصل: ''آقابیگہ'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۳، سطر ۶)۔

۱۱۱۔ اصل : ''بیزان'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۳)۔ سیاق وسباق اور وزن کے لحاظ سے ''بیزن'' ہونا چاہیے۔

۱۱۲۔ اصل : ''ہجرت'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۴، سطر ۲)۔

۱۱۳۔ اصل سُرخی: ''نہامی'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۴، سطر ۷، حاشیہ)۔ بظاہر کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۱۱۴۔ اصل: ''شیفتہ'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۴، سطر ۱۳)۔

۱۱۵۔ کتابوں کے ساتھ اعداد کے اندراج کی اصل نادر نے واضح نہیں کی۔ کتابوں کے ساتھ یہ اعداد غالباً اُن کی قیمتوں کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ اس امر کو یقینی بناتے ہیں کہ جن کتابوں کے ساتھ ان قیمتوں کا اندراج ہے، وہ براے فروخت موجود ہیں۔

۱۱۶۔ اصل : ''بیت کزائی'' (مرأتِ خیالی، صفحہ ۱۳؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۷، سطر ۱۱)۔

۱۱۷۔ ملحقہ مرأتِ خیالی، ضمیمہ، صفحہ ۲۸؛ نمبر ۲۰۔ آخر میں ''۱۲ منہ'' بھی درج ہے۔

۱۱۸۔ اصل: ''عمد'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۶۷، سطر ۱۷)۔ یہ کتابت کی غلطی ہے، کیوں کہ مرأتِ خیالی (صفحہ ۱۳) میں یہ لفظ ٹھیک کتابت ہوا ہے۔

۱۱۹۔ اصل: ''ہندوؤں'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۱۳؛ تذکرة النّساے نادری، صفحہ۶۷، سطر۱۹)۔ نادر نے بیش تر ''ہندؤں'' لکھا ہے۔ رک ''ضمیمہ(۳)'' کتاب ہٰذا۔

۱۲۰۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۲۸؛ نمبر(۲۱)۔ آخر میں ''۱۲منہ'' درج ہے۔

۱۲۱۔ اصل : ''جنابہٗ ممدوحہ'' (ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۲۸، سطر۱۸، تحت نمبر۲۲)۔ یہ صریحاً مصنّف کی غلطی لگتی ہے۔

۱۲۲۔ اصل: ''وی ہے'' (ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۲۸، سطر۲۱)۔ ''وی'' سے ۱۳۲۰ کا عدد، جب کہ ''دی'' سے مطلوبہ عدد ۱۳۱۸ حاصل ہوتا ہے۔ ویسے بھی ''وی'' کا یہاں کوئی محلِ استعمال نہیں۔ یہ بظاہر کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۱۲۳۔ اصل : ''بخلدِ ے بریں'' (ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۲۸)۔ ''بخلد ے بریں'' سے ۱۹۰۱ کا پورا عدد برآمد ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ''دال'' کے نیچے کسرۂ اضافت کی ضرورت نہیں لیکن یہاں کسرۂ اضافت بھی موجود ہے۔ کسرۂ اضافت کو قائم رکھنے سے یاے مجہول کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں مادۂ تاریخ کے عدد ۱۹۰۱ سے ''یا'' کے ۱۰ عدد منہا کرنے پڑیں گے اور مادۂ تاریخ سے ۱۸۹۱ کا عدد حاصل ہوگا جو درست نہیں۔ اس کا واضح مطلب یہی ہوا کہ اس مادۂ تاریخ میں کسرۂ اضافت نہیں ہے، بل کہ اس کی جگہ یاے مجہول استعمال کی گئی ہے۔ کسرۂ اضافت بظاہر کتابت کی غلطی ہے جسے پروف خوانی کے وقت نادر درست نہ کر سکے۔

۱۲۴۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۲۸؛ نمبر۲۲۔

۱۲۵۔ اصل : ''واحداوٗ'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۱۵؛ تذکرة النّساے نادری، صفحہ۶۹، سطر۱۷)۔

۱۲۶۔ اصل : ''ذخیم'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۱۵؛ تذکرة النّساے نادری، صفحہ۶۹)۔

۱۲۷۔ ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ۲۸، ۲۹، نمبر۲۳۔ آخری الفاظ اصل میں یہ ہیں: ''دکھائی گئی ہیں۔ ۱۲منہ عفی اللہ عنہ۔'' ضمیمہ کے مطابق اس عبارت کو شعر سے قبل اضافہ کیا جانا تھا لیکن سیاق و سباق کے اعتبار سے یہ اسی جگہ آنی چاہیے تھی۔

۱۲۸۔ اصل: ''تیری عالی نسبی'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۱۶؛ تذکرة النّساے نادری، صفحہ۷۱)۔ وزن کے مطابق درست کیا گیا۔

۱۲۹۔ اصل : صلے علی صلے علی (مرأتِ خیالی، صفحہ۱۶)؛ صلی علی صلی علی (تذکرة النّساے نادری، صفحہ ۷۱)۔ وزن کے لیے ''صلِ علی صلِ علی'' ہونا چاہیے۔ باقی مآخذ میں بھی یہی ہے۔

۱۳۰۔ اصل: ''ہے ترے ہی'' (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۱، سطر۱۷)۔

۱۳۱۔ ''بے باکانہ'' پر ''ن'' کا نشان دے کر حاشیے میں ''گستاخانہ'' تحریر ہے (مرآتِ خیالی، صفحہ۱۸؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۳)

۱۳۲۔ ایک اُمراؤ جان وہ تھی جسے سامنے رکھ کر مرزا محمد ہادی رسوؔا نے اپنا یادگار ناول اُمراؤ جان اداؔ لکھا؟ نادر دہلوی اور رسوؔا کی اُمراؤ میں علی بخش اور شاہد بازاری کی نسبتیں اگرچہ مشترک ہیں لیکن نادر نے اس کا تخلّص امراؔؤ لکھا ہے، جب کہ ناول کی اُمراؤ جان کا تخلّص اداؔ تھا۔ دوسرے، نادر نے اُمراؤ جان اُمراؤ کا ذکر ''چمن انداز'' میں کیا ہے جو ۱۸۷۸ء میں مکمل ہوا، جب کہ مرزا سودا کے ناول کی اُمراؤ غدر تک چالیس پینتالیس سال کی ہو چکی تھی۔ تیسرے، ناول والی اُمراؤ کا تعلق لکھنؤ سے تھا، جب کہ ''چمن انداز'' کی امراؤ دہلوی ہے۔ گویا یہ کوئی اور اُمراؤ جان ہے، رسوؔا والی اداؔ نہیں۔

۱۳۳۔ اصل : ''میرے منہ سے'' (مرآتِ خیالی، صفحہ۱۸؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۳)۔

۱۳۴۔ یہاں ''ہنساتا'' کی نونِ غنّہ گرائی گئی ہے۔ ''ہساتا'' بروزن مفاعی۔

۱۳۵۔ اصل: ''نئی جوبن'' (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۴، سطر۱۹)۔ ''نئی'' کے نیچے ''ف'' لکھا گیا ہے، یعنی اسے ''نئے'' پڑھا جائے۔

۱۳۶۔ ملحقۂ مرآتِ خیالی، صفحہ۲۹، نمبر۲۳۔ آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ۔ محررہ جنوری سنہ ۱۹۰۰ء'' بھی درج ہے۔

۱۳۷۔ اصل: ''کی میرے'' (مرآتِ خیالی، صفحہ۲۰؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۵)۔ ''میرے'' سے ویسے بھی مصرع بے وزن ہو جاتا ہے۔

۱۳۸۔ یہاں التباس پیدا ہو سکتا ہے۔ مصنف نے واضح نہیں کیا کہ ۱۲۸۵ کا عدد ''برگل غالبؔ'' اور ''برگل غالبؔ'': دونوں سے علاحدہ علاحدہ حاصل ہوتا ہے۔ دونوں کے مجموعے سے تو ۲۵۷۰ کا عدد برآمد ہوتا ہے۔

۱۳۹۔ اس تاریخ میں تعمیہ ہے۔ ''غالبؔ بے مثال، آہ! بمرد'' سے ۱۸۶۸ کا عدد حاصل ہوتا ہے، اس میں 'سر افسوس'، یعنی ''افسوس'' کے سر حرف الف کا ایک عدد ملانے سے ۱۸۶۹ کا عدد پورا ہوتا ہے، جو غالبؔ کا عیسوی سنہ وفات ہے۔

۱۴۰۔ اصل : ''تیرے'' (مرآتِ خیالی، صفحہ۲۰؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۶)۔

۱۴۱۔ اصل : ''جواناں مرگ'' (مرآتِ خیالی، صفحہ۲۰؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۶)۔

۱۴۲۔ ''لڑاؤں ذرہ'' (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۶، سطر۸)۔ اصل میں ''ذرا'' ہی تھا لیکن غلط نامے میں اس کی جگہ ''ذرہ'' کر دیا گیا۔

۱۴۳۔ ''لو'' پر حاشیے کا نشان بنا کر حاشیے میں ''اب'' تحریر کیا ہے (مرأتِ خیالی، صفحہ۲۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۶)، گویا تصحیح شدہ مصرعے کی صورت یہ ہوگی:

اب کہتے ہو کیا تم نے ہمیں مار تو رکھا؟

۱۴۴۔ ''ہم نے'' پر حاشیے کا نشان بنا کر حاشیے میں ''اور شبِ وصل نہیں کی'' درج ہے (مرأتِ خیالی، صفحہ۲۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۶)، گویا اس صورت میں مصرعے کی قرأت یوں ہوگی:

کچھ بے ادبی اور شبِ وصل نہیں کی

۱۴۵۔ اصل: ''تیری'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۲۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۶)۔ وزن کے مطابق ''تری'' درست ہے۔ علاوہ ازیں ''تیری'' پر حاشیے کا نشان بنا کر اندرونی حاشیے میں ''کہ اُس نے میری جانب'' تحریر کیا گیا ہے (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۷۶)۔ اس صورت میں مصرعے کی صورت یوں بنے گی: اتنا بھی غنیمت ہے کہ اُس نے میری جانب

یہاں بھی وزن کے لیے ''مری جانب'' چاہیے۔

۱۴۶۔ اصل: ''ایک بہار'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۲۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۷۶)، لیکن وزن کے لیے یہاں ''اک'' ہونا چاہیے۔

۱۴۷۔ سید احمد دہلوی نے اصل لفظ ''دوبھر'' کے تحت لکھا ہے کہ ''دوبر'' بھی استعمال ہوتا ہے، اور سند میں بیگم کا یہی شعر درج کیا ہے (فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ۲۷۸، ۲۷۹)۔

۱۴۸۔ اصل: ''میری کنگھی'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۲۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۷۷)۔ وزن کے مطابق ''مری'' چاہیے۔

۱۴۹۔ تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۷۷) میں ''(روایت...)'' اور ''(قاری و تاگری ... صاحبِ دیوان)'' کی عبارت قوسین کے اندر درج کی گئی ہے۔

۱۵۰۔ مراد امیر مینائی کے تذکرے انتخابِ یادگار سے ہے، جو رام پور میں لکھا گیا اور وہیں سے شائع ہوا۔

۱۵۱۔ بہار سے مُراد ہے فصیح الدّین رنجؔ میرٹھی کا تذکرہ بہارستانِ ناز۔

۱۵۲۔ نغمۂ عندلیب، باطنؔ کے تذکرۂ گلستانِ بے خزاں کا تاریخی نام ہے۔

۱۵۳۔ اس پورے مصرعے سے ۱۲۸۸ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔ اس میں ''داب'' کی دال کے ۴ عدد شامل کرنے

سے مطلوبہ سنہ کا عدد ۱۲۹۲ بر آمد ہوتا ہے۔

۱۵۴۔ تذکرۃ النساے نادری (صفحہ ۷۹) میں یہ عبارت اِس طرح درج ہے کہ اِس کے شعر ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ دوسرے، نادر نے عبارت نقل کرنے میں بھی ذمّے داری کا مظاہرہ نہیں کیا اور دو فاش غلطیاں کردیں۔ گلستانِ بے خزاں (صفحہ ۵۰) میں تصویرؔ کے ترجمے کا متن یہ ہے:

''۲۵۔ تصویر تخلّص، لا اعلم، ایک عورت کہ شکل حال اُن کی ہنگامِ نظارہ پردہ پوش، مصورِ طبع صفحہ خیال پر حیرت سے ہم دوش؛ تفتیشِ حال میں جو باصورتِ آئینہ تصویرِ حیراں، ادراک خیال میں مستغنص مثالِ زُلفِ پریشاں؛ شعر کے مضمون پر دِل کھنچا جاتا ہے، غور کیجیے تو چہرے کا رنگ اُترا جاتا ہے''۔

۱۵۵۔ اصل: ''ترے مژگاں'' (مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۳؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۷۹)۔ ''مژگاں'' مونث ہے، اس لیے یہاں تری ہونا چاہیے۔ دیگر مآخذ میں بھی ''تری'' ہی ہے۔

۱۵۶۔ اصل: ''زاہدہ''۔ (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۷۹)۔ یہاں اسم ''زاہدہ'' کا محل نہیں، بل کہ اسمِ ضمیر ''زاہد'' سے اسمِ ندا ''زاہدا'' کا محل ہے۔ مرأتِ خیالی (صفحہ ۲۳) میں صحیح کتابت ہوا ہے۔

۱۵۷۔ اصل: ''تج کو تیرا'' (مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۶؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۸۱)۔ ''تیرا'' وزن میں نہیں ہے۔

۱۵۸۔ یہ اُردو زبان و ادب کی ثقافت کا ایک پہلو ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کے بعض اربابِ علم آج بھی دکن کی لسانی اور ادبی خدمات کا اعتراف نہیں کرتے۔ نادر کے دور میں تو یہ خیال شدّت کے ساتھ رائج تھا کہ دہلی اور لکھنؤ کی زبان ہی اصل اُردو ہے، جب کہ قدیم دکنی زبان اور اس کے ادب پاروں، حتّٰی کہ ولی تک کی خدمات زبان و ادب کو خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا۔

۱۵۹۔ اس غلط فہمی سے متعلق تفصیل کے لیے رجوع کیجیے حاشیہ ۲۳۔

۱۶۰۔ یہاں ''موجدِ شعرِ اُردو'' سے مراد یہ نہیں کہ اُردو میں شعر کہنا ولی نے شروع کیا، بل کہ یہ بیان بھی اُسی خیال کی نمائندگی کرتا ہے جس کی نشان دہی اور وضاحت حاشیہ ۲۳ میں کی گئی ہے۔

۱۶۱۔ طبقات الشعرا فارسی زبان میں اُردو شعرا کا تذکرا ہے اور قدرت اللہ شوقؔ نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آخری دہوں میں لکھا۔ یہ نادر کے زمانے تک غیر مطبوعہ تھا اور اس کے قلمی نسخے بھی بہت کم تھے۔ یقینی طور پر نادر نے یہ تذکرہ استعمال نہیں کیا، کیوں کہ:

(۱) اُنھوں نے چنداؔ کے دیوان نذر کرنے کا سال ۱۷۹۹ء لکھا ہے، جب کہ اس سے کہیں پہلے ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۴ء میں تذکرہ طبقات الشعرا لکھا جاچکا تھا (تالیف مابین ۱۱۸۹ھ تا ۱۲۱۰ھ مطابق

۱۷۷۵ءتا۱۷۹۵ء) [تذکرہ طبقات الشعرا، مقدمہ صفحہ ۴۳، ۵۶]۔

(ب) طبقات الشعرا میں چنداؔ کا ذکر تک نہیں ہے۔

ان دو شواہد سے ثابت ہوا کہ نادرؔ نے تذکرۃ طبقات الشعرا نہیں دیکھا، بل کہ اسی سے ملتے جلتے نام کے دوسرے تذکرے طبقاتِ شعراے ہند سے استفادہ کیا ہے، کیوں کہ:

(ج) دیوان نذر کرنے، پان سو ملازمین، گھڑ سواری و تیر اندازی، پہلوانی و چابک سواری، مدح طرازی پر انعامات، وغیرہ کے بیانات طبقاتِ شعراے ہند میں موجود ہیں [طبقاتِ شعراے ہند، صفحہ ۳۲۷]۔

یہ طے ہونے کے بعد کہ نادرؔ نے تذکرہ طبقات الشعرا سے نہیں، بل کہ طبقاتِ شعراے ہند سے استفادہ کیا ہے، جو اُنھی کے ہم وطن اور دہلی کالج کے نام ور ادیب مولوی کریم الدین نے تحریر کیا تھا، تو حیرت ہوتی ہے کہ مولوی کریم الدین سے مکانی اور زمانی قرب کے باوجود نادر نے تذکرے کا نام صحیح کیوں نہیں لکھا! اسے اُن کی سہل انگاری قرار دینا چاہیے۔

۱۶۲۔ اس سے مراد انڈیا آفس لائبریری، لندن ہے۔ چنداؔ کے دیوان کا قلمی نسخہ یہیں محفوظ ہے۔

۱۶۳۔ یہ سب باتیں من گھڑت ہیں اور تحقیق سے سب غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ دیکھیے دیوان مہ لقا بائی چنداؔ کا مقدمہ، از شفقت رضوی۔

۱۶۴۔ ''چھوٹے صاحب'' بظاہر مردانہ نام لگتا ہے۔ اسی لیے رنگ میر ٹھی نے اسے ''چھوٹی صاحب'' لکھا ہے (بہارستانِ ناز، صفحہ ۱۲۸)۔ تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۴۷) میں آسیؔ نے ''چھوٹے صاحب'' ہی لکھا ہے اور یہی درست بھی معلوم ہوتا ہے۔ آسیؔ الدنی کی زندگی کا بیش تر حصّہ لکھنؤ میں گزرا، اس لیے وہ لکھنؤ کی روایت اور وہاں ناموں کی اصلیت سے نسبتاً زیادہ واقف تھے۔ اُن کا ''چھوٹے صاحب'' لکھنا واضح کرتا ہے کہ اس لکھنوی شاعرہ کو لکھنؤ میں اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔ اسی لیے نادرؔ اور آسیؔ کے اندراج کو ترجیح دی گئی ہے۔

۱۶۵۔ اصل: ''ہاپور'' (مراتِ خیالی، صفحہ ۲۹؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۸۵)۔ معروف نام ''ہاپوڑ'' یا ''ہاپڑ'' ہی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پرانے زمانے میں دلّی والے اسے ''ڑا'' کے بجاے ''را'' سے ''ہاپور'' یا ''ہاپر'' بولتے ہوں۔

۱۶۶۔ ملحقۂ مراتِ خیالی، صفحہ ۲۹؛ نمبر ۲۵۔ آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ'' درج ہے۔

۱۶۷۔ حعلق ''حواشیِ مصنّف'' ۔ اصل ''سروی'' (ملحقۂ مراتِ خیالی، صفحہ ۲۹، سطر ۱۲)۔ بظاہر کتابت کی

غلطی لگتی ہے۔ نادر نے یہ نام نتائج المعانی سے نقل کیا ہے، وہاں "سروری" لکھا گیا ہے [نتائج المعانی، صفحہ ۳۶، ۳۷]۔

۱۶۸۔ ملحق "حواشیِ مصنّف" ۔ ملحقۂ مراٰتِ خیالی، صفحہ ۲۹؛ نمبر ۲۶۔

۱۶۹۔ اصل: "دل میں ایک" (مراٰتِ خیالی، صفحہ ۳۳؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۸۸)۔ "ایک" سے وزن پورا نہیں ہوتا، یہاں "اک" چاہیے۔

۱۷۰۔ اصل: "آنسون"۔ (مراٰتِ خیالی، صفحہ ۳۳؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۸۸) لگتا ہے جمع کا "و" کتابت ہونے سے رہ گیا ہے۔

۱۷۱۔ اصل: "سامع خراشی" (مراٰتِ خیالی، صفحہ ۳۴؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۸۹)۔

۱۷۲۔ اصل: "مانع نہ تھا (مراٰتِ خیالی، صفحہ ۳۴؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۸۹)۔" "نہ" کا شوشا موجود ہے لیکن نقطہ نہیں ہے۔

۱۷۳۔ مراٰتِ خیالی (صفحہ ۳۵) میں یہ شعر حاشیے میں درج ہے اور نشان بنا کر متن میں پہلے شعر کے بعد اس کا مقام دکھایا گیا ہے۔

۱۷۴۔ شعر ۴ پر حاشیے کا نشان و نمبر "۲" دے کر متن ہی میں دُلھن کے ترجمے کے آخر میں یہ عبارت درج کر دی گئی ہے۔ چوں کہ مصنّف نے اسے متن میں جگہ دی ہے، اس لیے حواشی کے بجاے یہ عبارت متن ہی میں رکھنی مناسب جانی گئی۔ اسی کی مناسبت سے حاشیے کے نمبر کے بجاے ستارے کا نشان دے کر متعلقہ مقام کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

۱۷۵۔ یہ عبارت صرف تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ ۹۱) میں ہے۔ متن میں پہلے شعر میں "جھکاوے"، جب کہ دوسرے شعر میں "جگہ پائے"، "چلے جائے" ہے جنھیں درست کر دیا گیا ہے۔

۱۷۶۔ ملحقۂ مراٰتِ خیالی، صفحہ ۲۹، نمبر ۲۷۔ آخر میں "۱۲ منہ عفی اللہ عنہ" بھی درج ہے۔ اس تاریخی قطعے کے آخری مصرعے میں "چراغِ اُنس" سے ۱۳۱۵ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔ اس میں "ہوس" کی "ہ" کے پانچ عدد تعمیہ کرنے سے مطلوبہ سنہ کا عدد ۱۳۲۰ بنتا ہے۔

۱۷۷۔ اصل: "آئینہ" (مراٰتِ خیالی، صفحہ ۳۸؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۹۴)۔ وزن میں "آئنہ" آتا ہے۔

۱۷۸۔ تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ ۹۴) میں یہ عبارت قوسین میں درج ہے: "(جو شاگردِ جناب...... فارسی تھے)"۔

۱۷۹۔ اصل: "اشک گرم ہرگز" (مراٰتِ خیالی، صفحہ ۳۹؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۹۵)۔ "گرم" سے مصرع

بے وزن ہو جاتا ہے۔ تصحیح قیاسی۔

۱۸۰۔ اصل: "بیروں کردہ اند" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۹۶، سطر ۸)۔ وزن میں "بروں" آتا ہے۔

۱۸۱۔ اصل: "فسق وفجور" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۹۶، سطر ۱۹)۔ "ف" کا نقطہ رہ گیا ہے۔

۱۸۲۔ اصل: "ایزد جلال؟" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۹۶، سطر آخری)۔

۱۸۳۔ یہ حاشیہ صرف مرأتِ خیالی (صفحہ ۴۰) پر درج ہے۔ اس کا نشان متن میں کہیں نہیں لگایا گیا۔ اس سے واضح نہیں ہوتا کہ یہ حاشیہ کس شخص سے متعلق ہے۔ اس صفحے (مرأتِ خیالی، صفحہ ۴۰) پر جن افراد کا ذکر آیا ہے، قرائن سے یہ حاشیہ ان میں سے درج ذیل تین اشخاص سے متعلق ہو سکتا ہے:

(۱) محمد میرزا خاں صاحب اشرف الاخبار، دہلی۔

(۲) منشی حبیب الدین سوزاں۔

(۳) نور محمد خاں عطارد۔

رسالہ تاثیر القلوب سے متعلق بھی کوئی معلومات نہیں مل سکیں، ورنہ اشارہ شدہ شخصیت کی نشان دہی میں آسانی ہو جاتی۔ اس حاشیے کی شخصیت سے متعلق مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

۱۸۴۔ اصل: "ہوا آئینہ" (مرأتِ خیالی، صفحہ ۴۱؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۹۸)۔ وزن کے مطابق "آئنہ" چاہیے۔ "آئینہ" کی "یا" گرا کر بھی وزن پورا کیا جا سکتا ہے لیکن چوں کہ "آئینہ" کی "یا" کھینچ کر بولی جاتی ہے اور اپنی پوری آواز دیتی ہے، اس لیے اس کا گرانا معیوب سمجھا جاتا ہے؛ چناں چہ "آئینہ" پر "آئنہ" کو ترجیح دی گئی ہے۔ نادر نے یا کاتب نے اور جگہوں پر بھی "آئنہ" کے بجاے "آئینہ" لکھا ہے۔

۱۸۵۔ اصل: "سب میرا حال" (مرأتِ خیالی، صفحہ ۴۱؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۹۹)۔ وزن کے مطابق "مرا" آنا چاہیے۔

۱۸۶۔ یہاں "واللہ" بروزنِ فعلان استعمال ہوا ہے (ول + لا + ہ)، جب کہ اس سے اوپر دوسرے شعر میں "واللہ" بروزنِ فعلن استعمال ہوا ہے۔ (ول + لہ)۔

۱۸۷۔ اصل: "شکر کو تیری" (مرأتِ خیالی، صفحہ ۴۱؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۹۹)۔ بظاہر "تیری" قدیم املا کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے جب یاے معروف و مجہول میں تمیز نہیں کی جاتی تھی لیکن نصف کے بعد اس کتاب میں کتابت کے قدیم خواص کم ہوتے گئے ہیں۔ خاص طور پر یاے معروف و مجہول میں فرق قائم ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے کے شعر میں "ہائے" اور اُس سے پہلے کے شعر میں "مینے" اور

"جانے" کو یاے مجہول ہی سے لکھا گیا ہے، جب کہ اسی شعر میں "دی" یاے معروف سے کتابت کیا گیا ہے۔ گویا مصنف یا کاتب — لکھنے یا کتابت کرنے میں یاے معروف و مجہول کو اُن کی اصل اشکال میں لکھ رہا ہے۔ ایسی صورت میں مابعد شعر میں یاے مجہول کو یاے معروف سے لکھنا...... قدیم انداز کتابت کی پیروی قرار دینا مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔

۱۸۹۔ نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ وحسرتی کے فارسی زبان کے تذکرے گلشن بے خار سے مراد ہے۔

۱۸۹۔ اصل: "میرا پھیرلائے" (مراٰتِ خیالی، صفحہ۴۴؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۰۲)۔ وزن کے لیے "مرا" چاہیے۔

۱۹۰۔ تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۰۳، سطر۱) میں ولوائی" کے نیچے "ف" لکھا ہے۔ گویا اسے "ولوائے" پڑھا جائے۔ یہ کتابت کی غلطی لگتی ہے لیکن "بجوائے" کے قافیے میں "ولوائے" ہی آئے گا۔ غالباً نادر نے بھی اسی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے۔

۱۹۱۔ اصل: "خسم" (مراٰتِ خیالی، صفحہ۴۵؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۰۳)۔ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ مزید دیکھیے ضمیمہ تشریحات الفاظ۔

۱۹۲۔ یہاں ملحقۃ مراٰتِ خیالی، صفحہ۲۹، ۳۰، نمبر۲۸ کی عبارت اضافہ ہونی چاہیے تھی لیکن چوں کہ ملحقہ اس عبارت کا مضمون حاشیے سے متعلق تھا، اس لیے اسے متن میں درج کرنے کے بجاے حاشیے میں درج کیا گیا ہے۔

۱۹۳۔ اصل: "میری مشکل" (مراٰتِ خیالی، صفحہ۴۷؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۰۵)۔ وزن کے لیے "مری" چاہیے۔

۱۹۴۔ اصل: "میری منزل" (مراٰتِ خیالی، صفحہ۴۷؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۰۵)۔ وزن کے لیے "مری" چاہیے۔

۱۹۵۔ پہلے اور تیسرے شعر میں ردیف "پہنچا" لیکن دوسرے شعر میں "پہونچا" درج ہے۔ تمام شعروں میں ردیف ایک ہی ہونی چاہیے۔ "پہونچا" کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے "پہنچا" کو ترجیح دی گئی ہے۔

۱۹۶۔ اصل: "طلب میں تیری" (مراٰتِ خیالی، صفحہ۴۹؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۰۸)۔ وزن کے مطابق "تری" چاہیے۔

۱۹۷۔ "ہنس" بروزنِ فع۔ شاعرہ نے نون غنہ حذف کر کے "ہَس" مراد لیا ہے۔

۱۹۸۔ اصل : ''بغیر دیکھے تیرے اب تو نہیں رہتی چشم'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۵۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۰۹)۔ مصرع وزن میں نہیں۔ تصحیح قیاسی کے ذریعے متن درست کیا گیا ہے۔

۱۹۹۔ یہ شعر میر دردؔ کے اس شعر کی نقالی ہے:

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا　　　　تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

[دیوانِ دردؔ (مرتبہ نسیم احمد)، صفحہ۱۱۹]

۲۰۰۔ اصل: ''آئینۂ'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۵۲؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۱۰)۔ وزن میں ''آئنہ'' آتا ہے۔

۲۰۱۔ اصل: ''میرے'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۵۲ : تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۱۰)۔ وزن کے مطابق ''مرے'' ہونا چاہیے۔

۲۰۲۔ اصل: ''قرطہ ادب'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۵۳ : تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۱۱)۔

۲۰۳۔ اصل: ''تیری'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۵۳ : تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۱۱) جو وزن میں نہیں ہے۔

۲۰۴۔ اصل : ''میرا ایمان'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۵۴ : تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۱۲)۔ وزن کے مطابق ''مرا'' چاہیے۔

۲۰۵۔ اصل : ''میری چشم'' (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۱۳)۔

۲۰۶۔ اس کے بعد ''تاریخ گوئی کا بیان'' شروع ہوتا ہے جو ضمیمہ ۶ میں درج ہے۔

۲۰۷۔ ''لاغری ہم'' سے ۱۲۸۶ کا عدد مستخرج ہوتا ہے۔ آخری پورے مصرعے سے بھی ۱۲۸۶ کا عدد ہی فراہم ہوتا ہے لیکن مصنف یا تاریخ گو نے اس جانب کوئی صراحت نہیں کی۔

۲۰۸۔ اصل : ''ایک بار'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۷۰؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۳۰)۔ وزن کے مطابق ''اک'' آئے گا۔

۲۰۹۔ اصل : ''تو یہاں بھی'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۷۱؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۳۱)۔ ''یہاں'' سے وزن گرتا ہے، ''یھاں'' چاہیے۔

۲۱۰۔ اصل : ''ایک ہی'' (مرأتِ خیالی، صفحہ۷۲ ؛ تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ۱۳۲)۔ وزن کے لیے ''اک'' چاہیے۔ باقی مآخذ میں بھی یہی ہے۔

۲۱۱۔ اس غزل کے قافیے کاتب نے درمیانی یا کے بغیر ''شرمائے، جائے، ترسائے، جائے، پھیلائے، ٹھرائے'' لکھے ہیں۔ اس کتاب میں اور جگہوں پر بھی کاتب نے یہی روش اختیار کی ہے۔

۲۱۲۔ مصرع بے وزن۔ ''ضرور'' کی آخری را گرتی ہے، یا پھر ''ضرور'' کو فُعل کے وزن پر پڑھنا پڑے گا۔ اس غزل کا وزن ''فاعلتن فاعلن'' (۲ بار) ہے۔

۲۱۳۔ اصل: ''ہے دستِ اِلہ نام ترا بادشاہ— تیری ہو کر غیر'' (مراۃِ خیالی، صفحہ ۷۷؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۳۴)۔

۲۱۴۔ علی اوسط رشکؔ کی اصل رباعی یہ ہے:

ہے دستِ الٰہ ہاتھ تیرا یا شاہ! اب غیر کے ہاتھ پہ نہ رکھ میری نگاہ
تیرا ہو غلام غیر کا دستِ نگر لاحول ولا قوۃ الّا باللہ

[کلیاتِ رشکؔ (دیوانِ اوّل، نظمِ مبارک)، صفحہ ۳۴۳]

۲۱۵۔ میر علی اوسط رشکؔ (و ۱۸۶۷ء/ ۱۲۸۴ھ) شاگردِ ناسخؔ تھے۔ اُنھوں نے تین دیوان یادگار چھوڑے۔ نظمِ مبارک اُن کا پہلا دیوان ہے جو ۱۸۳۷ء/ ۱۲۵۳ھ میں مکمل ہوا۔ یہ دیوان دوسرے دیوان نظمِ گرامی (تکمیل ۱۸۴۵ء/ ۱۲۶۱ھ) کے ساتھ پہلے اسی سال اور بعد میں دوسری بار ۱۸۴۷ء/ ۱۲۶۳ھ میں شائع ہوا۔ [''مقدمہ'' انتخابِ رشکؔ: از ڈاکٹر محمد انصار اللہ، صفحہ ۸، ۹]۔

۲۱۶۔ ملحقۂ مراۃِ خیالی، صفحہ ۳۰، نمبر ۳۱۔ آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ'' بھی درج ہے۔

۲۱۷۔ اصل: ''تصویرِ جاناں'' (مراۃِ خیالی، ص ۷۷؛ تذکرۃ النساے نادری، ۱۳۷)۔

۲۱۸۔ یہ شعر منشی موجی رام موجیؔ کے اس شعر کی نقالی ہے:

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی

[اُردو کے ضرب المثل اشعار، تحقیق کی روشنی میں، صفحہ ۴۱]

۲۱۹۔ اصل: ''مے خانہ— پیانہ'' (مراۃِ خیالی، ص ۷۷؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۳۷)۔

۲۲۰۔ اصل: ''کیجیارا'' (مراۃِ خیالی، ص ۷۷؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۳۷)۔

۲۲۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاتون کے نام کو لعلن اور پھر لالن، یعنی دو طرح کی املا سے خود مصنف نے لکھا ہے۔ اگر تو لعلن ''لعل'' سے بنا ہے تو درست ہے لیکن معلوم ہوتا ہے یہ لعل (سُرخ قیمتی پتھر) کے بجاے لال (سُرخ رنگ) سے مشتق ہے، ایسی صورت میں لالن دُرست ہونا چاہیے۔

۲۲۲۔ نادرؔ نے مراۃِ خیالی (صفحہ ۴۸) میں میاں قطب الدین لکھا ہے۔ رنجؔ میرٹھی (بہارستانِ ناز، صفحہ ۱۹۸)، صفاؔ (تذکرۂ شمیمِ سخن، صفحہ ۳۵) اور آسیؔ الدنی (تذکرۃ الخواتین، صفحہ ۱۳۶، ۱۴۷) نے بھی نام میاں قطب الدین عرف کالے صاحب ہی لکھا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر مصنف نے

''منتخبہ'' میں وضاحت کی ہے، تحقیق کے بعد انھوں نے پیر صاحب کا نام درست کر دیا، جب کہ باقی تذکرہ نویسوں کے ہاں وہ غلطی باقی رہی۔

۲۲۳۔ ملحقۂ مراٰتِ خیالی، صفحہ۳۰، نمبر۳۲۔ آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہ'' درج ہے۔

۲۲۴۔ اصل: ''پہیلی ہی'' (تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ۱۴۰)۔

۲۲۵۔ سراپا سخن، صفحہ۳۱۷، زیرِ عنوان ''روح''۔ غزل کا متن اصل، یعنی سراپا سخن کے مطابق درست کیا گیا ہے۔

۲۲۶۔ حلقِ حواشیِ مصنف — ملحقۂ مراٰتِ خیالی، صفحہ۳۰، نمبر۳۳۔

۲۲۷۔ اصل: ''گیتیارا'' (مراٰتِ خیالی، صفحہ۸۶؛ تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ۱۳۶)۔

۲۲۸۔ اصل: ''کرم افزاد کرتے ہیں'' (مراٰتِ خیالی، صفحہ۸۶؛ تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ۱۳۶)۔ ''افزاد'' پر حاشیے کا نشان بنا کر حاشیے میں ''ایزاد'' لکھا گیا ہے، گویا ''افزاد'' کی تصحیح ''ایزاد'' سے کی گئی ہے۔ ''عین عنایت'' کو فاعلاتن کے وزن پر پڑھنا پڑے گا۔ ''ع نایت''۔

۲۲۹۔ اصل: ''ہمی نادان'' (مراٰتِ خیالی، صفحہ۸۶؛ تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ۱۳۶)۔ وزن کے مطابق ''ہمی'' چاہیے۔

۲۳۰۔ اصل: ''میری عزت'' (مراٰتِ خیالی، صفحہ۸۷؛ تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ۱۴۷)۔ وزن کے مطابق ''مری'' چاہیے۔

۲۳۱۔ یہاں ''پستئی'' اور ''سُرمئی'' کا محل ہے لیکن یہ دونوں وزن میں نہیں آتے۔ شاعر نے ''پستی'' اور ''سُرمی'' لکھ کر ''پستئی'' اور ''سُرمئی'' کے الفاظ مُراد لیے ہیں۔ قدیم دور میں یہ عام رُجحان تھا۔ املے کے سلسلے میں خاص طور پر یہ عمومی رُجحان دیکھنے میں آتا ہے۔ تذکرۃ النسائے نادری کے مصنف نے بھی تمام کتاب میں املے کی بجائے لفظوں کو ہائے ہوز سے لکھا ہے۔

۲۳۲۔ اصل: ''عقدہ کشائی'' (مراٰتِ خیالی، صفحہ۸۹؛ تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ۱۴۹)۔

۲۳۳۔ اصل: ''دربار بھی'' (مراٰتِ خیالی، صفحہ۸۹؛ تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ۱۴۹)۔ یہ مصنف کی غلطی لگتی ہے، کیوں کہ دونوں ماخذ میں ''دربار'' ہے۔ کاتب کی غلطی ہوتی تو دونوں جگہ نہ ہوتی۔

۲۳۴۔ موجودہ صورت میں شعر بے وزن ہے۔ دونوں مصرعوں کا وزن ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ پہلے مصرعے کی صورت یہ ہو تو شعر باوزن ہو سکتا ہے:

کیوں نہ قرباں ہوں میں جب وہ کہے ہے ناز سے

۲۳۵۔ ''کملائے'' کا صحیح تلفظ ''کھلائے'' ہے۔ امکان ہے کہ خود نادر نے ''کملائے'' لکھا ہو، اس لیے یہاں منشاے مصنف کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس لفظ کی املا کے سلسلے میں بحث کے لیے دیکھیے ''ضمیمہ ۳'' کتاب ہٰذا۔

۲۳۶۔ اصل: ''اگر طالع مرے'' (مرآتِ خیالی، صفحہ ۹۲؛ تذکرۃ النساء نادری، صفحہ ۱۵۲)۔ اسم میں امالہ جائز نہیں۔ یہ کاتب کی اُپج معلوم ہوتی ہے۔

۲۳۷۔ معلوم ہوتا ہے کہ یاسمن کی یہ غزل غالب کے ابتدائی زمانے کی درج ذیل غزل کی زمین میں کہی گئی ہے۔ غالب کے بعض مصرعے تو اس میں بعینہٖ نقل کر لیے گئے ہیں۔ غالب کی یہ غزل دس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا مطلع، مقطع اور حسبِ حال شعر یہ ہیں:

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا دل جگر تشنۂ فریاد آیا
سادگی ہاے تمنا یعنی پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا
زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی کیوں ترا راہ گزر یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ! سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

[دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی)، صفحہ ۱۷۵، ۱۷۶]

حیرت ہے نادر نے اس پر اپنی کوئی رائے نہیں دی۔ دہلوی ہونے کے ناتے وہ اپنے دونوں تذکروں میں غالب کا ذکر بڑے احترام سے کرتے ہیں۔ موجودہ تذکرے میں بھی وہ دہلویت کے وکیل بن کر سامنے آئے ہیں اور شیفتہ کے جواب میں تذکرہ لکھنے پر باطن کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی جہاں دہلویت پر زد پڑتی نظر آتی ہے، نادر وہاں دہلویت کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں، لیکن یہاں غالب کی زمین میں، بل کہ غالب کے رنگ میں ایک غیر معروف شاعرہ کی غزل درج کرتے وقت وہ اس پر تنقید کرنے سے باز رہتے ہیں، اور اس کا بھی بُرا نہیں مانتے کہ اس شاعرہ نے غالب کے بعض مصرعے تک سرقہ کر لیے ہیں۔ کہیں یہ انشا سے عقیدت کا کرشمہ تو نہیں، کیوں کہ اس شاعرہ (یاسمن) کو نادر نے انشا کی کنیزِ خاص لکھا ہے ۔ اور انشا بھی تو دہلوی تھے!

۲۳۸۔ اصل: ''عنبر بیز'' (مرآتِ خیالی، صفحہ ۹۵؛ تذکرۃ النساء نادری، صفحہ ۱۵۵)۔

۲۳۹۔ اصل ترکیب ''صلاے عام'' ہے، ''صلاحِ عام'' بظاہر کتابت کی غلطی لگتی ہے لیکن یہ اختیارِ مصنف بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اسے برقرار رکھا گیا ہے۔

۲۳۰۔ اصل ترکیب ''یک قلم'' ہے۔ یہاں بھی کتابت کی غلطی کا احتمال ہے لیکن یہ اختیارِ مصنف بھی ہوسکتا ہے۔

۲۳۱۔ گلدستۂ نتیجۂ سخن، ماہانہ گلدستہ تھا جو کلکتہ سے فروری ۱۸۸۲ء میں جاری ہوا۔ اس گلدستے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں شاعرات کا اُردو کلام الگ عنوانات کے تحت چھاپا جاتا تھا۔ پردہ دار اور گھریلو خواتین اور طوائف شاعرات کے لیے علاحدہ گوشے مختص تھے۔ اس کے علاوہ اس گلدستے میں امرا و رؤسا کے حالات اور مٹیا برج سے متعلق شعرا کا کلام بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ اس کے مدیر و مالک خواجہ محمد وزیر وزیر تھے جن کا تعلق مٹیا برج، کلکتہ ہی سے تھا۔ یہ گلدستہ رحمن پریس، کلکتہ میں طبع ہوتا تھا۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیے:

(۱) ''نتیجۂ سخن، بنگال کا ایک قدیم گلدستہ'' (مضمون)، از مختار الدین احمد آرزو۔

(۲) اُنیسویں صدی میں اُردو گلدستے۔ تاریخ و تحقیق، از رفاقت علی شاہد۔

۲۳۲۔ نادر نے اس ضمیمے میں ادا اور مزیب کا کلام گلدستۂ نتیجۂ سخن کے بارھویں شمارے، بابت جنوری ۱۸۸۳ء سے نقل کیا ہے۔ افسوس! یہ شمارہ دست یاب نہ ہوسکا۔ اسی طرح نادر نے ضمیمے میں پری، حور، خورشید، زیب، شباب، شوخ، شیریں، گوہر، معشوق اور نازاں کا کلام گلدستے کے پہلے شمارے بابت فروری ۱۸۸۲ء سے نقل کیا ہے۔ یہ شمارہ بھی کوشش بسیار کے باوجود دست یاب نہ ہوسکا۔

ان کے علاوہ نادر نے امیر، حنا، حیا اور مطلوب کا کلام گلدستے کے نویں شمارے بابت اکتوبر ۱۸۸۲ء سے ـــــ پکھراج، پیاری، حسین، قاتل، مخمور، مہک اور ہنر کا نمونۂ کلام پانچویں شمارے بابت جون ۱۸۸۲ء سے ـــــ جعفری کا کلام گیارھویں شمارے بابت دسمبر ۱۸۸۲ء سے اور ضیا کا کلام چودھویں شمارے بابت مارچ ۱۸۸۳ء سے حاصل کیا ہے۔ یہ شمارے میرے پیشِ نظر ہیں۔ ان شماروں کی مدد سے اشعار کی تصحیح کردی گئی ہے، جب کہ اختلافاتِ نسخ کی نشان دہی بھی کردی گئی ہے۔

۲۳۳۔ ''لائے'' کے نیچے خفی قلم سے ''ع'' کا نشان بنا کر یہ بتایا گیا ہے کہ اسے ''لائی'' پڑھا جائے۔

۲۳۴۔ اصل: ''میر ارنگ'' (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۶۵)۔ وزن کے مطابق ''مرا'' چاہیے۔

۲۳۵۔ ''ہوئے'' کے نیچے بھی خفی قلم سے ''ع'' کا نشان بنایا گیا ہے (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۶۵)۔ گویا اسے ''ہوئی'' پڑھا جائے۔

۲۳۶۔ دوسرے مصرعے میں کاتب نے ''ہی'' اور ''تری'' کے نیچے خفی قلم سے ''ف'' بنایا ہے (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۶۵)۔ یہ گویا اس امر کی نشان دہی کے لیے بنایا گیا ہے کہ ان الفاظ کو ''ہے'' اور ''ترے'' پڑھا جائے۔

۲۴۷۔ اصل: ''دربار پر ہمکو'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۶۶)، لیکن ''پر'' سے وزن ٹھیک نہیں رہتا، ''پہ'' چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔

۲۴۸۔ ممکن ہے نام سارہ (Sarah) ہو۔ پرانے دور میں انگریزی نام کے ہجے آج سے مختلف کرتے تھے، اس لیے Sarah کو ''سارہ'' کے بجائے ''سیرہ'' (سے رہ) پڑھنا ممکن ہے۔

۲۴۹۔ اصل: ''بروڈہ'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۶۶)۔ انگریزی میں نام (Baroda) کو ''بروڈہ'' بھی پڑھا جا سکتا ہے لیکن مستند کتبِ تواریخ میں اس ریاست کا نام ''بڑودہ'' ہی لکھا ہے۔ رک تاریخ دربارِ تاج پوشی، صفحات ۸، ۸۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۳۱۹، ۳۳۱، ۵۱۲، ۵۲۱؛ تاریخ دربارِ دہلی، صفحہ۱۳۹۔

۲۵۰۔ اصل: ''فرازانہ مزاج'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۶۶)۔ ''فرازانہ'' صریحاً کتابت کی غلطی ہے۔ ویسے بھی وزن میں ''فرزانہ'' ہی آتا ہے، ''فرازانہ'' نہیں۔

۲۵۱۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نام ''چندر مکھی'' ہو۔ ممکن ہے نغمۂ دل کش میں کتابت کی غلطی سے ''چندر سکھی'' ہو گیا ہو، کیوں کہ ''چندر سکھی'' کا مطلب واضح نہیں، جب کہ اس کے مقابلے میں ''چندر مکھی'' با معنی نام ہے۔

۲۵۲۔ تذکرۃ النساے نادری (صفحہ۱۶۷) میں متن میں ''سردار'' کو خط کشیدہ کر کے اوپر حاشیے کا نشان ''۶'' ڈالا گیا ہے اور آگے چار نقطے ڈالے گئے ہیں لیکن حاشیے میں اس سے متعلق کوئی عبارت موجود نہیں۔

۲۵۳۔ اوورسیر (Overseer): نگرانِ کار۔

۲۵۴۔ اصل: ''جی ت جی'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۶۹)۔

۲۵۵۔ اس تاریخ میں تعمیہ ہے۔ ''سرِ بنکا''، یعنی ''بنکا'' کے سر ''ب'' کے ۲ عدد اگلے مصرعے کے عدد ۱۸۷۷ میں جمع کرنے سے مطلوبہ عدد ۱۸۷۹ حاصل ہوتا ہے۔

۲۵۶۔ اصل: ''جاںثار'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۷۲)۔

۲۵۷۔ اصل: ''نہوڑائے'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ۱۷۳)۔ اصل لفظ ''نیہوڑائے'' ہے لیکن اس کا ایک املا ''نہوڑائے'' بھی ہے اور یہاں یہی صورت اور املا وزن میں ہے۔

۲۵۸۔ اصل: ''نتیجہ گلدستہ سخن'' (صفحہ۱۷۳، سطر۱۹)، جو صریحاً کتابت کی غلطی ہے۔

۲۵۹۔ اصل: ''مزا'' (گلدستۂ نتیجۂ سخن، اکتوبر ۱۸۸۲، صفحہ۳۱؛ تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۷۳)۔ ضرورتِ شعری کے لیے ''مزا'' کا استعمال لغت نگاروں نے روا رکھنا بیان کیا ہے، لیکن یہاں کوئی ضرورتِ شعری نظر نہیں آتی، اس لیے اس کی جگہ درست املے ''مزہ'' کو ترجیح دی گئی ہے۔

۲۶۰۔ غالباً مسٹر بلاک ایئر کی بیٹی۔

۲۶۱۔ یہاں بھی "کی فیض کی" میں "کی" کے نیچے "ف" لکھا گیا ہے، گویا اس لفظ کو "کے" پڑھنا چاہیے۔

۲۶۲۔ اصل: "میرے پاس" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۷۵)۔ وزن کے مطابق "مرے" چاہیے۔

۲۶۳۔ اصل: "کر کے یہ ملائیگے" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۷۵)۔ "یہ" وزن میں نہیں آتا اور اگلا لفظ "ملائیں گے" یا "ملادیں گے" ہونا چاہیے۔ بظاہر "ملائیں گے" ہی لگتا ہے۔

۲۶۴۔ متن میں "ریل" پر حاشیے کا نشان دیا گیا ہے لیکن حاشیے کی متعلقہ عبارت متن ہی میں درج کردی گئی ہے جسے حواشیِ مصنف کے تحت نقل کردیا گیا ہے۔

۲۶۵۔ حضرت عائشہؓ کے ذکر سے قبل صفحہ ۳ کے حاشیے میں "تاژ روت" نامی ہندنی اور ملحقۂ مرأتِ خیالی میں "گوگل بائی" نامی ہندنی کا ذکر ہے۔ آخرالذکر راجا مان سنگھ کی خسر پورہ کی رانی بیان کی گئی ہے (رک: ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۳، نمبر ۲)

۲۶۶۔ زلیخا سے قبل ملحقۂ مرأتِ خیالی میں ایک پارسی خاتون "گل بائی ڈاکٹرنی" کا ذکر وکیلِ ہند، دہلی کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ (ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۳، نمبر ۳)

۲۶۷۔ اصل: "آمنہ" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۸۶، کالم اوّل، سطر ۱۶)۔ معلوم ہوتا ہے کہ فہرست بناتے وقت "اُمیہ" کو "آمنہ" لکھنے کی غلطی مصنف سے ہوئی ہے۔

۲۶۸۔ نور جہاں سے قبل ملحقۂ مرأتِ خیالی میں ترکی کی تین اعلا تعلیم یافتہ خواتین کا ذکر محبوب عالم کی کتاب کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ ان میں پری شیخ خانم اور محمد علی پاشا کی "دو لیڈیاں سیکریٹری" شامل ہیں (رک: ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۴، نمبر ۴)

۲۶۹۔ "بگیا" سے قبل ملحقۂ مرأتِ خیالی میں راجا اشوک کی بیٹی "سنگرمتی" کا تذکرہ درج کیا گیا ہے۔ (ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۵، نمبر ۶)۔

۲۷۰۔ "اہلیا بائی" کے بعد ملحقۂ مرأتِ خیالی میں ۶ فاضلہ ہندنیوں: ناجی بدھ نگری (بنارس)، راما بائی لکچرار دکنی، دہلی کی بال بدھوا، ڈاکٹر آنندی بائی جوشی، بی اے پاس دو برہمنیوں...... کا ذکر اضافہ کیا گیا ہے۔ (رک: ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۵، ۲۶: نمبر ۸)

۲۷۱۔ شمار کے مطابق گلشنِ ناز کی کُل ۵۴ شاعرات اس فہرست میں شامل ہیں۔

۲۷۲۔ کیا "بادشاہ خاتون" تخلّص ہے؟

۲۷۳۔ اصل: "پرتوی" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۸۶، کالم ۲، سطر ۲۵)، لیکن متن میں "پرتوئی" درج ہے (ایضاً، صفحہ ۴۲)۔ اس کے علاوہ بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۱۶) میں بھی تخلّص "پرتوئی" ہی لکھا

ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مصنف سے "پرتوئی" کی یائے معروف پر ہمزہ لگانے سے رہ گیا ہے۔

۲۷۴۔ "جہاں خاتون" نام ہے، تخلص نہیں۔ دیکھیے گلشنِ ناز میں تذکرۂ جہاں خاتون۔

۲۷۵۔ خان زادی کے تذکرے میں اس کا نہیں، بل کہ اس کی بہن کا نام فخر النسا لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اسے تبریزی کے علاوہ ترمذی بھی لکھا گیا ہے۔ دیکھیے متنِ گلشنِ ناز میں تذکرۂ خان زادی۔

۲۷۶۔ مصنف نے "آقا دوست" تخلص کا ذکر دوستی کے تذکرے میں نہیں کیا۔ دیکھیے گلشنِ ناز میں دوستی کا تذکرہ۔

۲۷۷۔ "لالہ خاتون" بھی نام ہے، تخلص نہیں۔ دیکھیے گلشنِ ناز میں لالہ خاتون کا ذکر۔

۲۷۸۔ متن میں نام "قمرجان" تحریر ہے جو غلط ہے۔ صحیح نام قمرن جان ہی ہے۔

۲۷۹۔ تذکرے میں اس کے مسکن کی جانب کوئی اشارہ نہیں کیا گیا۔ دیکھیے گلشنِ ناز میں نہائی متذکرہ کا بیان۔

۲۸۰۔ اس کا تذکرہ علاحدہ سے درج نہیں، بل کہ ہمدمی کے ذکر میں ہی ایک واقعہ تحریر کر کے اس کے اشعار لکھ دیے ہیں۔ اسی لیے اسے گلشنِ ناز کی باقاعدہ مذکورہ شاعرات میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس فہرست کے عنوان میں ۵۳ شاعرات کی فہرست بنانا بیان کیا گیا ہے، جب کہ اس ترسانچی کو فہرست میں شامل کر کے یہ تعداد بڑھ کر ۵۴ ہو گئی ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کا تذکرہ علاحدہ شاعرہ کے طور پر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فہرست بناتے وقت مصنف نے اسے علاحدہ شاعرہ کے طور پر فہرست میں اس لیے داخل کر دیا کہ اس طرح گلشنِ ناز کی مشمولہ شاعرات کی تعداد میں ایک کا اضافہ ہو جائے گا۔

۲۸۱۔ یہ بھی کوئی مستقل شاعرہ نہیں، بل کہ ایک واقعے یا لطیفے کی بنیاد پر نادر نے اسے بھی شاعرات میں شمار کر کے اپنے تذکرے کی تعداد شاعرات میں اضافہ کیا ہے۔

۲۸۲۔ متنِ تذکرہ میں نہ تو بانو بیگم کے تخلص بانو کا ذکر ہے اور نہ اس کے مسکن دہلی کا۔

۲۸۳۔ متن میں "پری بیگہ" ہے۔ دیکھیے متنِ ضمیمۂ گلشنِ ناز میں ذکرِ پری۔ نیز دیکھیے ضمیمہ تشریحات الفاظ۔

۲۸۴۔ جاناں بیگم بظاہر نام ہے، تخلص نہیں۔

۲۸۵۔ دولت کے تذکرے میں اس کا نام "بی بی دولت" اور اسے نابینا لکھا ہے۔ دیکھیے ضمیمۂ گلشنِ ناز میں تذکرۂ دولت۔

۲۸۶۔ گلشنِ ناز میں زہرہ کے تذکرے میں اس کا نام اور عرفیت تحریر نہیں، البتہ "چمن انداز" میں دونوں کا اندراج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے وہیں سے لے کر زہرہ کا نام و عرفیت یہاں درج کی ہے۔

۲۸۷۔ اصل: "اصفیان" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۸۸، کالم ا، سطر ۲۱)۔ یہ صریحاً کتابت کی غلطی ہے۔

۲۸۸۔ مدینہ کے ذکر میں اسے مغلانی لکھا ہے لیکن دکن سے اس کے تعلق کی جانب کوئی اشارہ نہیں کیا گیا۔ دیکھیے ضمیمہ گلشنِ ناز میں ذکرِ مدینہ۔

۲۸۹۔ متنِ تذکرہ میں اختر کے وطن کا کوئی ذکر نہیں۔ دیکھیے "چمنِ انداز" میں ذکرِ اختر۔

۲۹۰۔ متنِ تذکرہ میں امیر لکھنوی متذکرہ کا نام مذکور نہیں۔ دیکھیے "چمن انداز" میں ذکرِ متذکرہ امیر۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مصنف یا کاتب سے سہو ہو گیا ہے۔ امیر کے نام کے خانے میں ایضاً کا نشان غلطی سے لگ گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اس امیر لکھنوی کا نام بھی امیر جان تھا، حالاں کہ یہاں نامعلوم کا نشان (ـــ لمبی لکیر) آنا چاہیے تھا، یعنی نام درج نہیں۔

۲۹۱۔ متنِ تذکرہ میں "لبستی نام" درج ہے، "لبستی جان" کہیں نہیں لکھا۔ رک تذکرۂ لبستی در "چمن انداز"۔

۲۹۲۔ متنِ تذکرہ میں نام و تخلص "بسم اللہ" ہی لکھا ہے۔ دیکھیے "چمن انداز" میں تذکرۂ بسم اللہ۔ تذکرے میں بسم اللہ کے دہلی سے تعلق کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف کی ذاتی معلومات ہیں اور بعد کا اضافہ ہیں۔

۲۹۳۔ متن میں تصویر کے وطن کا ذکر نہیں ہے۔ دیکھیے "چمن انداز" میں ذکرِ تصویر۔

۲۹۴۔ اصل: "بتری بیگم" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۸۹، کالم ۲، سطر ا)۔ متن میں نام "بنزی بیگم" ہے اور یہی درست ہے۔ "بتری" کتابت کی غلطی ہے، نون کا نقطہ لگانے سے رہ گیا ہے۔

۲۹۵۔ متن میں اس کا نام "چھوٹے صاحب" لکھا گیا ہے، یہ نہیں لکھا کہ یہی اس کا تخلص بھی ہے۔ رک ذکر چھوٹے صاحب در "چمن انداز"۔

۲۹۶۔ متن میں نام "لبستی بیگم" درج ہے۔ دیکھیے "چمن انداز" میں ذکرِ حور (اوّل)۔

۲۹۷۔ متنِ تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں کہ خورشید ہی اس کا نام و تخلص ہے۔ رک: ذکرِ خورشید در "چمن انداز"۔

۲۹۸۔ یہاں بھی متنِ تذکرہ میں دہلی کا ذکر موجود نہیں لیکن ڈھب کے بیان میں مصنف کی مندرج تفصیلات سے علم ہوتا ہے کہ وہ ڈھب کے بارے میں ذاتی معلومات رکھتا ہے۔ (رک ذکرِ ڈھب در "چمن انداز")، اس لیے ڈھب کے بارے میں اس کے بیانات قابلِ اعتبار ہیں۔

۲۹۹۔ متن میں عرفیت "بی چھٹن" لکھی ہے۔ رک "چمن انداز" میں ذکرِ زہرہ (پنجم)۔

۳۰۰۔ ژاژ سے قبل اور زہرہ کے بعد "چمن انداز" میں زینت کا ذکر ہے لیکن فہرست میں یہاں اُس کا اندراج موجود نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا اندراج غلطی کے باعث فہرست میں نہیں ہو سکا۔

۳۰۱۔ متن میں نام صرف "شرفن" تحریر ہے۔ رک "چمن انداز" میں ذکرِ شرفن۔

۳۰۲۔ شریر کا نام بھی متن میں محض "جگن" درج ہے۔ ایضاً، ذکرِ شریر۔

۳۰۳۔ یہاں بھی نام محض "بیگا" درج ہے۔ ایضاً، ذکرِ شیریں (اوّل)۔

۳۰۴۔ متن میں نام "شرف النسا" لکھا ہے اور وطن کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ رک ذکرِ ضرورت در "چمن انداز"۔

۳۰۵۔ متن میں نام صرف "عصمت دہلوی" درج ہے۔ رک ذکرِ عصمت در "چمن انداز"۔

۳۰۶۔ متن میں اس کا نام ہی "عیدو" لکھا ہے، متخلّص بہ اسم ہونے کی جانب کوئی اشارہ نہیں ہے۔ رک ذکرِ عیدو در "چمن انداز"۔

۳۰۷۔ متن میں نام "امیر النسا" لکھا ہے۔ دیکھیے "چمن انداز" میں ذکرِ غریب۔

۳۰۸۔ متن میں اسے متخلّص بہ اسم لکھا ہے، البتہ اس کے بارے میں تعریفی جملہ لکھتے ہوئے مصنف نے اسے "محبوبہ فرحت بخش" لکھا ہے (رک ذکرِ فرحت در "چمن انداز")۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اسی غلط فہمی کے باعث مذکرہ جملے میں "فرحت بخش" کی ترکیب کو فرحت کا نام گردانا ہے۔

۳۰۹۔ فریدن کے ذکر میں اُس کے متخلّص بہ اسم ہونے کا ذکر نہیں۔ رک ذکر فریدن در "چمن انداز"۔

۳۱۰۔ کمن کے ذکر میں بھی اُس کے متخلّص بہ اسم ہونے کا ذکر نہیں۔ رک ذکرِ کمن در "چمن انداز"۔

۳۱۱۔ اصل: "اللہ جوآئی" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۹۱، کالم ۱، سطر ۴)۔

۳۱۲۔ اصل: "جھناں جان" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۹۱، کالم ۲، سطر ۲)۔ یہ کتابت کی غلطی ہے۔

۳۱۳۔ یہاں بھی کاتب یا مصنف سے سہو ہو گیا ہے۔ متنِ تذکرہ میں اس ناز ("سوئی") کا نام درج نہیں۔ یہاں فہرست میں نامعلوم کا نشان (—) درج کرنے کے بجاے ایضاً کا نشان (") پڑ گیا ہے۔

۳۱۴۔ اصل: "یاسمین" (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۹۳، کالم ۱، سطر ۱۱)۔ یہ کتابت کی غلطی لگتی ہے، کیوں کہ متن میں "یاسمن" ہی نام لکھا ہے۔

۳۱۵۔ متنِ تذکرہ میں اس شاعرہ کے وطن کا ذکر نہیں۔ رک "چمن انداز" کی آخری شاعرہ کا اندراج۔

۳۱۶۔ متن میں نام "شاہ جہاں بیگم" لکھا ہے۔ رک ذکرِ جہاں در ضمیمہ "چمن انداز"۔

۳۱۷۔ متنِ تذکرہ میں اسے "متخلّص بہ اسم" لکھا ہے۔ رک ضمیمہ "چمن انداز" میں ذکرِ سونا۔

۳۱۸۔ متنِ تذکرہ میں مصنف نے اسے بھی "متخلّص بہ اسم" لکھا ہے۔ ایضاً، ذکرِ گوہر۔

۳۱۹۔ متنِ تذکرہ میں مصنف نے اسے بھی "متخلص بہ اسم" لکھا ہے۔ ایضاً، ذکرِ گوہر۔

۳۲۰۔ اس شاعرہ کو بھی مصنف نے متنِ تذکرہ میں "متخلص بہ اسم" لکھا ہے۔ رک ذکرِ مستور، در ضمیمۂ "چمن انداز"۔

۳۲۱۔ متنِ تذکرہ میں اس شاعرہ کی پیدائش رام پوری اور سکونت مرادآبادی تحریر ہے۔ رک ذکرِ ملکہ، در ضمیمۂ "چمن انداز"۔

۳۲۲۔ "مرأتِ خیالی" بروزن فعلن فاعلاتن / فعلاتن، یعنی "مرآتِ خیالی"۔

۳۲۳۔ "نوبادۂ بستانِ سخن ہے" کو خط کشیدہ کر کے اس کے اوپر "۱۲۹۳" کا عدد لکھا گیا ہے۔ "نوبادۂ بستانِ سخن ہے" سے ۱۳۰۶ کا عدد، جب کہ "ہے" کے بغیر اس ترکیبی جملے سے ۱۲۹۳ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔

۳۲۴۔ تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ ۴۷) میں "نادر پاک بازکی باتیں" کے اوپر "۷۸۰" کا عدد درج ہے۔ یہ درست نہیں، اس پورے مصرعے سے ۷۸۰ کے بجائے ۷۸۱ کا عدد مستخرج ہوتا ہے۔ مرأتِ خیالی (صفحہ ۴) میں اس مقام پر ۷۸۱ کا عدد ہی درج ہے۔ ویسے بھی "تاریخ انطباع" ۱۲۹۳ھ ہے اور ۵۱۲ کے عدد میں ۷۸۱ ہی جمع کرنے سے مطلوبہ سنہ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلطی کاتب کی ہے۔

۳۲۵۔ اصل: "یہ ایک شغل" (مرأتِ خیالی، صفحہ ۴؛ تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ ۴۷، سطر ۱۶)۔ وزن کے مطابق "اک" چاہیے۔

۳۲۶۔ "ہے عجائب چٹ پٹا طرفہ کلام" سے ۱۲۹۲ کا عدد مستخرج ہوتا ہے۔ مصرعے کے اوپر "۱۲۹۳" درج ہے (مرأتِ خیالی، صفحہ ۴؛ تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ ۴۷)۔ ویسے بھی چوں کہ یہ "قطعۂ تاریخ انطباع" ہے، اس لیے اس سے ۱۲۹۳ھ ہی مستخرج ہونی چاہیے۔ ایسے میں تاریخ کے عدد میں ایک کا تعمیہ ہوگا لیکن پورے قطعے میں کہیں تعمیے کا بھی اشارہ نہیں۔
دوسری بات یہ کہ اس تاریخی مصرعے میں "ۂ" کو شاعر نے "یا" کا قائم مقام جان کر اس کے ۱۰ عدد لیے ہیں۔

۳۲۷۔ اس آخری مصرعے کے ٹکڑے "محبوب نادر گلشنِ ناز ست ایں" سے "۱۲۹۲" کا عدد نکلتا ہے۔ اگر آخری الفاظ "گلشنِ ناز است ایں" ہوں تو ۱۲۹۳ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی غلام سرور لاہوری نے "است ایں" ہی لکھا ہوگا لیکن مصنف یا کاتب کی غلطی سے "ست ایں" ہوگیا۔

۳۲۸۔ اس مصرعے میں "مظہرِ عجائب ہیں" مادۂ تاریخ ہے۔ اس میں ہمزہ کے دس عدد لیے گئے ہیں، یوں ۱۲۹۳

کا عدد حاصل ہوتا ہے۔ جو گلشنِ ناز کا سالِ طباعت ہے (مطابق ۱۸۷۶ء)۔

۳۲۹۔ تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ ۳۹) میں ''غنچۂ عقل ہی'' ہے اور ''ہی'' کے نیچے ''ف'' لکھا گیا ہے، گویا اسے ''ہے'' پڑھا جائے۔

۳۳۰۔ غالباً ٹریننگ کالج (Training College)، لاہور جو کہ آج کل ایجوکیشن یونیورسٹی، لاہور کا حصّہ ہے۔

۳۳۱۔ اصل: ''ہے ایک سرو'' (تذکرۃ النّساے نادری، (صفحہ ۵۲، سطر ۵)۔ وزن کے مطابق ''اک'' چاہیے۔

۳۳۲۔ ''پدید آمد ریاضِ نازنیناں'' مادۂ تاریخ ہے۔ اس ترکیب کے نیچے ۱۸۷۸ء کتابت ہوا ہے جو تذکرۃ النّساے نادری کی طباعتِ اوّل کا سال ہے لیکن مذکورہ مادۂ تاریخ سے عیسوی سال ۱۸۷۸ء کے بجائے اس کے مطابق ہجری سنہ ۱۲۹۵ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے غور کیے بغیر مادۂ تاریخ کے نیچے ہجری کے بجائے عیسوی سنہ لکھ دیا۔

۳۳۳۔ اصل: ''طبعِ تسلیم'' [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۶۱]۔

۳۳۴۔ اصل: ''میرے'' (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۶۱)۔ اس کے نیچے ''ع'' کتابت ہوا ہے، گویا اسے ''میری'' پڑھنا چاہیے۔

۳۳۵۔ مصنف کے بیان سے بظاہر یہی واضح ہوتا ہے کہ مادۂ تاریخ کے پورے مصرعے میں اصطلاح ''مُہمَل'' کے اعداد بھی ملائیں جائیں گے، تب دونوں مطلوبہ سنین (ہجری و عیسوی) حاصل ہوں گے، لیکن اصل یہ ہے کہ پورے مصرعے میں ''مُہمَل'' کے بجائے ''بجمل'' کے اعداد ملانے سے مطلوبہ سنین برآمد ہوتے ہیں۔

مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ پورے تاریخی مصرعے اور اصطلاح ''مُہمَل'' کے غیر منقوط حروف سے تذکرۃ النّساے نادری کی طباعتِ اوّل کا ہجری سنہ اور منقوط حروف سے عیسوی سنہ حاصل ہوتے ہیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ غیر منقوط حروف سے مطلوبہ ہجری سنہ تو برآمد ہوتا ہے لیکن صرف ''مُہمَل'' کے ساتھ منقوط حروف سے ۱۸۷۶ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔ اس میں بامُہمَل (''بجمل'' کی با) کے دو عدد شامل کرنے سے مطلوبہ سنہ کا عدد ۱۸۷۸ پورا ہوتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ''بجمل'' کو پہلے ''بہ جمل'' اور بعدہٗ محض ''جمل'' لکھنے کی غلطی کاتب کی ہے۔

۳۳۶۔ اس تاریخ میں تعمیہ ہے۔ ''خوب ہے یہ کلامِ معشوقاں'' سے ۱۲۹۶ کا عدد مستخرج ہوتا ہے۔ اس میں ''سرِ دوتی'' یعنی ''دوتی'' کی دال کے ۴ عدد شامل کرنے سے مطلوبہ عدد ۱۳۰۰ بنتا ہے۔

۳۳۷۔ اصل: ''ازروے انس'' (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۸۲)۔ موجود پورے مصرعے ''زہے گلشنِ خوب

رُویاں ہے یہ" سے ۱۳۲۷ کا عدد نکلتا ہے۔اس میں "اُنس" کے ۱۱۱ عدد ملانے سے مجموعہ ۱۴۳۸ بن جاتا ہے۔اگر "زہے گلشن خوب رویاں" کو مادۂ تاریخ مان لیا جائے تو اس سے ۱۲۹۷ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔اس میں "اُنس" کے ۱۱۱ عدد شامل کرنے سے ۱۴۰۸ کا عدد حاصل ہوتا ہے اور سرِ "اُنس" یعنی الف کا ایک عدد شامل کرنے سے ۱۲۹۸ کا عدد مستخرج ہوگا۔ان میں سے کوئی بھی تذکرۃ النسائے نادری کی طباعتِ دوم ۱۳۰۰ھ / ۱۲۹۰ف / ۱۸۸۳ء / ۱۹۴۰ب کے سال سے مطابقت نہیں رکھتا۔آخری مصرعے سے استخراج شدہ ۱۲۹۷ میں تین کے عدد کا اضافہ کرنے سے مطلوبہ ہجری سنہ ۱۳۰۰ حاصل ہوتا ہے۔حروفِ ابجد میں "ج" کے تین عدد ہیں۔گویا "اُنس" کے بجائے کوئی ایسا لفظ ہونا چاہیے/ہوگا جو جیم کے حرف سے شروع ہوتا ہے۔اسی حساب سے "اُنس" کی جگہ "جاں" کا لفظ رکھا گیا ہے جو باوزن بھی ہے اور جس کے سرِ حرف "ج" کے تین عدد ملانے سے ۱۳۰۰ کا عدد بھی حاصل ہوتا ہے جو تذکرے کی تیسری اشاعت کا ہجری سنہ ہے۔یوں "اُنس" کی جگہ "جان" درج کر کے قیاسی تصحیح کی گئی ہے۔لگتا ہے "اُنس" مصنف یا کاتب کی غلطی ہے۔

۳۳۸۔ "چراغِ عورات" مادۂ تاریخ ہے جس سے ۱۸۸۱ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔اس میں 'سرِ بہجت' یعنی "بہجت" کی با کے دو عدد ملانے سے مطلوبہ سنہ ۱۸۸۳ء کا عدد حاصل ہوتا ہے جو تذکرۃ النسائے نادری کی طباعتِ سوم کا سال ہے۔متن میں "چراغِ عورات" کے اوپر "۱۸۸۱ء" درج ہے۔اس سے بادی النظر میں یہی اندازہ ہوتا ہے کہ تذکرے کی طباعتِ سوم کا سال ۱۸۸۱ء ہے اور مزید یہ کہ مادۂ تاریخ صرف "چراغِ عورات" ہے، حالاں کہ ایسا نہیں۔"بہجت" کے دو اعداد کا تعمیہ کیے بغیر نہ تو مادۂ تاریخ پورا ہوگا اور نہ مطلوبہ سنہ ہی برآمد ہوگا۔

۳۳۹۔ "چمنِ ذکرِ جمیل" مادۂ تاریخ ہے لیکن اس سے محض ۱۰۹۶ کا عدد حاصل ہوتا ہے جو تذکرۃ النسائے نادری کی اشاعت کے کسی سنہ کو ظاہر نہیں کرتا۔"جمیل" کی جگہ "شکیل" ہو تو البتہ تذکرے کی اشاعتِ ثالث کے سنہ ۱۸۸۳ء کا عدد حاصل ہوتا ہے۔

۳۴۰۔ اصل: "سندِ اہلِ نظیر" (تذکرۃ النسائے نادری، صفحہ ۱۸۵)۔اس سے ۱۳۱۰ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔"نظر" سے ۱۳۰۰ کا عدد حاصل ہوتا ہے جو تذکرے کی آخری اشاعت کا ہجری سال ہے۔قافیے کے اعتبار سے بھی "نظر" ہی ہونا چاہیے (بشر، نظر)۔

۳۴۱۔ ابی پرشاد کا تخلص مدہوش تھا۔دہلی میں اُن کا مطبع فوق کاشی مشہور تھا۔وہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔نثر میں قصۂ طوطا مینا اور نظم میں قصہ گوپی چند اُن کی مشہور کتابیں ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند نے ایک جگہ مدہوشؔ کا نام ''انبا پرشاد'' لکھا ہے (اردو کی نثری داستانیں، صفحہ ۸۹۴)، جب کہ دوسری جگہ ''لالہ انبی پرشاد مدہوشؔ'' تحریر کیا ہے (اردو مثنوی شمالی ہند میں، جلد دوم، صفحہ ۳۲۲)۔ ڈاکٹر گیان چند نے غالباً عربی قواعد کی تقلید میں ''انبی'' کی ''یا'' پر کھڑا زبر قیاس کیا ہے جو ظاہر ہے کہ درست نہیں۔

انبی پرشاد مدہوشؔ کی تصانیف پر اُن کا نام ''انبی پرشاد'' ہی لکھا ہوا ملتا ہے۔ مثال کے طور پر اُن کی مشہور مثنوی قصۂ گوپی چند کا خود اُن کے مطبع فوق کاشی، دہلی کا مطبوعہ ایک نسخہ میرے پیشِ نظر ہے۔ اِس کے سرورق پر دو بار اور آخری صفحے (صفحہ ۲۸) پر تین بار مدہوشؔ کا نام لکھا ہے اور پانچوں بار اِلتزاماً انھیں ''انبی پرشاد'' لکھا گیا ہے۔ یاد رہے کہ سرورق اور آخری صفحے کی یہ سب عبارتیں خود انبی پرشاد مدہوشؔ کی لکھی ہوئی ہیں اور یہ کتاب بھی اُن کے اپنے مطبعے اور اُن کے اپنے اہتمام سے چھپی تھی۔ اِس کا واضح اظہار آخری صفحے میں ''خاتمۃ الطبع'' میں موجود ہے (صفحہ ۲۸)۔ صرف یہی نہیں، مثنوی کے دیباچے میں ایک شعر میں وہ لکھتے ہیں:

کہ ہے انبی پرشاد عاصی کا نام تخلص ہے مدہوشؔ مشہور عام

[قصۂ گوپی چند، صفحہ ۲]

اُن کی دوسری تصنیف قصۂ طوطا و مینا بھی اُن کے مطبعے مطبع فوق کاشی، دہلی سے شائع ہوئی۔ اِس کا ایک نسخہ بھی میرے پیشِ نظر ہے (سنہ ندارد)۔ اِس کے سرورق پر مدہوشؔ کا نام ''انبے پرشاد'' لکھا ہے۔ ''انبی'' کو ''انبے'' لکھنا قدیم زمانے کی اُس روشِ کتابت کا امتیاز ہے، جس میں یاے معروف و مجہول میں فرق روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ اِس اندراج سے بھی اُن کا نام ''انبی پرشاد'' ہی معلوم ہوتا ہے۔

درگا پرشاد نادرؔ، مدہوشؔ کے قریبی معاصر تھے۔ اُن کے تذکرے گلشنِ ناز اور مراۃ خیالی، مطبع فوق کاشی، دہلی ہی سے طبع ہوئے تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ وہ مدہوشؔ سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ دونوں تذکروں کے سرورق پر مہتمم کے طور پر مدہوشؔ کا نام ''انبی پرشاد'' ہی درج ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں تذکروں کے سرورق کی عبارتیں خود مدہوشؔ یا نادرؔ نے تحریر کی ہوں گی۔

مذکورہ بالا شواہد کی روشنی میں صاف ہو جاتا ہے کہ مدہوشؔ کا نام ''انبی پرشاد'' تھا، ''انبا پرشاد'' یا ''انبے پرشاد'' نہیں۔

۳۳۲۔ اصل: ''گلشنِ انداز'' (تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۷۷)۔ بظاہر یہ ''چمن انداز'' نہیں، کیوں کہ اس کا ذکر اس سے پہلے آ گیا ہے اور اسی ذکر کے بعد ''کامل نسخہ'' سے مراد تذکرۃ النّساے نادری (یعنی

گلشنِ ناز اور ''چمن انداز'' ہے، لہٰذا ''چمن انداز'' کے سوا دوسرا نسخہ گلشنِ ناز ہی ہے جس کے ملانے سے تذکرۃ النّسایے نادری مکمل ہوتا ہے۔

۳۴۳۔ اصل: ''کم آتے ہیں'' (تذکرۃ النّسایے نادری، صفحہ ۱۷۸)۔ ''آتے'' کے نیچے ''ع'' کتابت ہوا ہے، گویا اسے ''آتی'' پڑھنا چاہیے۔

۳۴۴۔ اصل: ''کامرنامرغوب کلام'' (تذکرۃ النّسایے نادری، صفحہ ۱۷۹، سطر ۱۰)۔ ''کا'' کے بعد ''مر'' زائد ہے اور بظاہر کتابت کی غلطی ہے۔

۳۴۵۔ اصل: ''اس کی باقی کلام'' (تذکرۃ النّسایے نادری، صفحہ ۱۷۹، سطر ۱۳)۔ ''اس کی'' یا کے نیچے ''ف'' کتابت ہوا ہے، گویا اسے ''اس کے'' پڑھنا چاہیے۔

۳۴۶۔ اصل: ''جیسی سنی'' (تذکرۃ النّسایے نادری، صفحہ ۱۸۰، سطر ۱۳)۔ ''سنی'' کے نیچے ''ف'' لکھا ہے، گویا اسے ''سنے'' پڑھا جائے گا۔

۳۴۷۔ اصل: ''ے نیارا'' (تذکرۃ النّسایے نادری، صفحہ ۱۸۰)۔

۳۴۸۔ اصل: ''واقع'' (رقعۂ راستی مرقعۂ بے مجادلہ، مشمولہ: ملحقۂ مرآتِ خیالی، صفحہ ۲، سطر ۴)۔

۳۴۹۔ اصل: ''سطر ۱۱۳'' (ایضاً، صفحہ ۲، سطر ۱۱)۔

۳۵۰۔ ملحقہ، صفحہ ۳۰، نمبر ۳۰۔ آخر میں ''۱۲ منہ عفی اللہ عنہٗ'' بھی درج ہے۔

۳۵۱۔ اصل: ''ایک نشاں ہے'' (مرآتِ خیالی، صفحہ ۶۲؛ تذکرۃ النّسایے نادری، صفحہ ۱۲۱، سطر ۵)۔ وزن کے مطابق ''اک'' چاہیے۔

۳۵۲۔ تذکرۃ النّسایے نادری (صفحہ ۱۲۳) میں ''حال'' پر ''ن'' بنا کر سطر کے آخر میں ''ن سال'' لکھا گیا ہے۔ گویا ''ن'' کے نشان کے ذریعے ''حال'' کو ''سال'' سے بدلا گیا ہے۔

۳۵۳۔ یہاں بھی شعر کا نشان (ؔ) دیا گیا ہے، (مرآتِ خیالی، صفحہ ۶۵؛ تذکرۃ النّسایے نادری، صفحہ ۱۲۴) جب کہ مصرعے کا نشان (ع) آنا چاہیے۔

۳۵۴۔ یہ متن، یعنی ان تاریخوں کا آغاز کتاب کے صفحہ ۱۲۶ ہی سے ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ''ملحقہ صفحہ ۱۲۶ ''چمن انداز'' کے الفاظ کاتب کے لیے لکھے ہوں گے، کیوں کہ مرآتِ خیالی میں یہ تاریخیں شامل نہیں تھیں۔ نادر ان کا اضافہ کرنا چاہتے ہوں گے، اسی لیے اس ہدایت نامے کے ساتھ تاریخیں کاتب کو دی ہوں گی۔ کاتب صاحب نے اس ہدایت نامے کو بھی متن کا حصہ سمجھ کر کتابت کر

دیا۔ اُسی صفحے پر متن کے ساتھ صفحے کا حوالہ غیر متعلق ہے۔

۳۵۵۔ اصل: ''معروان'' (تذکرۃ النّساے نادری، مسوّدہ صفحہ ۱۲۷، سطر ۱۲)

ضمیمہ (۲)

اِختلافاتِ نُسخ

۱۔ صفحہ۴۱، سطر۳ : نخلِ ہندی...... گلشنِ ناز کا متن یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل گلشنِ ناز کا سرورق ہے، جس کی عبارت مُلحقہ ۸ میں درج کردی گئی ہے۔

۲۔ صفحہ۴۱، سطر۷ : یہ اور مقدمے میں آئندہ آنے والے تمام عنوانات گلشنِ ناز میں نہیں ہیں۔ نادر نے ان کا اضافہ تذکرۃ النّساے نادری میں کیا ہے۔

۳۔ صفحہ۴۱، سطر۸ : گلشنِ ناز (صفحہ۲) : پاربتی جی وسیتاجی۔

۴۔ صفحہ۴۱، سطر۱۳ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۲) میں ''سوسائیاں'' کتابت ہوا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے۔

۵۔ صفحہ۴۱، سطر۱۵ : گلشنِ ناز (صفحہ۳) : کرتے ہیں۔ یاں بدعوا۔

۶۔ صفحہ۴۱، سطر۱۸ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۲) : خاوندی۔ کتابت کی غلطی ہے۔

۷۔ صفحہ۴۲، سطر۴ : گلشنِ ناز (صفحہ۳) : منشی لچھمن لال نے ایک۔

۸۔ صفحہ۴۲، سطر۷ : گلشنِ ناز (صفحہ۳) : زیورِ ظاہری، یعنی طلائی و نقرئی۔

۹۔ صفحہ۴۲، سطر۹، ۱۰ : گلشنِ ناز (صفحہ۳) : مقام ہے کہ۔

۱۰۔ صفحہ۴۲، سطر۱۵ : گلشنِ ناز (صفحہ۳) : علی گڈھ۔

۱۱۔ صفحہ۴۴، سطر۱۷ : گلشنِ ناز (صفحہ۵) : پس سنئے کہ جواہر العجایب والے۔

۱۲۔ صفحہ۴۵، سطر۸ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۵) : عَلَیَّ الْاَیَّامِ حَزَنَ لِیًا لِیًا۔

۱۳۔ صفحہ۴۵، سطر۱۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۵) : پس اس سے۔

۱۴۔ صفحہ۴۵، سطر۱۲، ۱۳ : گلشنِ ناز (صفحہ۵) : منکوحوں نے شعر کہے۔

۱۵۔ صفحہ۴۶، سطر۱ : گلشنِ ناز (صفحہ۶) : سببِ تالیف۔

۱۶۔ صفحہ۴۶، سطر۱۸ : گلشنِ ناز (صفحہ۶) : پس اس کا نام ''چمنستانِ خیالات النّادر'' ۱۹۳۲ رکھا، جس میں سے سبت حال، یعنی ۱۹۳۲ برآمد ہوتے ہیں۔

۱۷۔ صفحہ۵۱، سطر۱۳ : گلشنِ ناز (صفحہ۸) : عبداللہ حاکمِ یمن نے اپنے۔

۱۸۔ صفحہ۵۳، سطر۹ : گلشنِ ناز (صفحہ۹) : نگہ کے زور سے۔

۱۹۔ صفحہ۵۴، سطر۱ : گلشنِ ناز (صفحہ۹) : اب چند فاضلہ عورتوں۔

۲۰۔ صفحہ۵۴، سطر۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۹) : گارگی۔

۲۱۔ صفحہ ۵٦، سطر ۱۲، ۱۳ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۱) : آدم خاں کو باز بہادر کے۔

۲۲۔ صفحہ ۵۷، سطر ۳، ۴ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۱) میں یہ شعر یوں درج ہیں (نقل مطابق اصل) :

پاپی پران رہت گھٹ بھیتر کیو چاہت سکھہ راج
روپ متی پیا ہمسی ذکھیا کہاں گیا پیا بہادر باج

۲۳۔ صفحہ ۵۷، سطر ۵ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۱) : اور مرتے وقت یہ کہا تھا۔

۲۴۔ صفحہ ۵۷، سطر ٦ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۱) میں اس شعر کی صورت یہ ہے (نقل مطابق اصل) :

تم بن جیو را رہت ہت مانگت ہے سکھہ راج
روپ متی ذکھیا بھئی بنا بہادر باج

۲۵۔ صفحہ ۵۹، سطر ٦: گلشنِ ناز (صفحہ ۱۲، سطر ۲۰) : ابد پائیدار عالیشان کی۔

۲٦۔ صفحہ ۵۹، سطر ۹، ۱۰ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۳، سطر ٦، ۷) : شاہنشاہ ہندوستان کے عہد دولت میں بھی۔

۲۷۔ صفحہ ۵۹، سطر ۱۱ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۳) : پس اب میں اس مقدمہ کو ختم کرتا ہوں۔ اور اس ''چمنستانِ خیالات النادر'' (۱۹۳۲) کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔

۲۸۔ صفحہ ٦۲، سطر ۱ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۳) میں ''پہلا حصہ۔ حدیقہ آرائی خامہ...... الخ'' کے بعد آتوَن کا ترجمہ درج ہے۔ گویا آغاز کی عبارتیں اور دیباچہ اضافے کی حیثیت رکھتا ہے جو پہلی بار تذکرۃ النساے نادری ہی میں شامل ہوا۔

۲۹۔ صفحہ ٦۳، سطر ۴ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۳): آتوَن : مسماۃ توتی آتون، منکوحۂ مُلا بقائی جس کا معتقد۔

۳۰۔ صفحہ ٦۳، سطر ۱۳ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۳): جہانگیر سے منسوب کیا ہے۔ ملاحت المقال کا مؤلف۔

۳۱۔ صفحہ ٦۴، سطر ۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۰۲) میں یہ شعر یوں ہے :

جہان وحیات، ایں ہمہ بے وفا است فنا را نگہ دار کاخر فنا است

۳۲۔ صفحہ ٦۴، سطر ۱۵ : بہارستانِ ناز (ایضاً) : اسپ گشت مات۔

۳۳۔ صفحہ ٦۵، سطر ۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۰۳) : بزور جذبہ کرم رام ماخود کج کلاہاں را۔

۳۴۔ صفحہ ٦۵، سطر ٦ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۵) : آرزو، کوئی عورت سمرقندی۔

۳۵۔ صفحہ ٦۵، سطر ۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۰۳) : عشق من سراپا آرزو۔

۳٦۔ صفحہ ٦۵، سطر ۹ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۵) : آرزوئی، یہ خوش خیال بھی سمرقندی تھی۔

۳۷۔ صفحہ ٦۵، سطر ۱۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۰۱) : خاک رہت گر بگرد ماترسی۔

تذکرۃ الخواتین (ص ۱۸۴) : شدیم خاک رہت۔

۳۸۔ صفحہ ۶۵، سطر ۱۲ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۵) : آقا مہتر بیضے داروغہ۔

۳۹۔ صفحہ ۶۵، سطر ۱۶ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۵) : آقا بیگم، یہ عراقی شاعرہ۔

۴۰۔ صفحہ ۶۶، سطر ۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۹۸) : شوم فدائے درت۔

۴۱۔ صفحہ ۶۶، سطر ۸ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۵) : یہ اشعار بھی اسی کے ہیں۔

۴۲۔ صفحہ ۶۶، سطر ۱۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۸۷) : آہ ازاں وائے کہ...... وائے بر لعلے کہ ہر دم میخورد۔

۴۳۔ صفحہ ۶۷، سطر ۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۰۴) : بر فنائے خود۔

۴۴۔ صفحہ ۶۷، سطر ۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۰۴) : تیرہ دروزم کردند۔

۴۵۔ صفحہ ۶۷، سطر ۵ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۶) : بادشاہ خاتون، یہ شہزادی قطب الدین محمد سلطان کی بیٹی۔

۴۶۔ ایضاً : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۶) : "سلطان قازان" ۔ یہ درست لگتا ہے۔ رنج میرٹھی نے بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۰۹) میں "قاراں" لکھا ہے۔

۴۷۔ صفحہ ۶۷، سطر ۶ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۶) : مصحف کی کتابت میں۔

۴۸۔ صفحہ ۶۷، سطر ۱۱ : تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ ۲۱) : "آسایشِ جان بیدلانش" ۔ یہاں "بہ" کتابت ہونے سے رہ گیا ہے۔ بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۱۰) میں اس کا عنوان "رباعی" لکھا ہے۔

۴۹۔ صفحہ ۶۷، سطر ۱۴، ۱۵ : تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ ۲۱) : "رامدہ قلم۔ بظاہر ن کا نقطہ کتابت ہونے سے رہ گیا ہے۔ اگلے شعر کے دوسرے مصرعے میں بھی یہاں "یار یگ نہ آب" ہے۔ گلشنِ ناز (ص ۱۶) میں "تاریک" کے "تا" کے نیچے دو نقطے اور "یہ" کے اوپر ایک یا دو نقطے بھی معلوم ہوتے ہیں۔ لگتا ہے کہ انھی سے غلطی کھا کر کاتب نے "تاریک بہ" کو "یار یگ نہ" کر دیا ہے۔
بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۱۰) میں ان اشعار پر "دیگر" کا عنوان دیا گیا ہے۔ گویا یہ بھی رباعی ہے۔

۵۰۔ صفحہ ۶۷، سطر ۱۷ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۷) : بزرگی، ایک کشمیری کنجری۔

۵۱۔ صفحہ ۶۸، سطر ۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۱۱) : کے باعرب و کے عجم ساختہ۔

۵۲۔ صفحہ ۶۸، سطر ۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۱۱) : وہر قدم را کفلیم صلاح است......

۵۳۔ صفحہ ۶۸، سطر ۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۱۱)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۸۹) : تار در طنبور لست۔

۵۴۔ صفحہ ۶۸، سطر ۷: گلشنِ ناز (صفحہ ۱۷) : بیچہ منجمہ، یہ عورت علم نجوم کی فاضلہ، شاعرہ، ظریفہ اور عارفہ۔

۵۵۔ صفحہ ۶۸، سطر ۹ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۷) : ظرافت رہتی تھی۔ کہتے ہیں کہ۔

۵۶۔ صفحہ ۶۸، سطر ۱۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۱۴) : محراب تو نمازی۔

۵۷۔ صفحہ ۶۸، سطر ۱۴ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۷) : بیّار کرائی۔

۵۸۔ صفحہ ۶۸، سطر آخری : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۷) : بیدلی، منکوحہ شیخ عبداللہ......خواجہ حکیم جو شہر ہرات۔

۵۹۔ صفحہ ۶۹، سطر ۴ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۸) : پرتوئی، کوئی تبریزی۔

۶۰۔ صفحہ ۶۹، سطر ۷ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۸) : جمالی، مولانا بدرالدین۔

۶۱۔ صفحہ ۶۹، سطر ۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۲۵) : ہر یک ازاں۔

۶۲۔ صفحہ ۶۹، سطر ۱۵ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۸) : جمیلہ، کوئی زن فصیحہ بطریق۔

۶۳۔ صفحہ ۶۹، سطر ۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۲۶)، تذکرۃ الخواتین (ص ۱۹۷): آں ہم خلید۔

۶۴۔ صفحہ ۶۹، سطر آخری : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۸) : جہاں آرا بنت کلاں......بادشاہ دہلی۔ سنہ ۱۰۹۲ ہجری۔

۶۵۔ صفحہ ۷۰، سطر ۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۲۶)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۹۹) : غریباں ہمیں گیاہ۔

۶۶۔ صفحہ ۷۰، سطر ۷ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۸) : جہاں خاتون، منکوحہ خواجہ۔

۶۷۔ صفحہ ۷۰، سطر ۱۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۲۷) : چوں غزل ہاے......گوید کہ ویں گفتہ است۔

۶۸۔ صفحہ ۷۰، سطر ۱۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۰۳) : بلکہ بر گردوں گرداں۔

۶۹۔ صفحہ ۷۰، سطر ۲۰ : ''تنبیہ'' کی یہ عبارت: گلشنِ ناز (صفحہ ۱۹) میں نہیں ہے۔ بعد کا اضافہ ہے۔

۷۰۔ صفحہ ۷۱، سطر ۲ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۰۳) : مصور است۔

۷۱۔ صفحہ ۷۱، سطر ۴ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۹) : حجابی، بنت خواجہ ہادی استرآبادی جو ہمیشہ۔

۷۲۔ صفحہ ۷۱، سطر ۷ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۹) : حیات، حیات النساء متذکرہ آرام کے۔

۷۳۔ صفحہ ۷۱، سطر ۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۳۱) : دلم ہر باری گردد۔

۷۴۔ صفحہ ۷۱، سطر ۱۱ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۹) : حیات، ظریفہ و عارفہ۔

۷۵۔ صفحہ ۷۱، سطر ۱۵ : گلشنِ ناز (صفحہ ۱۹) : حیاتی، ہراتی لطیفہ گو۔

۷۶۔ صفحہ ۷۲، سطر ۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۳۲) : چو مجنوں۔

۷۷۔ صفحہ ۷۲، سطر ۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۳۲) : ......آں بت بیگانہ......حیاتے آنچہ......

۷۸۔ صفحہ ۷۲، سطر ۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۴۰)، حور مقصورات (صفحہ ۵۰)، تذکرۃ الخواتین (ص ۲۱۰):
شبے......میہماں...... انیسِ......یانے۔

۷۹۔ صفحہ ۷۲، سطر ۱۶ : گلشنِ ناز (صفحہ ۲۰) : زائری، مجہول الحال۔

۸۰۔ صفحہ۲۷،سطر۱۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۴۸) : چشمِ تو۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۱۵) : خوردہ ام خونِ دل واین۔

۸۱۔ صفحہ۲۷،سطر۱۸ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۱۵) : بہارستانِ ناز میں یہ شعر نہیں ہے۔

کارِ من بے تو بجز خون جگر خوردن نیست   ہمہ از مردم صاحب نظر آموختہ ام

بظاہر یہ کتابت کی غلطی ہے، کیوں کہ تیسرے شعر کے دوسرے مصرع بھی یہی کتابت ہوا ہے۔

۸۲۔ صفحہ۲۷،سطر۱۹ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۱۵) : شیوۂ عاشقی ورسمِ نظر بازی را۔

۸۳۔ صفحہ۲۷،سطر آخری : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۱۵) : اُستاد ازل ایں۔ بہارستانِ ناز (صفحہ۱۴۸) میں اس شعر کا پہلا اور اگلے شعر کا آخری مصرع ملا کر ایک شعر کی صورت میں لکھا گیا ہے۔

۸۴۔ صفحہ۲۳،سطر۳ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۰) : علی قلی خاں والہ۔

۸۵۔ صفحہ۲۳،سطر۴ : ''شیفتہ وفریفتہ تھا'' کے بعد کا نثری جملہ گلشنِ ناز (صفحہ۲۰) میں نہیں۔

۸۶۔ صفحہ۲۳،سطر۵ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۲۶) : اے عاشق خستہ۔

۸۷۔ صفحہ۲۳،سطر۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۲۶) : سلطان چو منے۔

تذکرۃ الخواتین (ص ۲۲۶) میں اس غزل کا یہ شعر مزید درج ہے :

آب است شراب پیش لعلم   ہاں لعل من و شراب حاضر

۸۸۔ صفحہ۲۳،سطر۹،۱۰ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۱) : شیریںؔ تخلص سلطان......اختص۔ سنہ۱۲۳۶ء۔

۸۹۔ صفحہ۲۳،سطر۱۶ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۱) : تو ولی۔

۹۰۔ صفحہ۲۳،سطر۱۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۵۸) : زشیدن نور۔

۹۱۔ صفحہ۲۳،سطر آخری : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۳۳) : تخت چرخ سلطانی۔ بظاہر ناقل کی غلطی لگتی ہے۔

۹۲۔ صفحہ۲۴،سطر۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۱) : ضیغیؔ، ہم عصر آرزو مذکور۔

۹۳۔ صفحہ۲۴،سطر۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۳۶) : تراچیزے نیست۔

۹۴۔ صفحہ۲۴،سطر۱۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۳۷) : ......گفتی بابا......بے چیزی نیست۔

گلشنِ ناز (صفحہ۲۱) : بی چیزی نیست۔

۹۵۔ صفحہ۲۴،سطر۱۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۱) : عائشہ سمرقندی کی۔

۹۶۔ صفحہ۲۴،سطر۱۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۷۵) : کے دو آنکہ۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۳۹) : درگوش کشیدہ کہ۔

۹۷۔ صفحہ۷۴،سطر۱۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۷۵) : عالم دیدست۔

۹۸۔ صفحہ۷۵،سطر۱ : حورِ مقصورات (صفحہ۱۲۷) : از پاشکستگانِ طلب۔

۹۹۔ صفحہ۷۵،سطر۴ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۲) : شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی۔

۱۰۰۔ صفحہ۷۵،سطر۷ : یہ شعر بہارستانِ ناز (صفحہ۱۷۶) میں موجود نہیں، صرف نادر کے ہاں ہی ہے۔

۱۰۱۔ صفحہ۷۵،سطر۹ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۲) : عفتی، اسفر کی...... خادمہ۔ کوئی شیریں کلام تھی۔

۱۰۲۔ صفحہ۷۵،سطر۱۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۷۷) : بقدیار۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۴۰) : کردعوے بقدیار۔ گلشنِ ناز (صفحہ۲۲) میں بھی "بقدیار" ہے۔ تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ۲۷) میں بھی یہی تھا لیکن نادر نے صحت نامے میں اس کی تصحیح کر کے "زقدیار" بنا دیا۔ یہی صحیح بھی ہے۔

۱۰۳۔ صفحہ۷۵،سطر۱۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۲) : قنا نواب قناۃ النسا بیگم۔

۱۰۴۔ صفحہ۷۵،سطر۱۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۱) : ......گر آمد......بسر آمد۔

۱۰۵۔ صفحہ۷۶،سطر۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۲) : گنا بیگم، صبیہ علی قلی خاں والہ...... عماد الملک کہتے۔

۱۰۶۔ صفحہ۷۶،سطر۶ : قوسین کے اندر کی عبارت گلشنِ ناز (صفحہ۲۳) میں موجود نہیں۔

۱۰۷۔ صفحہ۷۶،سطر۱۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۱) : ہزار جاں نشتر زد۔

۱۰۸۔ صفحہ۷۶،سطر۲۰، ۲۱: "نہیں معلوم...... دو اسم ہیں" کی عبارت گلشنِ ناز (صفحہ۲۳) میں موجود نہیں۔

۱۰۹۔ صفحہ۷۷،سطر۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۳) : لطیف، لطیف النسا۔

۱۱۰۔ صفحہ۷۷،سطر۱۱ : قوسین کی عبارت گلشنِ ناز (صفحہ۲۴) میں موجود نہیں۔ یہ بعد کا اضافہ ہے۔

۱۱۱۔ صفحہ۷۷،سطر۱۷ تا ۲۱: گلشنِ ناز (صفحہ۲۴): فوت ہوگئی۔ سعید اشرف پسر۔

۱۱۲۔ صفحہ۷۸،سطر۲ تا ۴ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۴) : خیال کرتے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ۔

۱۱۳۔ صفحہ۷۸،سطر۱۶ : انتباہ کی یہ عبارت گلشنِ ناز (صفحہ۲۴) میں نہیں، بعد کا اضافہ ہے۔

۱۱۴۔ صفحہ۸۰،سطر۱۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۹۹) : اے عندلیب ناداں۔

۱۱۵۔ صفحہ۸۱،سطر۸ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۶) : مشتری۔ موجود الوقت۔

۱۱۶۔ صفحہ۸۱،سطر۸، ۹ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۶): لکھنؤ سے ہے۔ جو بہ شاگردی۔

۱۱۷۔ صفحہ۸۲،سطر۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۶): مطربہ۔ کوئی کاشغری عورت طنان شاہ کے گھر۔

۱۱۸۔ صفحہ۸۲،سطر۱۸ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۷) : بھری۔ اس کے بیان میں۔

۱۱۹۔ صفحہ۸۳، سطر۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۱۱): "بودگردن را"۔ بظاہر کتابت کی غلطی ہے۔

۱۲۰۔ صفحہ۸۳، سطر۵تا۸ : قوسین کی یہ عبارت گلشنِ ناز (صفحہ۲۷) میں موجود نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت مولفِ تذکرہ نے بعد میں اضافہ کی ہے۔

۱۲۱۔ صفحہ۸۳، سطر۱۷ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۸): کرکہا، چو مصرع۔

۱۲۲۔ صفحہ۸۳، سطر۱۸ : حورِ مقصورات (صفحہ۱۵۰) : یارب چہ سرّ تم۔

۱۲۳۔ صفحہ۸۳، سطر۲۰ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۸) : ایک روز یہ ظریفہ بیگم صاحب کی۔

۱۲۴۔ صفحہ۸۴، سطر۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۱۱): زدو سرخوش۔

۱۲۵۔ صفحہ۸۴، سطر۱۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۱۲) : مہری زن نوجوان۔

۱۲۶۔ صفحہ۸۴، سطر۱۸ : حورِ مقصورات (صفحہ۱۵۰) : بے خردو لا یعقل۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۶۱): زدم آں خرلا یعقل۔

۱۲۷۔ صفحہ۸۴، سطر۱۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۱۲): دشت از خود۔
حورِ مقصورات (صفحہ۱۵۰)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۶۱): دشت خود او بزباں۔

۱۲۸۔ صفحہ۸۴، سطر۲۰ : حورِ مقصورات (صفحہ۱۵۰)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۶۱): از گریہ وزاری دلم۔

۱۲۹۔ صفحہ۸۴، سطر۲۱ : حورِ مقصورات (صفحہ۱۵۰)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۶۱) : تو بدیدیم ہمہ۔

۱۳۰۔ صفحہ۸۴، سطر۲۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۱۲): دولت بود تماشائی رخت لیلیٰ را۔
حورِ مقصورات (صفحہ۱۵۰)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۶۱) : کہ این دولتِ مستعجل۔

۱۳۱۔ صفحہ۸۵، سطر۷ : گلشنِ ناز (صفحہ۲۹) : مسمّی۔ گنجی کی اکابرزادی تھی۔ بعض نے۔

۱۳۲۔ صفحہ۸۵، سطر۱۲ : حورِ مقصورات (صفحہ۱۵۱): تا در حرکت...... بر گل نہند......،
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۶۳) : تا در حرکت۔

۱۳۳۔ صفحہ۸۵، سطر۱۴ : "نہیں لکھتا" کے بعد کی عبارت اور شعر گلشنِ ناز (صفحہ۲۹) میں نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کا اضافہ ہے۔

۱۳۴۔ صفحہ۸۵، سطر۱۵ : حورِ مقصورات (صفحہ۱۵۱) : نشستِ دگرست......دستِ دگرست۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۶۵) : نشست دگراست۔

۱۳۵۔ صفحہ۸۵، سطر۱۹ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۷۰): بارے غم تو۔

۱۳۶۔ صفحہ۸۶، سطر۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۲۹): بہ عالم ہر کہ را۔

۱۳۷۔ صفحہ ۸۶، سطر ۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۲۲۹)، تذکرۃ الخواتین (ص ۲۷۰): کردہ ایم۔ کردہ ایم۔

۱۳۸۔ صفحہ ۸۷، سطر ۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۲۲۵) : یہ طشت ہے اور سر ہے۔

۱۳۹۔ صفحہ ۸۷، سطر ۱۵ : گلشنِ ناز (صفحہ ۳۱) میں "ترک کیا گیا" کے بعد کی نثری عبارت موجود نہیں۔

۱۴۰۔ صفحہ ۸۷، سطر ۲۰ : گلشنِ ناز (صفحہ ۳۱) : در سخن چناں شرم۔

۱۴۱۔ صفحہ ۸۸، سطر ۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۷۶): بہ قتل من اگر شاہا دلت خوشنود...... بجاں منت مگر۔

۱۴۲۔ صفحہ ۸۸، سطر ۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۲۲۶) : ہنگامہ فزائے۔

۱۴۳۔ صفحہ ۸۸، سطر ۲۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۷۷) : ترا کہ تکمہ لعل است بر لباس حریر۔

۱۴۴۔ صفحہ ۸۹، سطر ۵ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۷۷) : ز دست و زبان خویش۔

۱۴۵۔ صفحہ ۸۹، سطر ۱۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۷۸) : برآورد زباں۔

۱۴۶۔ صفحہ ۸۹، سطر ۱۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۲۲۶) : گر رود پیک۔

۱۴۷۔ صفحہ ۸۹، سطر ۱۴ : گلشنِ ناز (صفحہ ۳۲، ۳۳) میں "رباعی" کا عنوان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ رباعی کا دوسرا شعر پہلے اور پہلا دوسرے نمبر پر درج ہے۔

۱۴۸۔ صفحہ ۸۹، سطر ۱۶ : گلشنِ ناز (صفحہ ۳۲)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۷۷): "قیامت مفکن در دلِ ما"۔ نیز تذکرۃ الخواتین میں دوسرے مصرعے میں "گزرانیدیم و قیامت" ہے۔

۱۴۹۔ صفحہ ۸۹، سطر ۱۹ : گلشنِ ناز (صفحہ ۳۳) : اِن شعروں میں پہلا شعر اور دوسری رباعی اور چوتھا اور چوبیسواں اور پچیسواں شعر زیب النسا کا ہے جسکا۔

۱۵۰۔ صفحہ ۸۹، سطر ۲۱: گلشنِ ناز (صفحہ ۳۳) : مگر ایک شخص نے دوسری رباعی...... نام پر لکھا ہے۔

۱۵۱۔ صفحہ ۸۹، سطر ۲۲ تا ۲۴ : گلشنِ ناز (صفحہ ۳۳) : شعر ہشتم کا پہلا...... کا، اکیسویں کا پہلا نیمہ ... رباعی نمبر ۲۷ کا۔

۱۵۲۔ صفحہ ۹۰، سطر ۱۲ : یہ شعر گلشنِ ناز (صفحہ ۳۳) میں نہیں۔ بعد کا اضافہ لگتا ہے۔

۱۵۳۔ صفحہ ۹۱، سطر ۱ : "دیگر" کا عنوان گلشنِ ناز (ص ۳۳) میں نہیں۔

۱۵۴۔ صفحہ ۹۱، سطر ۳ : گلشنِ ناز (صفحہ ۳۳) : یہ شعر مگر رسوائی عشق ارخ...... لکھا گیا بعض۔

۱۵۵۔ صفحہ ۹۱، سطر ۵ : گلشنِ ناز (صفحہ ۳۳) : چوتھی نہائی کوئی امیر زادی شاہ سلیمان کی جلیس۔

۱۵۶۔ صفحہ ۹۱، سطر ۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۲۲۷) : بر ہند رو (ی ظلم)۔

۱۵۷۔ صفحہ ۹۱، سطر ۹ : گلشنِ ناز (صفحہ ۳۴) : اس کا جواب سعد اللہ خاں وزیر نے اس طرح دیکر اپنے

عقد نکاح میں لیا۔

۱۵۸۔ صفحہ۹۱، سطر۱۰، ۱۱ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۸۲) : زراست عنکبوت ودل بال وبراست
جفای علم ومعنی شکراست ہر پشہ از وشید آں شیر زراست
بہارستانِ ناز (صفحہ۲۲۷) : علیست زراست عنکبوت ودل بال وپراست
علم ومعنی شکرست ہر پشہ کہ زو چشیدآں شیر زراست

۱۵۹۔ صفحہ۹۱، سطر۱۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۳۴) : یہ شعر بھی کسی نے۔

۱۶۰۔ صفحہ۹۱، سطر۱۳ : گلشنِ ناز (صفحہ۳۴) : زہد ورع۔

۱۶۱۔ صفحہ۹۱، سطر۱۹ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۸۱) میں یہ شعر نہانی شیرازی کے تحت درج ہے۔

۱۶۲۔ صفحہ۹۱، سطر۲۱: بہارستانِ ناز (صفحہ۲۲۸) : جاناں شد۔ غم دردیکہ...... چنداں شد۔

۱۶۳۔ صفحہ۹۲، سطر۵ : ''قطعہ'' کا عنوان گلشنِ ناز (صفحہ۳۴) میں نہیں۔

۱۶۴۔ صفحہ۹۲، سطر۶ : یہ قطعہ تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۸۰، ۲۸۱) میں نہانی کرمانی کے کلام کے نمونے
میں درج ہے۔ اختلافاتِ متن درج ذیل ہیں :
واے بر شاعران۔ بماہ تابیدہ۔ سرو چو بے است۔

۱۶۵۔ صفحہ۹۲، سطر۱۲ : گلشنِ ناز (صفحہ۳۵) : پانچویں نہانی جعفر کی والدہ۔

۱۶۶۔ صفحہ۹۲، سطر۱۹ : گلشنِ ناز (صفحہ۳۵) : وزیر۔ وزیر النساء نام۔

۱۶۷۔ صفحہ۹۳، سطر۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۵): ہما باز آمد۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۸۴) : ہما باز آمد۔

۱۶۸۔ صفحہ۹۳، سطر۴ : گلشنِ ناز (صفحہ۳۵) : ہمدی شریفہ بانو نامی کے یہ شعر ہیں۔

۱۶۹۔ صفحہ۹۳، سطر۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۷) : دیوانہ لیلیٰ۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۸۵) دیوانہ لیلے۔

۱۷۰۔ صفحہ۹۳، سطر۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۷) : جور رقیبان۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۸۵) : جور رقیبان۔ برعرش بریں۔

۱۷۱۔ صفحہ۹۴، سطر۲۰، ۲۱ : یہ عبارت گلشنِ ناز (صفحہ۳۶) میں نہیں، بعد کا اضافہ ہے۔

۱۷۲۔ صفحہ۹۶، سطر۱ سے قبل : مرأتِ خیالی کا سرورق ہے جس کی عبارت ملحقہ ۸ میں درج کردی گئی ہے۔
نیز مرأتِ خیالی میں تکملۂ گلشنِ ناز کا آغاز صفحہ۹ سے ہوتا ہے۔ اس کے آغاز کی عبارت

یہ ہے :

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تکملہ حصۂ اوّل تذکرۃ النّساے نادری کہ بہ اسمِ گلشنِ ناز سنہ ۱۸۷۶ء میں چھپ کر تازگی بخشِ دماغ روحِ مشتاقاں ہوا، اور اِن خوش گیوں کا کلام فرحت انضمام اُس کے بعد ہاتھ آیا۔ مجبوراس طرح لکھا گیا۔''

۱۷۳۔ صفحہ ۹۷، سطر ۲ : مرآتِ خیالی میں بانو بیگم سے دلشاد تک کے تراجم موجود نہیں۔ یہ تراجم بعد کا اضافہ ہیں۔ مرآتِ خیالی کے تکملے میں کُل آٹھ شاعرات کے تراجم شامل ہیں۔ ان میں سے پہلا ترجمہ دولت کا ہے۔

۱۷۴۔ صفحہ ۹۷، سطر ۴ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۹۲) : خدائی نکنم۔ آسی اُلدنی نے اِسے بنو بیگم لکھا ہے۔

۱۷۵۔ صفحہ ۹۷، سطر ۱۰، ۱۱ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۹۲): تو کنیم (ردیف)۔

۱۷۶۔ صفحہ ۹۸، سطر ۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۹۰) : آتش است و۔

۱۷۷۔ صفحہ ۹۹، سطر ۱۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۰۴) : گل و باغ و...... یکے است...... یکے است۔

۱۷۸۔ صفحہ ۱۰۰، سطر ۱۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۰۸) : کجا بودی تو امروز۔

۱۷۹۔ صفحہ ۱۰۰، سطر آخری تا صفحہ ۱۰۱، سطر ۵ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۹) میں عبارت جگہ جگہ سے مختلف ہے، لہٰذا مرآتِ خیالی سے دولت کا پورا ترجمہ درج کیا جاتا ہے :

''دولت تخلّص، بی بی دولت نام، سمرقندی، نابینا، فاضلہ کاملہ گزری ہے۔ جب کہ امیر تیمور وارد سمرقند ہوئے، سپاہی لُوٹ کھسوٹ کا اسباب اس بے چاری کے سر پر رکھ کر لے گئے۔ بادشاہ نے فرمایا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کی: دولت۔ حضور نے ارشاد کیا: کیا دولت اندھی ہوتی ہے؟ اس حاضر جواب نے عرض کیا کہ اگر اندھی نہ ہوتی تو لنگڑے کے گھر کیوں آتی؟ غرض یہ کہ یہ بدیہہ شعر اس کا ہے جو بہ آوازِ بلند کہتی جاتی تھی : آتش در......

اسی صداے جاں سوز سے اس کو حضوری کی نوبت پہنچی تھی۔

۱۸۰۔ صفحہ ۱۰۱، سطر ۱۰: حورِ مقصورات (صفحہ ۶۲) : دعوتم امشب...... بر بت سنگین دلِ نامہربان خویشتن۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۱۳) : دعوتم آں است۔

۱۸۱۔ صفحہ ۱۰۲، سطر ۹ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۱۷) :

ازاں ہستی بعالم شوخ و اوباش ، دو چشمانت جواں شیر قزلباش

۱۸۲۔ صفحہ ۱۰۳، سطر ۶: بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۵۱): از ہجر یار خود۔

حورِ مقصورات (صفحہ ۸۶) : دلی دارم بہ پہلو بے قرار از ہجر یار خود چہ گردم پیش۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۷۷) : دلے دارم بہ پہلو بیقرار از ہجر یاد خود چہ گریم پیش۔

۱۸۳۔ صفحہ ۱۰۴، سطر ۱۱، ۱۲: سراپِ خیالی (صفحہ ۹) میں عبارت مختلف ہے۔ اختلافات درج ذیل ہیں :

"...... مجھے ملیں اور اچھی ملیں۔ اگر یہ سخن اسی کا ہے تو بہت اچھا ہے۔ اس کے کلام سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ...... غنیمت ہے"۔

۱۸۴۔ صفحہ ۱۰۴، سطر ۱۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۳۵): خطا کارم۔

۱۸۵۔ صفحہ ۱۰۵، سطر ۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۳۵) : بہ خلوت خانہ از۔

۱۸۶۔ صفحہ ۱۰۵، سطر ۷: سراپِ خیالی (صفحہ ۹) : شاعرہ ماہرہ علوم کی یہ رباعی پسندیدہ ہاتھ آئی ہے۔

۱۸۷۔ صفحہ ۱۰۵، سطر ۱۴، ۱۵: سراپِ خیالی (صفحہ ۱۰): سنایا جاتا ہے اور یہ پاکدامنہ حضرت نظام الدین ...... گزری ہیں یعنی چھ سو چھتالیس ہجری نبوی میں انکی وفات لکھی ہے۔

۱۸۸۔ صفحہ ۱۰۶، سطر ۶: حورِ مقصورات (صفحہ ۱۴۸) : اشرقت وشعاع زچہرہ او...... بلے بلے

تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۴۶) : بلی بلی۔

قرۃُ العین طاہرہ (صفحہ ۱۱۲) : اشرقت وشعاع نزنی، بزن کہ بلی بلی

۱۸۹۔ صفحہ ۱۰۶، سطر ۹، ۱۰ : حورِ مقصورات (صفحہ ۱۴۹)، تذکرۃ الخواتین (ص ۲۴۸، ۲۴۹) :

فیضی مخور ایں غم قفس شب آہنگی کرد

۱۹۰۔ صفحہ ۱۰۷، سطر ۸: سراپِ خیالی (صفحہ ۱۰) : اس بی بی مجہول الاسم والحال کی یہ طرز مقال ہے۔

۱۹۱۔ صفحہ ۱۰۷، سطر ۹: تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۵۲) : سرو آہ است۔

۱۹۲۔ صفحہ ۱۰۸، سطر ۳ تا ۵: سراپِ خیالی (صفحہ ۱۰) : ارتنائی کا یہی ایک شعر ملا۔

صدائے کر غمی داری زبست سرنگوں خود قدح را ہم دم خود ساز خالی کن درونِ خود

۱۹۳۔ صفحہ ۱۰۸، سطر ۱۳ : سراپِ خیالی (صفحہ ۱۰) : مرقوم ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعرہ ارسطو جاہ کے وقت میں دکن میں جلوہ آرا تھی۔

۱۹۴۔ صفحہ ۱۰۸، سطر ۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۲۱۰) : امیر اعظم ولقمان خسرو...... کہ نام نامیش۔

۱۹۵۔ صفحہ ۱۰۹، سطر ۱۳: تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۷۹) : زلف نگار است۔

۱۹۶۔ صفحہ ۱۰۹، سطر ۱۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۲۸۴) : پُر افشاں...... سادہ قرآں بود۔

۱۹۷۔ صفحہ۱۱۰، سطر۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۸۶) : نمودن مارا۔

۱۹۸۔ صفحہ۱۱۰، سطر۶، ۷ : مرأتِ خیالی (صفحہ۱۰): ایک روز اس عورت نامعلوم الاسم نے یہ۔

۱۹۹۔ صفحہ۱۱۳، سطر۱ : آغاز کی اس عبارت سے قبل مرأتِ خیالی (صفحہ۱۱) میں ذیل کی عبارت درج ہے

''ہوالنادر۔''چمن انداز''۔

تذکرۃ النّساے نادری ، جس کا تاریخی نام مرأتِ خیالی رکھا گیا ہے اور دو حصّوں میں منقسم ہوا ہے۔ ازاں جملہ بخشِ اوّل ملقب بہ گلشنِ ناز اوّل دفعہ سنہ ۱۸۷۶ء میں حلیہ طبع سے آراستہ ہوا اور بہرۂ ثانی معروف بہ ''چمن انداز'' چھپنے کے واسطے سنہ ۱۸۷۸ء میں صاف ہو رہا ہے، یعنی اصل تذکرہ کا یہ دوسرا حصّہ ہے اور مولّف کا پانچواں مسودہ۔''

۲۰۰۔ صفحہ۱۱۳، سطر۷ : مرأتِ خیالی (صفحہ۱۲) : جس کا مدّعا یہ ہے کہ۔

۲۰۱۔ صفحہ۱۱۳، سطر۱۳ : مرأتِ خیالی (صفحہ۱۲) : اس کام سے دست بردار۔

۲۰۲۔ صفحہ۱۱۴، سطر۱۱ : مرأتِ خیالی (صفحہ۱۳) : آخر میں یہ عبارت زائد ہے : ''تمت مفاد کلامہ''۔

۲۰۳۔ صفحہ۱۱۵، سطر۵ : مرأتِ خیالی (صفحہ۱۳) : جنابِ ملکہ معظمہ۔

۲۰۴۔ صفحہ۱۱۹، سطر۵ : مرأتِ خیالی (صفحہ۱۶) : تیری عالی نسبی۔

۲۰۵۔ صفحہ۱۱۹، سطر۸ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۷) : ماہِ فلک و مہر کرم۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰) : ماہِ فلک و مہر کرم۔

بہارستانِ ناز (صفحہ۹۳) : تیرے جلوے سے۔

۲۰۶۔ صفحہ۱۱۹، سطر۱۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ۹۳) : واہ کیا شان ہے، کیا رُتبہ ہے اور کیا درجا۔

۲۰۷۔ صفحہ۱۱۹، سطر۱۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ۹۴) :

سب سے پیدا کیا اللہ نے پہلے ترا نور پردۂ نور کو اللہ نے رکھا مستور

۲۰۸۔ صفحہ۱۱۹، سطر۲۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۹۴) : گلشن چرخ بنی تیرے براے گل گشت

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۱۱) : ہی پے گل گشت۔

۲۰۹۔ صفحہ۱۱۹، سطر آخری : بہارستانِ ناز (صفحہ۹۴): ......یہ جنات بھی حشت ......افلاک گذشت

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۱۱) : ......یہ جنات حشت ......افلاک گذشت

۲۱۰۔ صفحہ۱۲۰، سطر۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۹۴) : تیری ہوئی سرمۂ۔

۲۱۱۔ صفحہ۱۲۰، سطر۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۹۴) : تو اے شاہِ امم۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۱۱): براے شاہ ام۔

۲۱۲۔ صفحہ۱۲۰، سطر۵، ۶: بہارستانِ ناز (صفحہ۹۴): کوئی بات ...... اے بحرِ نجات ......لبا نیم و توئی۔

۲۱۳۔ صفحہ۱۲۰، سطر۱۱، ۱۲: بہارستانِ ناز (صفحہ۹۵): سبب سے مری —— کی طرف سے۔

۲۱۴۔ صفحہ۱۲۰، سطر۱۸: بہارستانِ ناز (صفحہ۹۵): اُن کا تو کھیل۔

۲۱۵۔ صفحہ۱۲۰، سطر۱۹: بہارستانِ ناز (صفحہ۹۵): اُس کے تئیں۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۱۲): ٹکڑے اڑا دیے۔

۲۱۶۔ صفحہ۱۲۰، سطر۲۰: بہارستانِ ناز (صفحہ۹۵): دل نے ہمیں کو۔

۲۱۷۔ صفحہ۱۲۱، سطر۸: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۰۰): اُس کے دل۔

۲۱۸۔ صفحہ۱۲۱، سطر۱۱: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۰۵): تو او بت ترسا۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۵): او بت کافر۔

۲۱۹۔ صفحہ۱۲۱، سطر۱۲: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۰۵): کیسا گستاخانہ آتا ہے۔

۲۲۰۔ صفحہ۱۲۱، سطر۱۶: بہارستانِ ناز (صفحہ۹۶)؛ تذکرۃ الخواتین (ص۱۶): گر مجھ... تو یوں میں...

۲۲۱۔ صفحہ۱۲۱، سطر۱۹: بہارستانِ ناز (صفحہ۹۶): ضعیفی میں۔

۲۲۲۔ صفحہ۱۲۲، سطر۱۲: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۰۵): غصے سے۔ پس یار۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۷): یار مجھ پہ۔

۲۲۳۔ صفحہ۱۲۲، سطر۱۵، ۱۶: ان دو سطور کا مواد (افسوس......تا......راجعون) مرأتِ خیالی (ص۱۹) میں نہیں۔

۲۲۴۔ صفحہ۱۲۳، سطر۱۲: تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۰): قرباں نہ کیجیے —— پریشاں نہ کیجیے۔

۲۲۵۔ صفحہ۱۲۴، سطر آخری: تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۷۵): کر دل بھی۔

بہارستانِ ناز (صفحہ۱۰۸)؛ تذکرۃ الخواتین (ص۲۱): مجھ کو۔

۲۲۶۔ صفحہ۱۲۵، سطر۳: مرأتِ خیالی (صفحہ۲۰): تیرے مرنے۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۲): موت آتی ہے نہ ہے زیست کا یارا مجھ کو

بہارستانِ ناز (صفحہ۱۰۸، ۱۰۹) اور تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۲) میں ردیف ''مجھ کو'' ہے۔

۲۲۷۔ صفحہ۱۲۵، سطر۶: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۰۹): فغاں کی تری۔

۲۲۸۔ صفحہ۱۲۵، سطر۸: تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۲): آتشِ غم ہی۔

۲۲۹۔ صفحہ۱۲۵، سطر۱۳: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۲): آنکھیں میں لڑاؤں کہیں اُس۔

۲۳۰۔ صفحہ۱۲۵،سطر۱۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۲) : مرے جی میں۔ بار نظر سے۔

۲۳۱۔ صفحہ۱۲۵،سطر۱۸ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۴) : برسوں خمِ گیسو میں۔ اب کہتے ہو...... مجھے۔

بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۲): اب کہتی ہو کیا تم نے مجھے۔

۲۳۲۔ صفحہ۱۲۵،سطر۱۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۲)؛ تذکرۃ الخواتین (ص۲۴) :

کچھ بے ادبی اور شب وصل نہیں کی۔

۲۳۳۔ صفحہ۱۲۵،سطر۲۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۲) : طرف سے تری ظالم۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۴) : تری طرف سے ظالم۔

۲۳۴۔ صفحہ۱۲۶،سطر۴ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۵) : بہار کی اک یہ۔

۲۳۵۔ صفحہ۱۲۶،سطر۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۳)؛ تذکرۃ الخواتین (ص۲۵) :نہیں مجھ کو دو بھر۔

۲۳۶۔ صفحہ۱۲۶،سطر۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۳):دوگانا۔ تذکرۃ الخواتین (ص۲۵) : دُگانا۔

۲۳۷۔ صفحہ۱۲۶،سطر۱۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۳) : شانا۔ تذکرۃ الخواتین (ص۲۶): شادا۔

۲۳۸۔ صفحہ۱۲۶،سطر۱۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۳)؛ تذکرۃ الخواتین (ص۲۶): گھر سہ گانہ کے دوگانا۔

۲۳۹۔ صفحہ۱۲۸،سطر۲ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۷): پہنے ہیں۔

۲۴۰۔ صفحہ۱۲۸،سطر۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۸):ہاتھ سینے پہ۔

۲۴۱۔ صفحہ۱۲۸،سطر۱۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۸) : کیا مزا پائے گی۔

۲۴۲۔ صفحہ۱۲۸،سطر۱۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۸) ؛ تذکرۃ الخواتین (ص۳۷):نہیں کھنچی۔

۲۴۳۔ صفحہ۱۳۰،سطر۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۲۰) : تمھاری کاکل شب۔

۲۴۴۔ صفحہ۱۳۰،سطر۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۱۹) : زاہدو۔

۲۴۵۔ صفحہ۱۳۰،سطر۱۰ : مرآتِ خیالی (صفحہ۲۵) : دہلی میں بھی تھی۔

۲۴۶۔ صفحہ۱۳۰،سطر۱۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۲۳) :اس میں آ جا کہ مینھ برستا ہے۔

۲۴۷۔ صفحہ۱۳۰،سطر آخری : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۲۳) : ایک بوسے پہ۔

۲۴۸۔ صفحہ۱۳۱،سطر۵: تذکرۃ الخواتین (صفحہ۳۰) : اس جان ناتواں کی۔

۲۴۹۔ صفحہ۱۳۱،سطر۶، ۷ : قوسین میں ''تنبیہ'' کی عبارت مرآتِ خیالی (صفحہ ۲۵) میں نہیں۔ یہ بعد کا اضافہ ہے۔

۲۵۰۔ صفحہ۱۳۱،سطر۱۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۲۱) : ہووے گا فیصلہ۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۴۱) : ......گا دل کا......ہووے گا فیصلہ دل کا۔

۲۵۱۔ صفحہ۱۳۱،سطر۱۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۲۱) : ہمیں راس نہیں ہے۔

۲۵۲۔ صفحہ۱۳۱،سطر۲۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۲۳)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۴۱) : مجھ کو ترا۔

۲۵۳۔ صفحہ۱۳۲،سطر۲: تذکرۃ الخواتین (صفحہ۴۱) : زیبا ہے۔

۲۵۴۔ صفحہ۱۳۲،سطر۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۲۳) : جھانج کرتا ہے۔

۲۵۵۔ صفحہ۱۳۲،سطر۲۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۲۴) : یاں سے جاتا تھا۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۴۵) : بہاتا تھا۔

۲۵۶۔ صفحہ۱۳۳،سطر۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۲۴) : یہ کس کے —— مرے شعلے نے۔

۲۵۷۔ صفحہ۱۳۴،سطر۱ : مرأتِ خیالی (صفحہ۲۷) : تذکرۂ حکیم صاحب موصوف سے۔

۲۵۸۔ صفحہ۱۳۴،سطر۱۲ : مرأتِ خیالی (صفحہ۲۸) : حکیم قاسم صاحب کا فرمودہ۔

۲۵۹۔ صفحہ۱۳۴،سطر۲۰: مرأتِ خیالی (صفحہ۲۸) : سے یہ بہا لگایا ہے۔

۲۶۰۔ صفحہ۱۳۵،سطر۳تا۵ : ''اختر تاباں'' تا ''کہتی تھی'' کی عبارت مرأتِ خیالی (صفحہ۲۹) میں نہیں، بعد کا اضافہ ہے۔

۲۶۱۔ صفحہ۱۳۵،سطر۱۳ : مرأتِ خیالی (صفحہ۲۹) : جس کے یہ دو شعر۔

۲۶۲۔ صفحہ۱۳۶،سطر۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۲۹) : واہ واہ —— واہ واہ۔

۲۶۳۔ صفحہ۱۳۶،سطر آخری : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۳۳) : لذت دیدار کو اپنے۔

۲۶۴۔ صفحہ۱۳۷،سطر۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۳۹) : تارے گن گن کے ہے عالم نے۔

۲۶۵۔ صفحہ۱۳۷،سطر۱۰ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۸۶) :غازالدین۔

۲۶۶۔ صفحہ۱۳۸،سطر۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۳۳) : ناز تجھ کو۔

۲۶۷۔ صفحہ۱۳۸،سطر۵ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۸۶) : نالۂ نازاں۔

۲۶۸۔ صفحہ۱۳۸،سطر۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۳۴) : حوروں کے مزے۔

۲۶۹۔ صفحہ۱۳۸،سطر۱۸ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۵۷) : کیونکر جہانگیر —— ٹھہرائی ہو جو۔

۲۷۰۔ صفحہ۱۳۹،سطر۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۳۷) : پائے دیوانہ ہوا۔

۲۷۱۔ صفحہ۱۳۹،سطر۲۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۳۰) : دل میرا لیا صاف چرا تیری —— اس بات کی۔

۲۷۲۔ صفحہ۱۴۰،سطر۱۸، ۱۹ : ''تنبیہ'' سے آخر تک کی عبارت مرأتِ خیالی (صفحہ۳۴) میں نہیں ہے۔

یہ بعد کا اضافہ ہے۔

۲۷۳۔ صفحہ ۱۴۱، سطر ۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۲۹) : تیرا کیا—— پھرا حیدر سے پھرا
نادر نے یہ شعر ''فاعلاتن مفاعلن فعلن'' کے وزن پر درج کیا ہے، جب کہ رنج میرٹھی نے اس کا
وزن ''فاعلاتن فعلاتن فعلن'' لیا ہے۔ دوسرے مصرعے میں دونوں کے اختلافات دیکھتے
ہوئے رنج میرٹھی کا اندراج صحیح یا قابلِ ترجیح لگتا ہے۔

۲۷۴۔ صفحہ ۱۴۱، سطر ۱۳ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۳۴) : چھوڑ کسی انگریز۔

۲۷۵۔ صفحہ ۱۴۲، سطر ۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۳۹) : دانے کے نہیں ہم۔

۲۷۶۔ صفحہ ۱۴۲، سطر ۷ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۳۵) : مجھے اس میں کلام ہے۔

۲۷۷۔ صفحہ ۱۴۲، سطر ۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۴۰)؛ تذکرۃ الخواتین (ص ۶۲) : میں تجھ کو۔

۲۷۸۔ صفحہ ۱۴۲، سطر ۱۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۴۲) : تم اُٹھ کے۔

۲۷۹۔ صفحہ ۱۴۲، سطر ۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۴۲) : ہاے صد افسوس۔

۲۸۰۔ صفحہ ۱۴۳، سطر ۸ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۶۴) : تا مجھ کو۔

۲۸۱۔ صفحہ ۱۴۳، سطر ۱۰ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۳۵) : انتظام الدولہ خانصاحب۔

۲۸۲۔ صفحہ ۱۴۳، سطر ۱۲ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۳۶) : ''مشہور ہیں'' کے بعد کی عبارت موجود نہیں۔

۲۸۳۔ صفحہ ۱۴۳، سطر ۱۶ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۳۶) : دل داغدار۔

۲۸۴۔ صفحہ ۱۴۳، سطر ۱۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۴۱) : ہم جو بھکتے جاویں—— جاویں مہکتے جاویں۔

۲۸۵۔ صفحہ ۱۴۳، سطر ۲۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۶۵) : اُسے آباد کرو۔

۲۸۶۔ صفحہ ۱۴۳، سطر ۲۲ : یہ شعر مرآتِ خیالی (صفحہ ۳۶) میں نہیں۔ بعد کا اضافہ ہے۔

۲۸۷۔ صفحہ ۱۴۴، سطر ۶ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۳۶) : مہربان نام۔

۲۸۸۔ صفحہ ۱۴۵، سطر ۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۴۴) : فرشتے کی—— جس وقت میں۔

۲۸۹۔ صفحہ ۱۴۵، سطر ۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۴۴) : دیوانہ بنادیتے ہو۔

۲۹۰۔ صفحہ ۱۴۵، سطر ۱۴ : ''تنبیہ'' کی یہ عبارت مرآتِ خیالی (صفحہ ۳۷) میں نہیں۔ بعد کا اضافہ ہے۔

۲۹۱۔ صفحہ ۱۴۶، سطر ۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۶۶) : اے یارِ خدایا۔

۲۹۲۔ صفحہ ۱۴۶، سطر ۵ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۶۶) : الٰہی

۲۹۳۔ صفحہ ۱۴۷، سطر ۳ : تذکرۃ النساے نادری (صفحہ ۹۳) : بندکو عطا کی ہے۔

۲۹۴۔ صفحہ۱۴۸،سطر۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۷۰) : علامۂ دہر۔

۲۹۵۔ صفحہ۱۴۸،سطر۱۷ : مرأتِ خیالی (صفحہ۳۹) : المختصر،یہ اُس کا۔

۲۹۶۔ صفحہ۱۴۸،سطر۲۳ : مرأتِ خیالی (صفحہ۳۹) : نہ نکلے۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۷۱) : اشک یوں ہرگز نہ نکلے۔

۲۹۷۔ صفحہ۱۴۹،سطر۱ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۷۱) : الٰہی۔

۲۹۸۔ صفحہ۱۴۹،سطر۷تا صفحہ۱۵۰،سطر۱۸ : ''امیر اللہ تسلیم'' تا نامہ تسلیم کے آخر تک کی عبارت مرأتِ خیالی (صفحہ۴۰) میں موجود نہیں۔

۲۹۹۔ صفحہ۱۵۱،سطر۲ : مرأتِ خیالی (صفحہ۴۰) : ادب وریاضی وہندسہ ونجوم۔

۳۰۰۔ صفحہ۱۵۱،سطر۱۶ : مرأتِ خیالی (صفحہ۴۰) : 'لیا لیا کہتا'۔ چھپائی خراب ہے،الفاظ واضح نہیں۔

۳۰۱۔ صفحہ۱۵۱،سطر۲۰ : مرأتِ خیالی (صفحہ۴۰) : راقم آثم۔

۳۰۲۔ صفحہ۱۵۲،سطر۱ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۷۱) : یہ منھدی۔

۳۰۳۔ صفحہ۱۵۲،سطر۲۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۷۳) : ہم سے کسی روٹھے کو۔

۳۰۴۔ صفحہ۱۵۳،سطر۷: تذکرۃ الخواتین (صفحہ۷۴) : اور دیجیے۔

۳۰۵۔ صفحہ۱۵۳،سطر۱۴،۱۵ : ''بہار مطبوعہ......تا......عقد کرلیا'' کی عبارت مرأتِ خیالی (صفحہ۴۲) میں نہیں۔یہ بعد کا اضافہ ہے۔

۳۰۶۔ صفحہ۱۵۳،سطر آخری : تذکرۃ النساے نادری (صفحہ۱۰۰) : "تا صحِ زینت"۔صریحاً کتابت کی غلطی ہے۔

۳۰۷۔ صفحہ۱۵۵،سطر۱ : تذکرۃ النساے نادری (صفحہ۱۰۱) : خط وکتابت۔

۳۰۸۔ صفحہ۱۵۵،سطر۲تا۴ : ''تنبیہ'' کی یہ عبارت مرأتِ خیالی (صفحہ۴۳) میں نہیں،بعد کا اضافہ ہے۔

۳۰۹۔ صفحہ۱۵۵،سطر۵،۶ : یہ شعر: تذکرۃ الخواتین (صفحہ۸۱) میں سلطان کے کلام میں بھی درج ہے۔نیز ''اُٹھائے'' کی جگہ ''اُٹھاے'' درج ہے۔

۳۱۰۔ صفحہ۱۵۵،سطر۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۷۹) : واں پر۔

۳۱۱۔ صفحہ۱۵۵،سطر۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۵۲) : دل ندیم وہمدم وحال نہ ہوگا۔

۳۱۲۔ صفحہ۱۵۵،سطر۹ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۷۹) : ''سمجھے دل میں یا پنے بلبل''۔

یہی شعراس تذکرے میں سلطان کے کلام میں بھی درج کیا گیا ہے۔

۳۱۳۔ صفحہ۱۵۵،سطر۱۱ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۷۹) : ہم نے شیخ صاحب۔

۳۱۴۔ صفحہ ۱۵۵، سطر ۱۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۷۹) : یہ کیا ہے سردار تجھ کو۔

۳۱۵۔ صفحہ ۱۵۵، سطر ۱۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۷۹) : پھنسائے دل۔

۳۱۶۔ صفحہ ۱۵۵، سطر ۱۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۵۲) : مجھ کو یار نے۔

۳۱۷۔ صفحہ ۱۵۵، سطر ۲۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۸۰) : بنائے دل۔

۳۱۸۔ صفحہ ۱۵۵، سطر ۲۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۵۳) : دل میرا۔

۳۱۹۔ صفحہ ۱۵۶، سطر ۱ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ ۱۰۲) : "نہ لگی آنکھ"۔
یہی شعر تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۸۱) میں سلطانؔ کے کلام میں بھی شامل ہے۔

۳۲۰۔ صفحہ ۱۵۶، سطر ۲ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ ۱۴) ؛ تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۸۰) : مرے پاس سے۔

۳۲۱۔ صفحہ ۱۵۶، سطر ۴ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۴۴) : "میں کیا کروں تم سے"۔ کتابت کی غلطی ہے۔

۳۲۲۔ صفحہ ۱۵۶، سطر ۵ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۸۰) : اب زیست بھاری ہے۔

۳۲۳۔ صفحہ ۱۵۶، سطر ۱۶، ۱۷: مرآتِ خیالی (صفحہ ۴۴) : میں مصرع سے قبل "مصرع" اور بعد میں "غزل" لکھا ہے۔ دونوں جلی قلم سے کتابت کیے گئے ہیں۔

۳۲۴۔ صفحہ ۱۵۶، سطر ۱۷ : یہ شعر تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۸۱) میں سلطانؔ کے کلام کا بھی حصّہ ہے۔

۳۲۵۔ صفحہ ۱۵۷، سطر ۱۹ : ایضاً۔ نیز تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ ۱۰۲) : کڑھا کڑھوں۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۸۱) : کڑھا کرو۔

۳۲۶۔ صفحہ ۱۵۷، سطر ۱ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۴۵) : فاتحہ دلوائی۔

۳۲۷۔ صفحہ ۱۵۷، سطر ۸ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۴۵)، بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۵۱)،
تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۸۱) : جان پہ آئی۔

۳۲۸۔ صفحہ ۱۵۷، سطر ۱۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۵۲) : سرائے دل۔

۳۲۹۔ صفحہ ۱۵۷، سطر ۱۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۵۲) : سلطان غزل۔

۳۳۰۔ صفحہ ۱۵۹، سطر ۷، ۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۶۱) : سینکڑوں۔

۳۳۱۔ صفحہ ۱۵۹، سطر ۱۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۸۸) : ناچار ہیں۔

۳۳۲۔ صفحہ ۱۵۹، سطر ۱۲: تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۸۸) : رہنے کے لئے۔ تیغ قاتل نے۔

۳۳۹۳۔ صفحہ ۱۵۹، سطر ۱۸ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ ۱۵) : دے گا وہیں۔ تیغ سپاگر۔

۳۳۴۔ صفحہ ۱۵۹، سطر ۱۹ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ ۱۶) : ڈھونڈتا ہوں کب سے دل۔

۳۳۵۔ صفحہ۱۵۹،سطر آخری : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۹۱) : تجھ کو بھلا کیا کیجیے۔

۳۳۶۔ صفحہ۱۶۰،سطر۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۹۰) : مردہ زندہ ہو گئے۔

۳۳۷۔ صفحہ۱۶۰،سطر۵ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۹۱) : نظارا ہوا ہے۔

مرآتِ خیالی (صفحہ۴۸) میں یہ شعر نہیں۔

۳۳۸۔ صفحہ۱۶۰،سطر۱۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۵۷) : عکسِ گل تر ہزار بل کھائیں ہے۔

۳۳۹۔ صفحہ۱۶۰،سطر۱۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۵۶) : پھر مجھے شوق سے پہنائیں وہ زنجیریں دو۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۸۹) : مرے پاؤں میں۔

۳۴۰۔ صفحہ۱۶۰،سطر۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۵۶)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۸۹) :

دونوں زلفوں پاؤں/پاؤں میں۔

۳۴۱۔ صفحہ۱۶۰،سطر۱۸ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۸۹) : سینہ کی سوزش۔

۳۴۲۔ صفحہ۱۶۰،سطر۱۹ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۸۹) : یا بہانہ سے۔

تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۱) : سوجھیں ہیں تدبیریں دو۔

۳۴۳۔ صفحہ۱۶۱،سطر۱۵ : مرآتِ خیالی (صفحہ۴۹) : ہم غلط ہیں۔از خاندان عمادالملک کے معنی یہ بات ظاہر نہیں کرتے۔

۳۴۴۔ صفحہ۱۶۲، سطر۷: تذکرۃ الخواتین (صفحہ۹۸) : فتنہ کو بیدار۔

۳۴۵۔ صفحہ۱۶۲،سطر۸ : "تنبیہ" کی یہ عبارت مرآتِ خیالی (صفحہ۵۰) میں نہیں۔یہ بعد کا اضافہ ہے۔

۳۴۶۔ صفحہ۱۶۲،سطر۱۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۹۹) : ہاتھ اِک اور۔

۳۴۷۔ صفحہ۱۶۲،سطر۲۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۹۹) : یا الٰہی۔

۳۴۸۔ صفحہ۱۶۳،سطر۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۹۹) : مقابل ہو ترے لب کے اگر مصری۔

ترے ہونٹوں کی ہم چشمی۔

۳۴۹۔ صفحہ۱۶۳،سطر۱۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۵۵) : ترے رُخ کی تجلی۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۰) : رات حسرت سے۔

۳۵۰۔ صفحہ۱۶۳،سطر۱۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۰) : کیا فائدہ ہو عمر جو۔

۳۵۱۔ صفحہ۱۶۳،سطر۱۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۵۵) : آگاہ کسی سے۔

مرآتِ خیالی (صفحہ۵۱) : نے نامہ نہ پیغام۔

۳۵۲۔ صفحہ۱۶۳،سطر۲۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۵۵) : جھوٹ کہتا ہے۔ مجھ کو باور۔

۳۵۳۔ صفحہ۱۶۳،سطر۲۵ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۰۹) : دل میرا لے کے۔

۳۵۴۔ صفحہ۱۶۳،سطر۲۶ : مراتِ خیالی (صفحہ۵۱)، تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۰۹) :
بغیر دیکھے تیرے اب تو نہیں رہتی چشم۔

۳۵۵۔ صفحہ۱۶۴،سطر۱ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۰۹) : تراہوے تو ہوے۔

۳۵۶۔ صفحہ۱۶۴،سطر۵ : مراتِ خیالی (صفحہ۵۱) : میر محمدی شیر۔

۳۵۷۔ صفحہ۱۶۴،سطر۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۵۹) : بہتر یہ ہے کہ کوئی نہ۔

۳۵۸۔ صفحہ۱۶۴،سطر۱۰ : تذکرۂ شمیمِ سخن (صفحہ۱۷) جاے دل۔ آے دل۔

۳۵۹۔ صفحہ۱۶۴،سطر۱۱ : تذکرۂ شمیمِ سخن (صفحہ۱۷) : "آے دل"۔اس تذکرے میں اس غزل
کے قافیے "پھنساے"، "جائے"، "لگاے" (بدون ہمزہ) درج ہیں۔

۳۶۰۔ صفحہ۱۶۴،سطر۱۲ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۳) : سینہ سے پھینک دیں۔ مجھ کو پھنساے دل۔

۳۶۱۔ صفحہ۱۶۴،سطر۱۳ : تذکرۂ شمیمِ سخن (صفحہ۱۷) : تو ذرا دیکھ بھال کر۔

۳۶۲۔ صفحہ۱۶۵،سطر۴ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۴) : تجھ کو جلوہ گر دیکھا۔

۳۶۳۔ صفحہ۱۶۵،سطر۵ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۱۰) : ثمرہ دیکھا۔

۳۶۴۔ صفحہ۱۶۵،سطر۹ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۴) : مثل آئینہ آئے۔

۳۶۵۔ صفحہ۱۶۵،سطر۱۱ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۱۰) : زلف وآبروکی سانپ وبچھوکی۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۴) : سانپ وبچھو۔

۳۶۶۔ صفحہ۱۶۵،سطر۱۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۰) : خدا جانے ہے دل میں کیا بدگمانی۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۴) : کھاتے نہیں ہیں۔

۳۶۷۔ صفحہ۱۶۵،سطر۲۳ : مراتِ خیالی (صفحہ۵۳) : ایک دفتر بھروں۔

۳۶۸۔ صفحہ۱۶۶،سطر۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۴)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۷) : صراحی و مے۔

۳۶۹۔ صفحہ۱۶۶،سطر۸ : تذکرۂ شمیمِ سخن (صفحہ۳۲) : ح کو بھی تری زلف نے۔
بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۴) : کافر کیا مجھ کو نے کھویا تری۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۷) : کافر کیا مجھ کو۔

۳۷۰۔ صفحہ۱۶۶،سطر۱۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۵) : فصل گل آئی ہے۔

۳۷۱۔ صفحہ۱۶۶،سطر۱۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۵)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۵) : پاؤں آہستہ سے۔

۳۷۲۔ صفحہ۱۶۶،سطر۱۶ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۱۱) : تری صورت پہ۔ تری اُلفت میں۔

۳۷۳۔ صفحہ۱۶۶،سطر۱۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۵) : خانۂ جسم سے؛

بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۵): خانۂ جسم سے ... سدھارے مری روح گھر جاتی ہیں،تھوڑی۔

۳۷۴۔ صفحہ۱۶۶،سطر۱۸ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۱۲) : وعدہ ہی پہ۔

۳۷۵۔ صفحہ۱۶۶،سطر آخری : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۱۲) : میرے ارمان۔

۳۷۶۔ صفحہ۱۶۷،سطر۳ : مرأتِ خیالی (صفحہ۵۴) : پورب سے طلوع ہو جلوہ۔

۳۷۷۔ صفحہ۱۶۷،سطر۹،۱۰ : مرأتِ خیالی (صفحہ۵۴) : مثنوی قول غمیں اس کی۔

۳۷۸۔ صفحہ۱۶۷،سطر۱۳: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۶)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۹) : سماں یہ۔

۳۷۹۔ صفحہ۱۶۷،سطر۱۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۶)، تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۱۸) : نظارے میں۔

۳۸۰۔ صفحہ۱۶۷،سطر۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۶) : تم کر۔ تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۹): طے کر رکھو۔

۳۸۱۔ صفحہ۱۶۷،سطر۱۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۶) : کچھ نگہِ یار۔

۳۸۲۔ صفحہ۱۶۷،سطر۲۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۷) : دکھلاؤ۔ تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۰۹): تو مرے۔

۳۸۳۔ صفحہ۱۶۸،سطر۳ : مرأتِ خیالی (صفحہ۵۵) : بادشاہ نامہ۔

۳۸۴۔ صفحہ۱۶۸،سطر۷: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۸)، تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۲) : یاد نا۔

۳۸۵۔ صفحہ۱۶۸،سطر۱۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۸) : اُٹھائیں ہاتھ۔

۳۸۶۔ صفحہ۱۶۸،سطر۱۶، ۱۷ : مرأتِ خیالی (صفحہ۵۵) : یہی ایک شعر اُس کا۔

۳۸۷۔ صفحہ۱۶۸،سطر آخری : یہ شعر مرأتِ خیالی (صفحہ۵۵) میں موجود نہیں۔ بعد کا اضافہ ہے۔

۳۸۸۔ صفحہ۱۶۹،سطر۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۶۷) : مر گئے پھر یہ۔

۳۸۹۔ صفحہ۱۶۹،سطر۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۷۱) : ہمارا تم سے تمھارا ہم سے۔

۳۹۰۔ صفحہ۱۷۰،سطر۱ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۱۳) : مجھ کو خاک۔

۳۹۱۔ صفحہ۱۷۰،سطر۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۱۳) : کیجیے گا۔

بہارستانِ ناز (صفحہ۱۷۱) : سے کہے گا ہے۔

۳۹۲۔ صفحہ۱۷۰،سطر۵ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۳) : سوتے ہیں شب۔

۳۹۳۔ صفحہ۱۷۰،سطر۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۷۱) : شمشاد و سرو سایۂ۔

۱۲۹۲	۱۲۹۴

۳۹۴۔ صفحہ۱۷۱،سطر۶ : مراتِ خیالی (ص۵۷) : سرودِ غیبی یعنی خیابانِ تاریخ۔

۳۹۵۔ صفحہ۱۷۲،سطر۲ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۳) : عالم وہ ترے ہوں گے طلبگار اُسی دن؛
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۱) : ستم کوئی بھی ایجاد۔

۳۹۶۔ صفحہ۱۷۲،سطر۵ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۱) : کرو کاکل کا۔

۳۹۷۔ صفحہ۱۷۲،سطر۱۱ : (جب کہ باغ) یہ شعر مراتِ خیالی (صفحہ۷۰) میں نہیں ہے۔ بعد کا اضافہ لگتا ہے۔

۳۹۸۔ صفحہ۱۷۲،سطر۱۵ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۲) : گرمیِ عشق۔

۳۹۹۔ صفحہ۱۷۲،سطر آخری : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۳۰) : مدرسہ مشہور ہے۔

۴۰۰۔ صفحہ۱۷۳،سطر۱۵ : مراتِ خیالی (صفحہ۷۱) : اور یہ بھی تحقیق ہوگیا۔

۴۰۱۔ صفحہ۱۷۳،سطر۱۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۷۸) : غنچے کو؛ تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۳) : برگ گل۔

۴۰۲۔ صفحہ۱۷۴،سطر۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۷۹) : مجھ کو دلِ زار۔

۴۰۳۔ صفحہ۱۷۴،سطر۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۵) : پروانہ ہو۔

۴۰۴۔ صفحہ۱۷۴،سطر۸ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۵) : گر صبا دل میں جگہ۔

۴۰۵۔ صفحہ۱۷۴،سطر آخری : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۳) : ہم نے پائی ہے۔

۴۰۶۔ صفحہ۱۷۵،سطر۵ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۳۱) : ہو میرے تو بھی۔

۴۰۷۔ صفحہ۱۷۵،سطر۷: تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۱۹)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۷) :زلف رسا سے۔

۴۰۸۔ صفحہ۱۷۵،سطر۸ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۱۹): چھوڑوں گا؛ مراتِ خیالی (صفحہ۷۱) : کچھ ہے؛
بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۰)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۷) : کیا تجھ کو۔

۴۰۹۔ صفحہ۱۷۵،سطر۱۵: تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۸) : ایک ہی زبان۔

۴۱۰۔ صفحہ۱۷۶،سطر۲،۴ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۹) : کیجیے۔

۴۱۱۔ صفحہ۱۷۶،سطر۵ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۳)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۲۹) : پاؤں مری۔

۴۱۲۔ صفحہ۱۷۶،سطر۱۰ : ”تنبیہ“ کی یہ عبارت مراتِ خیالی (صفحہ۷۲) میں نہیں ہے۔

۴۱۳۔ صفحہ۱۷۶،سطر۱۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۳۰) : گریباں چھوٹا۔

۴۱۴۔ صفحہ۱۷۶،سطر آخری : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۵) : بُت کی یہ۔

۴۱۵۔ صفحہ۱۷۷، سطر۵ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۳۱) : ستارہ ہے اک میرے۔

۴۱۶۔ صفحہ۱۷۷، سطر۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۳۱) : مری آہ کی کارفرمائیاں ہیں پتہ لامکاں۔

۴۱۷۔ صفحہ۱۷۷، سطر۱۰ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۳۳) : سوئی ہوں۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۳۲): شراب نزع کے وقت اُٹھوں گی حشر میں ساقی۔

۴۱۸۔ صفحہ۱۷۸، سطر۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۹۰) : کہ بس ہاتھ کو۔

۴۱۹۔ صفحہ۱۷۸، سطر۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۹۰) : جانتی بھی ہو۔

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۳۸) : کہا کرتے ہو۔

۴۲۰۔ صفحہ۱۷۸، سطر۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۹۰) : بند کھولو گی۔

۴۲۱۔ صفحہ۱۷۸، سطر۱۰، ۱۱: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۶) : تیرا بادشاہ۔ ہو کر کنیز غیر کی۔

۴۲۲۔ صفحہ۱۷۸، سطر۱۳ : مرآتِ خیالی (صفحہ۴۷) میں یہ "نکتۂ تحقیق" نہیں ہے۔

۴۲۳۔ صفحہ۱۷۹، سطر۱۲ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۷) : جدا ذات تری۔

۴۲۴۔ صفحہ۱۷۹، سطر۱۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۷)، تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۴۳۵) : موسیٰ وعمراں۔

۴۲۵۔ صفحہ۱۷۹، سطر۱۹: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۷) : برتر از آدم وعالم۔

۴۲۶۔ صفحہ۱۷۹، سطر۲۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۷) : تو ہی بانی ہے۔

۴۲۷۔ صفحہ۱۸۰، سطر۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۸) : ہیں شجر اور حجر بستان مدینہ تو۔

۴۲۸۔ صفحہ۱۸۰، سطر۲ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۰) : یہ شیریں لقبی۔

۴۲۹۔ صفحہ۱۸۰، سطر۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۸) : دریں خاکِ عرب۔

۴۳۰۔ صفحہ۱۸۰، سطر۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۸) : ہوئے تابِ حیات۔

۴۳۱۔ صفحہ۱۸۰، سطر۱۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۸) : لبا نیم وتوئی۔

۴۳۲۔ صفحہ۱۸۰، سطر۱۲ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۳۶) : سرافراز! نظر۔

۴۳۳۔ صفحہ۱۸۰، سطر۱۵، ۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۹) : ہو تم شافی۔ حازم در گریہ کفی۔

۴۳۴۔ صفحہ۱۸۰، سطر۱۷ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۳۶) : درماں طلبی؛

بہارستانِ ناز (صفحہ۱۸۹) : پئے درماں طلبی۔

۴۳۵۔ صفحہ۱۸۱، سطر۲، ۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۲) : کیجیے۔ دیجیے۔

۴۳۶۔ صفحہ۱۸۱، سطر۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۹۱) : میں آپ لے لوں گی۔

۴۳۷۔ صفحہ۱۸۱، سطر۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۹۱)؛ تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۲) : بنایا مجھ کو؛
تذکرۂ شمیم سخن (ص۱۹) : کیا نہ کون سا۔

۴۳۸۔ صفحہ۱۸۱، سطر۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۹۱) : کسی کے یار نہیں۔

۴۳۹۔ صفحہ۱۸۱، سطر۱۰، ۱۱ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۳) : کہیے یہ ماجرا۔ غیر اچھا ہی ہوگا۔

۴۴۰۔ صفحہ۱۸۱، سطر۱۳ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۵) : مج سے ملا کر؛
مرأتِ خیالی (صفحہ۷۷) : ستم ر۔

۴۴۱۔ صفحہ۱۸۱، سطر۱۴ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۵)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۳): شرم کھا کر مسکرا کر۔

۴۴۲۔ صفحہ۱۸۱، سطر۲۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۱۹۲) : مری تاثیر۔

۴۴۳۔ صفحہ۱۸۲، سطر۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۵) : ہمنشیں راہ میں وہ کوئی۔ زمانا نہ رہا۔

۴۴۴۔ صفحہ۱۸۲، سطر۱۲: بہارستانِ ناز (صفحہ۱۹۷) : ترا رو نہ دیکھیں گے۔

۴۴۵۔ صفحہ۱۸۳، سطر۶ : تذکرۃ النّسائے نادری (صفحہ۱۳۸) : مرجان کی بن میں۔

۴۴۶۔ صفحہ۱۸۳، سطر۱۵ : مرأتِ خیالی (صفحہ۷۸) : پیر میاں قطب الدین صاحب۔

۴۴۷۔ صفحہ۱۸۴، سطر۲ : مرأتِ خیالی (صفحہ۷۹) : ہوہو بڑا۔

۴۴۸۔ صفحہ۱۸۴، سطر۴ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۵) : تیرے کوچہ کے سوا۔

۴۴۹۔ صفحہ۱۸۴، سطر۱۰ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۰۶) : ابھی آنکھ لگی ہے۔

۴۵۰۔ صفحہ۱۸۴، سطر۱۵ : مرأتِ خیالی (صفحہ۷۹) : صرف یہ ہی ایک مقطع جنابِ مبارک سنایا۔

۴۵۱۔ صفحہ۱۸۴، سطر آخری تا ۱۸۵، سطر۴ : ''تنبیہ'' کی عبارت اور شعر مرأتِ خیالی (صفحہ۷۹) میں نہیں۔

۴۵۲۔ صفحہ۱۸۵، سطر۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۸) : آلمی کیوں۔

۴۵۳۔ صفحہ۱۸۵، سطر۱۴: تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۸) : کچھ ہمیں وحشت۔

۴۵۴۔ صفحہ۱۸۵، سطر۱۶: مرأتِ خیالی (صفحہ۸۰)، تذکرۃ النّسائے نادری (صفحہ۱۴۰) :
زندگی گزرتی ہے۔ قلب میں پیارے۔

۴۵۵۔ صفحہ۱۸۵، سطر۱۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۸) : ہاتھوں سے قتل بھی ہم ہوں۔

۴۵۶۔ صفحہ۱۸۵، سطر۱۸ : مرأتِ خیالی (صفحہ۸۰) : موت زندگی محبوب۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۴۸) : سے بے موت زندگی۔ ہے مری دست کردگار۔

۴۵۷۔ صفحہ۱۸۶، سطر۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۰۷) : ثواب ہوا؛ تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۵)،

تذکرۃ الخواتین (ص ۱۴۹) : لنڈھائی ہے۔ ثواب ہوا۔

۳۵۸۔ صفحہ ۱۸۶، سطر ۷ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۸۰) : خصال ہے۔ مہر و ماہ سے بڑھ کر مشہور یہ صاحب جمال ہے۔ گو منجھو کہہ کر پکاری جاتی ہے مگر قمرن جان اس کا نام ہے۔

۳۵۹۔ صفحہ ۱۸۷، سطر ۱۲ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۵۲) : یہ وہ ضاد نہیں ہے۔

۳۶۰۔ صفحہ ۱۸۸، سطر ۷ : تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ ۱۴۳) : ''آتھ آ گئی''۔ یہ صریحاً کتابت کی غلطی ہے۔

۳۶۱۔ صفحہ ۱۸۸، سطر ۱۷ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۸۳) : سوائے افیون و زردہ کے۔

۳۶۲۔ صفحہ ۱۸۹، سطر ۱ : تذکرۂ شمیمِ سخن (صفحہ ۳۲)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۵۴):
پاؤں لگنے کو ترے کیا یہ چتا تھی۔

۳۶۳۔ صفحہ ۱۸۹، سطر ۵ : تذکرۂ شمیمِ سخن (صفحہ ۳۲): رنج سے برہم۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۵۴): مجھ سے برہم۔

۳۶۴۔ صفحہ ۱۸۹، سطر ۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۲۰۸): دورائے ہاتھ۔

۳۶۵۔ صفحہ ۱۸۹، سطر ۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۲۰۸)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۵۵) :
حالِ دل کا جو کچھ کروں اظہار۔

۳۶۶۔ صفحہ ۱۸۹، سطر ۱۸ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۵۴) : بے حیا کچھ بھی دین و دنیا کی۔

۳۶۷۔ صفحہ ۱۸۹، سطر ۲۱ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۵۴) : سوزنِ قلم سے تو خیا طن یوں سلائی۔

۳۶۸۔ صفحہ ۱۹۰، سطر ۳ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۸۴) : جوتا گڑھ۔

۳۶۹۔ صفحہ ۱۹۰، سطر ۱۳ : آ ر اِی اَلدنی (تذکرۃ الخواتین، صفحہ ۱۵۶) نے یہ شعر منور تخلص منور جان، سکنۂ کرنال کے نام سے لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے انھیں نقل کرنے میں سہو ہوا ہے۔

۳۷۰۔ صفحہ ۱۹۱، سطر ۵ : (تذکرۃ الخواتین، صفحہ ۱۵۶) : ہم کو سینہ سے۔

۳۷۱۔ صفحہ ۱۹۱، سطر ۱۲ : تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ ۱۴۶) : بیگم نام ہے۔

۳۷۲۔ صفحہ ۱۹۲، سطر ۱ : تذکرۂ شمیمِ سخن (صفحہ ۳۳)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۶۲) : پاؤں کے۔

۳۷۳۔ صفحہ ۱۹۲، سطر ۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۶۲) : یہ عین اُن کی عنایت ہے۔

۳۷۴۔ صفحہ ۱۹۲، سطر ۵، ۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۶۲) : باز آ گئے جفا کر کے۔ انتہا کر کے۔

۳۷۵۔ صفحہ ۱۹۲، سطر ۸ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۶۲) : بڑا دھوکہ ہوا۔

۳۷۶۔ صفحہ ۱۹۲، سطر ۱۵ : تذکرۂ شمیمِ سخن (صفحہ ۳۶)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۵۷) : واں رسائی کا۔

۴۷۷۔ صفحہ۱۹۲، سطر۱۷ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۶)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۵۸) : ہے اگر شوق۔

۴۷۸۔ صفحہ۱۹۲، سطر۱۹ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۶)، ع سے روٹھا۔

۴۷۹۔ صفحہ۱۹۲، سطر آخری تا صفحہ۱۹۳، سطر۱۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۱۹، ۲۲۰) اور تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۲، ۱۶۳) میں ردیف ''مجھ کو'' ہے۔

۴۸۰۔ صفحہ۱۹۳، سطر۱ : مرأتِ خیالی (صفحہ۸۷)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۲) : ہوگا نہ حاصل۔

۴۸۱۔ صفحہ۱۹۳، سطر۲ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۲) : آج رتبہ ہوا معراج کا۔

۴۸۲۔ صفحہ۱۹۳، سطر۵ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۴۴)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۲) : ذرا ٹھہرو تو۔

۴۸۳۔ صفحہ۱۹۳، سطر۱۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۲۰) : نازِ احباب کی خاطر سے لکھی۔

۴۸۴۔ صفحہ۱۹۳، سطر۱۹ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۳) : ساقی مے گلرنگ۔

۴۸۵۔ صفحہ۱۹۳، سطر آخری : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۱۸) : وہ بتِ مغرور کبھی کان؛
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۳) : ہے نالۂ وزاری کا مری۔

۴۸۶۔ صفحہ۱۹۴، سطر۱۷ : تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ۱۴۸) : جان سے ہارے۔

۴۸۷۔ صفحہ۱۹۵، سطر۴ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۱۹) : بت پہ آئے دل۔

۴۸۸۔ صفحہ۱۹۵، سطر۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۰) : دل جگر ہم تو دونوں کھو بیٹھے۔

۴۸۹۔ صفحہ۱۹۵، سطر۱۷ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۰) : ہوگئے دو جہاں۔ خدا پہ جو بیٹھے۔

۴۹۰۔ صفحہ۱۹۶، سطر۱ : تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ۱۵۰) : میرے انتظار کو۔

۴۹۱۔ صفحہ۱۹۶، سطر۱۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۷) : ہے نظر بار بار۔

۴۹۲۔ صفحہ۱۹۶، سطر۱۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۲۱)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۷) : میں وہ عیار۔

۴۹۳۔ صفحہ۱۹۶، سطر۱۹ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۲۱) : سے برائی تو کہہ دو۔ جو ایسی ہی بنا ہے۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۷) : کیجئے جو رقیبوں سے برائی۔

۴۹۴۔ صفحہ۱۹۶، سطر۲۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۲۱) : بہا ہے خون دل سے سر قدم تک —— بنایا تھا۔

۴۹۵۔ صفحہ۱۹۷، سطر۱ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۴۵) : کیوں کر نہ میں اہلِ وفا یاں کون ہے۔
تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۷) : کہے ناز سے ہم کو جفا کا ہے شوق۔

۴۹۶۔ صفحہ۱۹۷، سطر۴ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۷) : نزاکت ہوں ہر۔

۴۹۷۔ صفحہ۱۹۷، سطر۸ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۲۲) : تحریر تو ظالم؛

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۸) : تعذیر تو ظالم۔

۴۹۸۔ صفحہ۱۹۷،سطر۹ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۸) : چھپانا ہی تھا قاصد۔

۴۹۹۔ صفحہ۱۹۸،سطر۱۱ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۹) : جسے دیکھئے سنگدل بے وفا ہے۔

۵۰۰۔ صفحہ۱۹۸،سطر۱۲ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۶۹) : ضعف نے حال اپنا۔ نہیں اب رہے ہم۔

۵۰۱۔ صفحہ۱۹۸،سطر۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۲) : دل لگا کر۔

۵۰۲۔ صفحہ۱۹۹،سطر۳ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۷۱،۱۷۲) میں یہ شعر ''نظیرن'' نام کے تحت لکھا ہے:

تو جو...... یہاں رہتا ہے۔ مجھ پہ تنہائی میں۔

۵۰۳۔ صفحہ۱۹۹،سطر۷ : تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۶) : تری زُلف نے۔

۵۰۴۔ صفحہ۱۹۹،سطر۱۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۳) : تو یا استخواں میں پنہاں نہ مرے نجار ہوتا

تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۷۵) : تو یا استخواں میں ہرگز نہ مرے غبار ہوتا۔

۵۰۵۔ صفحہ۲۰۰،سطر۲ : مرأتِ خیالی (صفحہ۹۳) : بیگم نے گائی۔

۵۰۶۔ صفحہ۲۰۰،سطر۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۷۸) میں یہ شعر ''ہوش'' تخلص کی شاعرہ کا بتایا گیا ہے:

اُتنے درجے حرص بھی چڑھ جائے ہے

۵۰۷۔ صفحہ۲۰۰،سطر۱۵ : تذکرۃ النّسائے نادری (صفحہ۱۵۳) میں ''۱۲۹۳ھ'' درج نہیں۔

۵۰۸۔ صفحہ۲۰۰،سطر آخری : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۹) : یاں سے چلنے لگی۔

۵۰۹۔ صفحہ۲۰۱،سطر۱ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۹) : جاں نکلنے لگی۔

۵۱۰۔ صفحہ۲۰۱،سطر۵ : بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۹) : گُل کی ہوئے۔

۵۱۱۔ صفحہ۲۰۱،سطر۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۷۸) : آلیجے خبر۔

۵۱۲۔ صفحہ۲۰۱،سطر۱۰،۱۱ : مرأتِ خیالی (صفحہ۹۳) : تھی بہ سبب زہد و پارسائی کے نکاح کرنے۔

۵۱۳۔ صفحہ۲۰۱،سطر۱۶ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۷۹) : جب وہ منظور نظر۔

۵۱۴۔ صفحہ۲۰۱،سطر۱۸ : تذکرۃ النّسائے نادری (صفحہ۱۵۴) : پر میرے دل سے؛

بہارستانِ ناز (صفحہ۲۳۸) : پر مرے دل سے یار تو نہ گیا۔

تذکرۂ شمیم سخن (صفحہ۳۶)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ۱۷۹) : پر مری وائے جان۔

۵۱۵۔ صفحہ۲۰۲،سطر۱۷ : تذکرۃ النّسائے نادری (صفحہ۱۵۵) : دستبوئے پرویز۔

۵۱۶۔ صفحہ۲۰۲،سطر۱۹ : مرأتِ خیالی (صفحہ۹۵،۹۶) میں اختتام تذکرہ کے بعد مناجات مصنف پر مبنی

فارسی مثنوی درج ہے جو بیس اشعار کی ہے۔ صفحہ ۹۵ کے حاشیے پر التماسِ مولف اور "اشتہار" بھی ہے۔ اسی طرح صفحہ ۹۶ کے حاشیے اور حوض کے حاشیے کے درمیان نادر کا منتخب اُردو کلام بھی درج ہے۔ حوض کے آخر میں "فقرہ تاریخی متضمن پر تعداد شاعرات" ہے۔ یہ تحریریں کتاب ہٰذا میں ملحقات کے تحت شامل ہیں۔

۵۱۷۔ صفحہ ۲۰۶، سطر ۹ : گلدستۂ نتیجۂ سخن، ۱ اکتوبر ۱۸۸۲ء (صفحہ ۳۱) : دلدار کا مزا۔

۵۱۸۔ صفحہ ۲۰۷، سطر ۱۳ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۱۱۵) : غیر سے کرتی ہو۔

۵۱۹۔ صفحہ ۲۰۷، سطر ۱۸ : تذکرۂ شمیمِ سخن (صفحہ ۳۱) : سن کے میرا غصہ و غم۔

۵۲۰۔ صفحہ ۲۰۸، سطر ۱ : تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ ۱۲۶) : تجھ کو سمجھا ہے۔

۵۲۱۔ صفحہ ۲۱۰، سطر ۵ : گلدستۂ نتیجۂ سخن، جون ۱۸۸۲ء (صفحہ ۵۱) : "شاہا مزاج"۔ اس غزل کا قافیہ امیرانہ، دیوانہ، وغیرہ ہے، لہٰذا یہاں بھی قافیے کی رعایت سے "شاہانہ" ہونا چاہیے۔ اسے کتابت کی غلطی تسلیم کرنا چاہیے۔

۵۲۲۔ صفحہ ۲۱۵، سطر ۲ : تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ ۱۷۱): گزر باد بہار۔

۵۲۳۔ صفحہ ۲۱۷، سطر ۷ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۵۰) : کسی سال کم۔

۵۲۴۔ صفحہ ۲۱۸، سطر ۱۰ : تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۵۱) : جوش فریاد آ ود۔

۵۲۵۔ صفحہ ۲۲۰، سطر ۱۶ : بہارستانِ ناز (صفحہ ۲۱۴)، تذکرۃ الخواتین (صفحہ ۱۷۳) : محشر میں مجھ کو۔

۵۲۶۔ صفحہ ۲۲۳، سطر ۲ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۲) : قطعات تاریخ کہ کئی سببوں سے وقت انطباع گلشنِ ناز نہ چھپ سکے، مجبور یہاں لکھے جاتے ہیں۔

۵۲۷۔ صفحہ ۲۲۴، سطر ۱۷، ۱۸ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۲) میں سنہ کا عدد درج نہیں۔

۵۲۸۔ صفحہ ۲۲۶، سطر ۱۷ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۴) : جو گیا وہ اس طرح جاری سے گھبرایا ہوا۔

۵۲۹۔ صفحہ ۲۲۶، سطر آخری : مرأتِ خیالی (صفحہ ۴) : سحنۂ اطعام۔

۵۳۰۔ صفحہ ۲۲۸، سطر ۴ : تذکرۃ النسائے نادری (صفحہ ۴۸) : مظہر عجائب مَن۔

۵۳۱۔ صفحہ ۲۲۸، سطر ۲۴، ۲۵ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۶) : قوم کا تھ ماتھر۔

۵۳۲۔ صفحہ ۲۲۹، سطر ۲ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۶) : اور اُسی کے معصوم۔

۵۳۳۔ صفحہ ۲۲۹، سطر ۴ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۶) : آمین یارب العالمین۔

۵۳۴۔ صفحہ ۲۲۹، سطر ۱۱ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۶): تاریخ میں شاعرہ نے اُن۔

۵۳۵۔ صفحہ ۲۴۹، سطر ۱۴ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۶) : جو شعر اُردو کے کہتی ہیں اس زمانہ میں۔

۵۳۶۔ صفحہ ۲۴۹، سطر ۱۵ : تذکرۃ النساے نادری (صفحہ ۵۰) : میری ہے مجال۔

۵۳۷۔ صفحہ ۲۵۰، سطر ۳ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۷) میں "مباشی وغیرہ" کے بعد کا جملہ نہیں ہے۔

۵۳۸۔ صفحہ ۲۵۰، سطر ۱۷ مرآتِ خیالی (صفحہ ۷): "من" کی دائیں طرف نیچے خفی قلم سے "امبی پرشاد" لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کاتب کا نام یا دست خط ہوں۔

۵۳۹۔ صفحہ ۲۵۰، سطر ۱۸ مرآتِ خیالی (صفحہ ۷) میں مولوی اُلفت حسین کی تقریظ پر قطعاتِ تاریخ اور تقریظ کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ صفحہ ۸ پر مرآتِ خیالی کا صحت نامہ ہے۔ اس کی عبارت ملحقہ ۸ میں نقل کی گئی ہے۔

۵۴۰۔ صفحہ ۲۶۰، سطر ۱۰ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۹۶) : شاعرات۔ و تاریخ انطباع دفعہ اول "چمن انداز" بہ صنعتِ رعنا، جس کے حروفِ مہملہ سے ہجری اور معجمہ سے عیسوی سنہ برآمد ہوتے ہیں۔

مجمل: ایک سو چوالیس شاعرہ عورتوں اُردو کا تذکرہ۔

سنہ ۱۸۷۶ء سنہ ۱۲۹۵ ہجری۔"

۵۴۱۔ صفحہ ۲۸۶، سطر ۱، ۲ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۵۷) : صنعت : ناظران۔

۵۴۲۔ صفحہ ۲۸۶، سطر ۱۲ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۵۸) : یعنی کہ پیوستہ ہو۔

۵۴۳۔ صفحہ ۲۸۷، سطر ۱۹ : "نکتہ" کی دو سطور مرآتِ خیالی (صفحہ ۵۹) میں نہیں۔ ان کی جگہ جلی حروف میں محض "نظم" تحریر ہے۔

۵۴۴۔ صفحہ ۲۸۸، سطر ۳، ۵ : تذکرۃ النساے نادری (صفحہ ۱۱۸) : دوسرے کن نکلیں۔

۵۴۵۔ صفحہ ۲۸۸، سطر ۱۱ : تذکرۃ النساے نادری (صفحہ ۱۱۸) : پہنچ دیا سر۔

۵۴۶۔ صفحہ ۲۸۹، سطر ۲ : "ہوتا ہے" کے بعد کا جملہ مرآتِ خیالی (صفحہ ۶۱) میں نہیں ہے۔

۵۴۷۔ صفحہ ۲۸۹، سطر ۱۷ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۶۳) : جسکے سر ہر لفظ۔

۵۴۸۔ صفحہ ۲۸۹، سطر ۱۸ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۶۲) میں "ہاتف" پر ۵، "حور" پر ۸، "پری" پر ۲ اور "آدم" پر ایک کا ہندسہ کتابت کیا گیا ہے۔

۵۴۹۔ صفحہ ۲۸۹، سطر ۲۰ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۶۲) میں "ہم دم" کے اوپر ۵، "عابد" پر ۲۰، "ضیا" پر ۸۰۰ اور "غافل" پر ایک ہزار کا عدد کتابت ہوا ہے۔

۵۵۰۔ صفحہ ۲۹۰، سطر ۲ : مرآتِ خیالی (صفحہ ۶۳) : "امراؤ بیگم صاحبہ عابدہ"۔ امراؤ بیگم کا تخلص عابدؔ ہے۔ دیکھیے تذکرے میں ذکرِ عابدؔ۔ "عابدہ" کتابت کی غلطی لگتی ہے۔

۵۵۱۔ صفحہ۲۹۰،سطر۴: تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۲۰) : ''کسوارعشاریہ''۔یہ صریحاً کتابت کی غلطی ہے۔

۵۵۲۔ صفحہ۲۹۰،سطر۹ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۲) میں ''ولی'' پر ۴۶، ''مولی'' پر ۷۰ اور پھر ''ولی'' پر ۳۰ کا عدد کتابت ہوا ہے۔

۵۵۳۔ صفحہ۲۹۰،سطر۱۹ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۳) میں ''کام لیا ہے'' کے بعد کی عبارت نہیں۔

۵۵۴۔ صفحہ۲۹۱،سطر۳،۴ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۲۲): شمار ایک ہے۔

۵۵۵۔ صفحہ۲۹۱،سطر۱۲ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۳) میں ''سنہ مطلوبہ'' درج نہیں۔

۵۵۶۔ صفحہ۲۹۱،سطر۱۶ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۴) میں ''صنعت الحروف والاعراب'' تھا لیکن حاشیے میں ''صنعت الاسماء الحروف والاعراب'' لکھ کر اس کی تصحیح کی گئی ہے۔

۵۵۷۔ صفحہ۲۹۲،سطر۱۷ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۴) میں ''لکھے ہوں گے'' کے بعد کا جملہ نہیں ہے۔

۵۵۸۔ صفحہ۲۹۲،سطر۲۰ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۵) : حال تاریخ احیا۔

۵۵۹۔ صفحہ۲۹۳،سطر۴ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۵) میں ''اللہ اکبر'' کے اوپر عدد ۱۰۰۰ درج ہے۔

۵۶۰۔ صفحہ۲۹۳،سطر۸ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۵) میں ''جامۂ عیش'' کے اوپر ''۱۹۲۰'' درج ہے۔

۵۶۱۔ صفحہ۲۹۳،سطر۱۰،۱۱ : تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۲۴) میں ''سرِ دہ چہل'' کے نیچے ۲۱۲ کا عدد درج ہے جو درست نہیں۔ ویسے بھی ۲۱۲ ملانے سے ۲۰۲۰ کا مجموعی عدد حاصل ہوتا ہے، جب کہ مطلوبہ عدد ۱۹۲۰ ہے جو ۱۱۲ سے حاصل ہوتا ہے۔

۵۶۲۔ صفحہ۲۹۳،سطر۲۲ تا صفحہ۲۹۴،سطر۱ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۵،۶۶) میں ''ہاں'' سے ''سنہ ۱۲۲۸ھ'' تک کی عبارت موجود نہیں۔ یہ بعد کا اضافہ ہے۔

۵۶۳۔ صفحہ۲۹۵،سطر۲،۳ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۶) : ۲۰۰+۴=۱۲۸۷۔

۵۶۴۔ صفحہ۲۹۵،سطر۴،۵ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۷): ال ا یم

۳۱+۵۱+۳۱۔

۵۶۵۔ صفحہ ۲۹۵ ، سطر ۶ : یہ عبارت تذکرۃ النّساے نادری (صفحہ۱۲۵) کے حاشیے پر درج ہے۔ مرأتِ خیالی (صفحہ۶۶) میں یہ عبارت موجود نہیں۔

۵۶۶۔ صفحہ۲۹۵،سطر۱۹ تا صفحہ۲۹۷،سطر۵ : ''چام راج پر لیس... تمت مفاد کلامہ''۔ مرأتِ خیالی (صفحہ۶۷) میں یہ عبارت موجود نہیں۔ یہ بعد کا اضافہ ہے۔

۵۶۷۔ صفحہ۲۹۷،سطر۱۵ تا ۱۷ : مرأتِ خیالی (صفحہ۶۸) : صنعت میں ایک قطعہ...... میں لکھا ہے۔ اور

اُس کو......طرح پر پڑھا جاتا ہے مگر......طور پر پڑھا جاتا ہے۔

۵۶۸۔ صفحہ ۲۹۸، سطر ۸ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۶۸) : پہلے اوّل حرف کو لو اور بعد تیسرے کو پھر پانچویں کو وغیرہ۔ خواہ دوسرے چوتھے چھٹے وغیرہ کو۔ یا تیسرے پانچویں ساتویں وغیرہ کو۔ اسی طرح چاہو۔

۵۶۹۔ صفحہ ۲۹۸، سطر ۱۰ : مرأتِ خیالی (صفحہ ۶۹): پُر از تکلف ہے اور اس۔

ضمیمہ (۳)

تشریحاتِ الفاظ، تراکیب، اصطلاحات

maablib.org

اِکھلا (اُردو۔ تابع فعل): لفظ "اِکٹھا" کا یہ قدیم املا ہے [رک: فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۱۹۲]۔ اب اس کی جگہ "اِکٹھا" استعمال ہوتا ہے [رک: فرہنگِ تلفّظ، صفحہ ۶۸، ۷۱]، جو خود قدیم دور سے اُردو میں مستعمل ہے۔ یہ پنجابی لفظ "اِکٹھ" سے مُشتق ہے۔ "اِکٹھ" بھی اُردو میں اِسم کے طور پر اُنھی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جن معنوں میں یہ پنجابی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی اِس لفظ کا غالباً پرانا اور صحیح اِملا ہے۔

اِلٰی آخرہٖ/الخ (عربی): آخر تک۔ عموماً اُن عبارات کے آخر میں لکھا جاتا ہے جنھیں نامکمل چھوڑ دیا جائے۔ جس ناقص عبارت کے آخر میں یہ لکھا جائے، اس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ عبارت آخر تک مراد لی جائے۔ کتابوں میں عموماً اس کا مخفف "الخ" لکھا جاتا ہے۔

انشا کرنا (اُردو محاورہ): "انشا" عربی لفظ ہے جس کے معنا "عبارت لکھنا" اور "بات پیدا کرنا" کے ہیں۔ قدیم دور میں یہ لفظ عموماً دوسرے معنوں میں ہی استعمال ہوتا رہا ہے، یعنی عبارت یا شعر میں کوئی بات پیدا کرنا۔ اسی سے اُردو محاورہ "انشا کرنا" بنایا گیا ہے۔

یہاں بھی "انشا" قدیم روایت کے مطابق نئی بات پیدا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سیّد احمد دہلوی کے مطابق اس لفظ (انشا) کے "لغوی معنا کچھ بات دل سے پیدا کرنا" کے ہیں [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۲۵۱]۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت میں ("ضعیفی نے اپنے ضعیف خاوند کی شان میں یہ دو بیت انشا کی تھی": تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۲۶، سطر ۱۶) میں عین مین یہی مطلب لیا گیا ہے۔

یہ لفظ "اِنشاد" (فارسی۔ مونث) بہ معنا شعر خوانی، بھی ہو سکتا ہے [رک: فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۶۷]۔ یہاں دونوں لفظ معنا دے رہے ہیں، لیکن چوں کہ متن میں "انشا کرنا" لکھا ہے اور "انشاد کرنا" اُردو کا کوئی محاورہ نہیں ہے، اس لیے یہاں "انشا کرنا" ہی درست ہے۔

آسامی (عربی۔ مونث): نام، متنفس۔ اُردو میں بغیر مدّ ("اسامی") مستعمل ہے۔

۱۲ منہ عفی اللہ عنہ (عربی کلمہ): "۱۲" کا عدد قاعدۂ جُمل کے حساب سے لفظ "حد" سے حاصل ہوتا ہے

جو عبارت کے ختم ہونے کی نشانی ہے؛ "مِنۂ" (عربی۔ متعلق فعل): اس کا ـــــ عفی اللہ عنہٗ (عربی۔ کلمۂ دُعا): خدا اُسے معاف کرے۔ یہ کلمہ عموماً کسی عبارت کے اختتام پر لکھا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ تحریر مصنفِ حاشیہ کے قلم سے ہے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر کلمات لغات سے غیر حاضر ہیں جس پر تعجب کا اظہار ہی کیا جا سکتا ہے۔

باہمنیاں (ہندی۔ جمع مونث): باہمن کی تانیث۔ "باہمن" بھی مستعمل ہے۔ عرفِ عام میں برہمن کو کہتے ہیں [ضمیمہ ہندی اُردو لغت، صفحہ ۵۸۹]۔ وشنو کے ایک اوتار کا نام بھی "باہمن" تھا [ہندی اُردو لغت، صفحہ ۱۷۱]۔ ممکن ہے اسی تعلق سے اعلا ذات کے ہندوؤں کو "باہمن" کہا جانے لگا ہو۔

باز بھوپ کلیان (سنسکرت۔ ترکیب): باز: حاکمِ مالوہ کا نام + بھوپ: راجا، بادشاہ + کلیان: ایک راگ یا راگنی کا نام جو رات کو گایا جاتا / گائی جاتی ہے ـــ یعنی ایسا راگ جس میں اپنے محبوب باز بہادر کے فراق میں رُوپ متی فراقیہ گیت گاتی تھی۔ فخری بھوپالی کا کہنا ہے کہ یہ راگ رُوپ متی ہی نے ایجاد کیا (دیکھیے حاشیۂ مرتب ۳۰)۔ سیّد احمد دہلوی نے اسے راگنی لکھا ہے [فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ ۵۴۷]، جب کہ فاربس [ڈکشنری: ہندستانی / انگریزی اور انگریزی / ہندستانی، صفحہ ۵۷۹] اور پلیٹس [اُردو، کلاسیکی ہندی اور انگریزی ڈکشنری، صفحہ ۸۴۵] نے اسے راگ لکھا ہے۔

بدوان (ہندی۔ صفت): "بدھوان"۔ اصل: بدھی وان، یعنی عقل مند، زیرک۔

بدیہہ / بدیہہ (عربی۔ مذکّر): سوچے بغیر ٹھیک بات کرنا، برجستہ اور برمحل۔ فارسی اور اُردو میں دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ [رک: فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۹۱]۔ سیّد احمد دہلوی نے اپنی لغت میں صرف "بدیہہ" درج کیا ہے [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۳۷۹]، جب کہ شان الحق حقّی نے محض "بدیہہ" اور اس کے متعلقات ہی درج کیے ہیں [فرہنگِ تلفظ، صفحہ ۱۵۱]۔

بیگمہ (تاتاری سے مشتق): "بیگ" بہ معنا امیر، سردار؛ مغلوں کا ایک خطاب جو نام کے بعد لگایا

جاتا ہے [فرہنگِ آصفیہ :اوّل، صفحہ ۴۶۷] ۔معلوم ہوتا ہے کہ نادرؔ نے اسی کی مونث یا بیگ زادی کا نام ''بیگہ'' اختراع کیا ہے، کیوں کہ کتبِ لغت میں یہ لفظ نہیں ملتا، بل کہ اس کی جگہ ''بیگما/بیگمہ'' ملتا ہے۔

بھوکھے (اُردو۔اسمِ کیفیت،صفت): ''بھوکھ'' سے مشتق جو ''بھوک'' کی قدیم شکل ہے۔ آصفیہ اور دیگر میں اس قدیم شکل کا اندراج نہیں، البتہ ڈنکن فاربس اور پلیٹس نے اسے اپنی اپنی لغت میں درج کیا ہے [ڈکشنری: ہندستانی /انگریزی اورانگریزی /ہندستانی، صفحہ ۱۴۷؛ اُردو، کلاسیکی ہندی اورانگریزی ڈکشنری، صفحہ ۱۹۶]۔

پاترا (ہندی۔مونث): کسبی، رنڈی، طوائف۔ راجیسور راؤ اصغرؔ نے ''پاتر''، جب کہ سیّد احمد دہلوی نے ''پاتُر'' لکھا ہے [ہندی اُردو لغت، صفحہ ۲۰۳؛ فرہنگِ آصفیہ :اوّل، صفحہ ۴۷۳] ۔معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ وہی ہے جو راجیسور راؤ اصغرؔ نے لکھا ہے اور سیّد احمد دہلوی کے زمانے میں یہ لفظ دہلی میں اُسی طرح بولا جاتا ہوگا جیسے اُنھوں نے لکھا ہے (پاتُر)۔ ہندی الفاظ میں عموماً آخر میں الف بڑھائی جاتی ہے۔ یہ دیوناگری رسمِ خط کی خاصیت ہے، اسی لیے ''پاتر'' کو نادرؔ نے ''پاترا'' لکھا ہے۔

پانْو/پاٹو (اُردو۔مذکر): قدیم تلفظ، دہلوی شعرا و مصنّفین خصوصاً استعمال کرتے تھے۔ غالبؔ کی مثال اس سلسلے میں واضح ہے۔ رشید حسن نے شوقؔ نیموی اور مولّف نوراللغات کی تحریروں اور غالبؔ، آتشؔ اور بحرؔ کے شعروں سے سندیں درج کر کے لفظ ''پانْو'' کے بارے میں تحقیق کی ہے۔ اُنھوں نے اِس لفظ کے اِملا پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قدیم دور میں اس لفظ کو بروزنِ فاع استعمال کیا جاتا تھا (پانْو: فاع)، اگرچہ لکھنے میں ''پانْو'' کے علاوہ ''پانوں'' اور ''پاؤں'' کے املا بھی اختیار کیے گئے۔ یہیں سے اِشباع پیدا ہوا، اس اسم کا املا ''پاؤں'' رائج ہوتا گیا اور شعرا بھی تا نجی میں اسے بروزنِ فعلن استعمال کرنے لگے [دیکھیے :اُردو املا، صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۳]۔

پرم لوک (ہندی۔مرکب۔مذکر): پرم (اعلا)+لوک (جہان، دنیا)—— اعلا جہاں، یعنی آخرت،

عاقبت، دوسری دنیا۔ ہندی اور اُردو میں عموماً ''پرلوک'' مستعمل ہے۔

پنڈت (ہندی۔ مذکر): دانا، عقل مند۔ عالم، فاضل، اُستاد، معلّم۔ ہندو مذہب کا فقیہ۔ ایک تعلیمی خطاب جو عموماً کشمیری ہندوؤں کا ہوتا ہے [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۵۳۵؛ ہندی اردو لغت، صفحہ ۲۵۰]۔ سیّد احمد دہلوی نے اس کا تلفظ ''پنڈَت'' (بہ فتح ڈال) لکھا ہے [ایضاً]۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم دہلی میں یہ لفظ اس تلفظ کے ساتھ بھی بولا جاتا تھا۔

پَو بارہ (اُردو۔ مذکر۔ اصطلاح): پچیسی / چوسر / چوپر کے کھیل کی ایک اصطلاح۔ گوٹ کو گھر سے نکال کر بساط کے خانے میں لانے کے لیے نمبر مقرر کر لیے جاتے ہیں، چناں چہ پانسے سے مقررہ عدد آنے کو ''پَو'' کہا جاتا ہے۔ پَو کے بعد ایک ہی بار میں اتنے نمبر آ جائیں کہ گوٹ تینوں گھر چل کر اپنے گھر واپس آ جائے تو اسے ''بارہ'' کہتے ہیں، لہٰذا ''پَو بارہ'' کا مطلب ہے ایک ہی باری / پانسے سے وہ مقررہ عدد بھی آ جائیں کہ گوٹ باہر نکل آئے اور مزید اتنے نمبر آ جائیں گے کہ گوٹ پٹنے سے بچ کر واپس اپنے گھر پہنچ جائے [دیکھیے: فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۵۳۷؛ سوم، صفحہ ۵۲۸، ۵۲۹؛ فرہنگِ تلفظ، صفحہ ۲۴۹؛ فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں: ہشتم، صفحہ ۱۵۱، ۱۵۲]۔ مجازاً: ہر کام سُدھ ہونا، ہر طرح سے جیت، اقبال مندی۔

پے (فارسی۔ مذکر): واسطے، لیے، برائے۔ یہ لفظ بغیر ہمزہ ہے لیکن غلط العام میں اسے مع ہمزہ (پئے) لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ ''پ'' پر زبر زور دے کر پڑھی جائے تو اس لفظ کا تلفظ ادا ہوتا ہے۔ اس صورت میں ایک ہلکی سی ہمزہ کی آواز کا شائبہ ہوتا ہے جو اصلی نہیں، بل کہ اشباعِ فتحہ ہے۔

پھایا (اُردو۔ مذکر): زخم پر دوائی یا مرہم لگا کر رکھی جانے والی رُوئی کی خفیف سی مقدار یا رُوئیں دار کپڑے کا ننھا سا ٹکڑا جس پر پٹی باندھی جاتی ہے۔ اس کی دوسری صورت ''پھاہا'' آج کل عام مستعمل ہے۔ سیّد احمد دہلوی نے ''پھاہا'' اور ''پھایا'' کو ہم معنا لکھا ہے [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۵۴۵]، جب کہ فاربس نے دونوں کا اندراج الگ الگ کر کے دونوں کے معنا

بھی علاحدہ علاحدہ تحریر کیے ہیں۔ 'پچایا (پچاہا)' کی ایک صورت 'پھویا (پھوپا)' بھی ہے۔
[ڈکشنری: ہندستانی/انگریزی اورانگریزی/ہندستانی، صفحہ۴۱۴]۔

پھیر سے (اُردو۔ مذکر): اس کے عام معنا چکّر، گھماو، تغیر، الجھاؤ، سختی، مشکل کے ہیں، لیکن ایک معنا تفاوت اور فرق کے بھی ہیں [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۵۶۰]۔ اس شعر میں یہ لفظ انھی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

تملیح / تملیح (عربی۔ مونث۔ اصطلاح): نادر کا بیان ہے کہ ''اس طرح کی بندش کی صنعتِ تلمیح یا بقولِ بعض تملیح کہتے ہیں'' (تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۸۷، حاشیہ ۲، سطر ۱، ۲)۔ شعر یا عبارت میں تاریخی واقعے، قصے، مشہور و معروف بات، فطری صداقتوں، طے شدہ حقائق، آسمانی یا مذہبی کتابوں کی عبارتوں، وغیرہ کا ذکر کرنا ''صنعتِ تلمیح'' کہلاتا ہے، لیکن اس صنعت کے لیے ''تملیح'' کی اصطلاح کسی مستند لغت میں نہیں ملی۔ نادر نے واضح نہیں کیا کہ کون لوگ (''بعض'') اس صنعت / اصطلاح کو ''تلمیح'' کے بجاے ''تملیح'' بولتے ہیں؟ عبداللہ خویشگی نے البتہ لفظ ''تملیح'' اپنی لغت میں درج کیا ہے لیکن اُس کے معنا ''سلونی چیز لانا، نمکین کرنا، کھانے میں نمک ڈالنا'' لکھے ہیں [فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۱۶۷]۔

ٹھہرایا (اُردو۔ فعل): ''ٹھہرایا'' کا قدیم املا، آج کل متروک ہے۔ قدیم دور میں ہاے مفرد و مخلوط (ہ، ھ) میں تمیز نہیں کی جاتی تھی، اس لیے اسے ''ٹھرایا'' بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ سیّد احمد دہلوی نے ''ٹہرانا'' کو داخلِ لغت نہیں کیا [دیکھیے: فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۶، ۱۷]۔ اُنھوں نے اپنی لغت میں ''ٹھیرانا'' اور ''ٹھیرنا'' کا اندراج کیا ہے، اور ''ٹھیرنا'' کے تحت لکھا ہے کہ اسے ''ٹھرنا'' اور ''ٹھیرنا''، دونوں طرح بولتے ہیں، لیکن اہلِ دہلی ''ٹھیرنا'' ہی بولتے ہیں، جب کہ ''ٹھیرانا'' کے تحت ایسی کوئی بات نہیں لکھی [ایضاً، صفحہ ۲۲]۔ اس سے یہ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ ''ٹھرانا'' کوئی مستعمل لفظ نہیں تھا یا کم سے کم دہلی میں نہیں بولا جاتا تھا، البتہ ''ٹہرنا'' اور ''ٹہرانا'' قدیم اُردو ادب میں مستعمل رہے ہیں۔ شان الحق حقّی نے اپنی لغت میں ''ٹہرنا'' درج کیا ہے [فرہنگِ تلفظ، صفحہ ۳۴۲]۔

جہّات (عربی۔ مونث۔ جمع): "جہت" کی جمع، بہ معنا سمتیں، اطراف۔ اس لفظ کا صحیح املا شدّ کے بغیر "جہات" ہے لیکن شاعرہ نے غالباً ضرورتِ شعری کے لیے اسے مشدّد باندھا ہے جو بہر حال غیر فصیح اور نامناسب ہے۔

جھکوائے (اُردو۔ مفعول): غالباً "جھانکنا" فعل کے متعدّی المتعدّی "جھنکوانا" سے مشتق ہے جس کا پُرانا تلفظ "جھکوانا" تھا۔ "جھکوائے" کا لفظ لغات سے غیر حاضر ہے۔ شعر میں اس کے معنا وہی ہیں جو لغات میں "جھکوانا" کے تحت بیان ہوئے ہیں، اس لیے یہ "جھانکنا" کا اسمِ مفعول ہونا چاہیے۔

چارستان (مرکّب۔ اُردو): فارسی و اُردو لغات میں یہ ترکیب نہیں ملی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترکیب دو الفاظ: "چار" اور "استھان" (بمعنی مقام) سے ملا کر بنائی گئی ہے، جس کا مطلب بازار کا چوک ہے جہاں سے چاروں طرف بازار کے راستے جاتے ہیں۔ لگتا ہے کہ یہ اصطلاح مصنّف نے بنائی ہے، یا پھر پہلے سے موجود تھی تو بہت کم استعمال ہوتی ہوگی۔

چلتی پھرتی نظر آئی (اُردو۔ محاورہ): اُردو محاورہ "چلتے پھرتے نظر آؤ" سے مشتق۔ اس محاورے کا مطلب لغات میں رخصت ہو جاؤ، چلے جاؤ، وغیرہ درج ہیں۔ مصنّف نے اس میں تصرّف کرتے ہوئے اسے "دنیا سے رخصت ہو جانا" کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

چھٹو کے کھانا (اُردو۔ مذکّر): غالباً اُردو مصدر "چھٹکانا" (بہ معنا جھٹکنا) سے مشتق، یعنی چلتے ہوئے جھٹکے کھانا۔ اُردو لغات سے غیر حاضر ہے۔

حور / حورا / حوران / حورین (عربی۔ مونث): نادؔر نے "حورین" پر حاشیہ لکھتے ہوئے واضح کیا ہے کہ "حورا" مفرد اور اس کی جمع "حور" ہے، مگر اُردو اور فارسی میں "حور" مفرد استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع "حوران" بتائی گئی ہے۔ اسی سے نادؔر نے صیغۂ تثنیہ "حورین" گھڑ لیا ہے [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۸۷، حاشیہ (۱)]۔ اُردو لُغت میں یہی مطالب بیان ہوئے ہیں، نیز "حور" کی تانیث "حوریہ" لکھی گئی ہے [اُردو لُغت: ہشتم، صفحہ ۲۹۸ تا ۳۰۰]۔

در پے جاسوسی (فارسی۔ تابع فعل۔ مرکّب): مخبری کے لیے پیچھے پڑا ہوا / تعاقب میں [فرہنگِ

عامرہ، صفحہ۲۶۱؛ فرہنگِ آصفیہ :دوم، صفحہ۲۹، ۲۳۸]۔ ''پَے'' پر اضافت کی ہمزہ لگائی گئی ہے جو غلط ہے۔ غلط العام میں ''پَے'' کو ہمزہ کے ساتھ ''پئے'' لکھا جاتا ہے، مثلاً ''درپئے آزار''، وغیرہ۔ یہ واضح ہے کہ ایسی صورت میں ہمزہ اضافت کے طور پر نہیں لایا گیا، بل کہ حرف کے طور پر استعمال ہوا ہے (پ ء ے)، اور ظاہر ہے کہ صحیح لفظ ''پَے'' (پَ ے) ہے ''پئے'' نہیں، اس لیے اضافت کا ہمزہ یا ''یا'' آخری ساکن حرف پہ آتی ہے، اس لیے اصولاً ''پَے'' میں اضافت کا کسرہ یا ہمزہ ''یا'' پر آئے گا۔ چوں کہ ''پَے'' میں ''یے'' پر ہمزہ آنا ممکن نہیں، اس لیے اضافت کا کسرہ لگایا جائے گا۔ اسی اصول کے تحت سیّد احمد دہلوی نے ''درپَے'' کی یا پر ہمزہ لگانے کی کوشش کی ہے (دَرپئے)'' [فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ۲۳۸]۔ رشید حسن خاں نے بھی اپنی تحقیق کے بعد واضح کیا ہے کہ ےَ، شَے، پَے، وغیرہ جیسے الفاظ پر اضافت کی ہمزہ نہیں لگے گی، بل کہ کسرۂ اضافت لگایا جائے گا۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے غالبؔ کے متعدد مصرعے درج کر کے اس کی مثالیں بھی درج کی ہیں۔ [اُردو املا، صفحہ۴۰۸، ۴۰۹]۔

دوائی (فارسی۔ موٴنث): ''دوا'' (عربی۔ موٴنث) کا بگاڑ۔ مولوی غیاث الدین کے بقول یہ متاخرینِ اہلِ فارسی کا تصرف ہے، قدیم دور کے فارسی گووں کے ہاں نہیں ہے [غیاث اللّغات، صفحہ۲۰۶]۔ عبداللہ خویشگی نے اسے ''دوا کا مزید علیہ'' لکھا ہے [فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۲۷۳]۔ وارث سرہندی نے اسے ''دوا'' کا بگاڑ کہا ہے [علمی اُردو لُغت، صفحہ۷۵۰]۔ اُردو لُغت [نہم، صفحہ۶۴۶] میں اسے عوامی لفظ لکھ کر قدیم دور سے اس کی مثالیں درج کی گئی ہیں۔ اِن مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''دوائی'' غلط العام ہے اور قدیم عرصے سے (دکنی دور سے) یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ''دوائی''۔ ''دوا'' کا اِسمِ تصغیر ہے جو برِّعظیم میں بنایا گیا ہے [بہ روایت ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی]۔ یہ خیال بڑی حد تک درست معلوم ہوتا ہے۔

اِس تمام بحث کے بعد میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فصیح اور اصل لفظ بہر حال ''دوا'' ہی ہے۔

سبھی لغات اس پر متفق ہیں، البتہ اِسمِ تصغیر کے طور پر ''دوائی'' کا اِستعمال جائز سمجھنا چاہیے۔

دومان (اُردو۔اختراعی) : رباعی سے مراد ہے۔ مصنّف نے یہی معنی لکھے ہیں۔ رک ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۱۷۔

دونو (اُردو۔صفت) : ہر دو۔ رشید حسن خاں نے تحقیق کے بعد واضح کیا ہے کہ ''ماں''، ''دونوں'' اور ''میں نے'' کو قدیم دور میں نون غنّہ کے بغیر لکھا جاتا تھا۔ ان کی صحیح صورت نون غنّہ کے ساتھ ہی ہے [اُردو املا، صفحہ ۱۸۸]۔ گویا یہ لفظ نون غنّہ کے بغیر متروک سمجھے جائیں۔

رانڈ عورت (اُردو۔مؤنث): ''رانڈ'' بہ معنا جوان بیوہ، عورتِ بے شوہر [لغات الخواتین، صفحہ ۱۰۷؛ فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۳۴۵]۔ (یہاں ''جوان'' کا سابقہ غیر ضروری، بل کہ نادرست ہے۔ ''رانڈ'' کے معنا میں بیوہ کے جوان یا بوڑھی ہونے کی شرط نہیں۔) فرہنگِ آصفیہ میں اس کے مزید معنے محتاج، کسبی، کنیز، جوان عورت اور کلمۂ تحقیر کے درج ہیں لیکن یہاں وہی معنا مراد ہیں جو پہلے درج ہوئے ہیں، کیوں کہ اس کا ذکر ''بال بدھوا'' کے ساتھ ہوا ہے [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۲]۔ اس ترکیب میں ''رانڈ'' کے ساتھ عورت کا لاحقہ غیر ضروری ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنّف کا مخصوص انداز ہے۔ اسی طرح کی ایک مثال تذکرۃ النّساے نادری کے سرورق کی عبارت سے بھی ملتی ہے جہاں مصنّف نے ''شاعرہ عورتوں'' کی ترکیب استعمال کی ہے۔

رکھ پنچمی (ہندی ترکیب۔مؤنث): بکرمی سال کے ساون کے مہینے کی بیسویں تاریخ۔ اسے سُدی دوم پنچمی بھی کہتے ہیں۔

رل گیا (اُردو۔فعلِ لازم): ''ریلنا'' مصدر کا لازم۔ دھکا دے کر ہٹا دینا؛ دیوار کا اپنی جگہ چھوڑ دینا۔ (اصطلاح) مویشی کا اپنے گلّے سے بھٹک کر دوسرے گلّے سے مل جانا یا کھو جانا [اُردو لُغت: دہم، صفحہ ۱۵۷]۔ یہاں آخری معنا مراد ہیں۔

رَم کر گیا (اُردو۔محاورہ): اُردو فعل ''رَم کرنا'' سے مشتق۔ ''رَم کرنا'' دراصل فارسی مصدر ''رمیدن'' سے حاصلِ مصدر ''رَم کردن'' کا اُردو ترجمہ ہے۔ فارسی میں ''رَم کردن'' کے علاوہ ''رَم

نمودن"، "رَم زدن"، "رَم دادن"، "رَم خوردن"، وغیرہ مرکّب مصادر بھی موجود ہیں۔ "رَم کرنا" کے معنے لُغت میں ہرن کا وحشت کرنا اور شکاری کے خوف سے بھاگ کھڑا ہونا۔ تیزی سے بھاگنا درج ہیں [اُردو لُغت: دہم، صفحہ ۱۷۷]۔

زہ کرتی ہے [کمانِ زبان کو زِہ کرتی ہے] (اُردو محاورہ): یہ محاورہ اُردو فعل "زِہ کرنا" سے بنایا گیا ہے جو فارسی مصدر "زِہ کردن" بہ معنا "(کمان کا) چلّہ چڑھانا" کا ترجمہ ہے۔

نیا محاورہ، زبان کی کمان کو چلّے کی طرح کھینچ کر طعن کے تیر برسانے کا محل بیان کیا ہے۔

سخنی (اختراعی): لغات میں یہ لفظ موجود نہیں۔ مصنّف نے "مشورۂ سخنی" لکھا ہے [تذکرۃ النساے نادری، صفحہ ۱۷۳، سطر ۵]۔ اس کی جگہ عموماً "مشورۂ سخن" کی اِصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ ممکن ہے یہ لفظ "سخن" + یاے نسبتی کو ملا کر بنایا گیا ہو۔ یہ اِمکان بھی موجود ہے کہ مصنّف نے "مشورۂ سخن اختیار فرمایا" لکھا ہو جسے کاتب نے "مشورۂ سخنی" کر دیا۔

شطرنج (معرّب چترنگ۔ مونث): ایک کھیل جو چھ طرح کے بتیس بتیس مُہروں کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹۔ اُردو لُغت میں مہروں کی تعداد سولہ سولہ، کُل بتیس بتائی گئی ہے اور مُہروں کی تفصیل یہ لکھی ہے: آٹھ پیادے، دو رُخ، دو فیل، دو اَسپ (گھوڑے)، ایک وزیر اور ایک بادشاہ، خانوں کی تعداد چونسٹھ ہے۔ ہر مہرے کا خانہ اور چال کا طریقہ مقرّر ہے [اُردو لُغت: دوازدہم، صفحہ ۵۹۱]۔

شعرِ لاحقہ (معرّب ترکیب۔ مذکر): "لاحقہ"، بہ معنا بعد میں آنے والا لفظ۔ اسی سے مصنّف نے یہ ترکیب اختراع کی ہے، یعنی اس عبارت کے بعد درج کیا جانے والا شعر۔

صنائع بدائع (عربی۔ ادبی اصطلاح۔ مذکر): شعر میں عمدگی و خوبی پیدا کرنے یا اپنی طبیعت کی رسائی دکھانے کے لیے شاعر جو فنی باریکیاں روا رکھتا ہے، اُنھیں صنعتوں اور بدائع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ کلام میں حُسن اور خوبی پیدا کر کے اِبلاغ کا فریضہ بھی انجام دیتی ہیں اور کلام کی آرائش بھی کرتی ہیں۔ بدائع میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل شامل ہیں، جب کہ صنعتیں کثیر تعداد میں ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے دیکھیے: البدیع، از سیّد عابد علی عابدؔ؛

لاہور، مجلسِ ترقّیِ اُدب، طبعِ اوّل، مارچ ۱۹۸۵ء۔

صواب (عربی۔ مذکّر): صحیح، درست۔ اس کا ایک مطلب نیکی اور ثواب بھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں شعراواد بانے اسے، غلط یا صحیح ''ثواب'' کی جگہ بھی استعمال کیا ہے [اُردو لغت: دوازدہم، صفحہ ۹۹۴]۔

طاق (عربی۔ مذکّر): بظاہر ''طوق'' کے معنا میں۔ ''طاق'' کا ایک معنا ''محراب'' بھی ہے اور طوق بھی محراب کی مانند ہوتا ہے۔ غالباً اسی مشابہت کی بنا پر شاعر نے ''طوق'' کی جگہ ''طاق'' استعمال کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ''طوق'' ہی ہو جو کتابت کی غلطی سے ''طاق'' ہو گیا، لیکن چوں کہ ''طاق'' کے درست ہونے کا امکان موجود ہے (جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے)، اس لیے اسے ''طاق'' ہی رہنے دیا گیا ہے۔

عَسَس (عربی۔ مذکّر): کوتوال، رات کا پہرے دار، شہر میں گشت کرنے والا [فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۴۲۲؛ فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ ۲۷۳]۔ عربی میں ''عاس'' کی جمع کے طور پر، جب کہ فارسی اور اُردو میں بطورِ واحد مستعمل ہے۔

کا ئتھنی (ہندی۔ مونث): ''کا۔تھ'' کی تانیث، ''کا یستھنی'' کی تصغیر۔ کا۔تھ / کا یستھ: ہندوؤں کا مشہور فرقہ جس کا پیشہ لکھنے پڑھنے کا ہے۔ ''کایا'' بہ معنا جسم اور ''استھا'' بہ معنا قرار پانے سے مرکّب، یعنی وہ افراد جو بعضوں کے نزدیک برہما کے جسم سے پیدا ہوئے اور بعض کے نزدیک شُودرانی (شُودر عورت) کے پیٹ اور چھتری کے نُطفے سے ان کا جنم ہوا [ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۴۱۲؛ فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ ۴۵۶]۔

کبی ایشوراں (ہندی۔ مذکّر): ''کبی ایشور'' بہ معنا شاعر کی جمع۔ مصنّف نے بھی اس کے بین السطور ''شاعران'' لکھ کر اس کے معنا درج کیے ہیں [ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۵، سطر ۳]۔ ''کبی ایشور''، ''کیشور''، بہ معنا شاعر کی اصل ہے۔ ''کبی'' کا بدل ''کوی'' بہ معنا شاعر اور ''کویتا'' بہ معنا شعر، نظم آج بھی ہندی میں مستعمل ہیں۔

کڑھا کڑھوں بیٹھے (اُردو۔ وضعی محاورہ): ''کڑھانا'' بہ معنا دل دُکھانا، رنجیدہ کرنا [فرہنگِ آصفیہ:

سوم، صفحہ ۵۰۶] سے مشتق۔ اس کے ایک معنا رنج دے کر جلانا بھی درج ہیں [ایضاً]۔
یہاں یہ معنا بھی برمحل ہیں۔

کھلانا/ کملانا (اُردو۔ مذکّر): اِس لفظ کے اِملا کی تعیین میں متوسّط اور متاخّر لُغت نگاروں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ متقدّم لُغت نگاروں میں سے ڈنکن فاربس نے اس لفظ کے دونوں اِملا لکھے ہیں [ڈکشنری: ہندستانی / انگریزی اور انگریزی / ہندستانی، صفحہ ۵۸۱،۵۸۲]، جب کہ جان پلیٹس نے اپنی لُغت میں ''کھلانا'' کو بنیادی اور ''کملانا'' کو ثانوی لفظ کے طور پر درج کر کے ''کھلانا'' سے رجوع کرنے کا لکھا ہے (اردو، کلاسیکی ہندی اور انگریزی ڈکشنری، صفحہ ۸۴۹)۔ گویا اُن کے نزدیک اصل لفظ ''کھلانا'' ہے اور ''کملانا'' غیر فصیح ہے۔ فرہنگِ آصفیہ (سوم، صفحہ ۵۶۵)، نور اللّغات (چہارم، صفحہ ۱۵۶) اور فرہنگِ تلفّظ (صفحہ ۷۶۹) میں صرف ''کملانا'' کا اندراج ہے۔ اُردو لُغت (تاریخی اُصول پر) میں دونوں کا اندراج ہے (جلد پانزدہم، صفحہ ۱۸۶، ۲۰۰)۔ اِس میں ''کملانا'' کے تحت درج کی گئی نثری و شعری اسناد کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے اور مشتقات، وغیرہ بھی اِسی کے تحت درج ہیں، جب کہ ''کھلانا'' کے تحت محض چار اسنادی شعر دیے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ اَمر پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ قدیم دور میں کتابت کی خامیوں سے ہم بھی واقف ہیں۔ قدیم اندازِ کتابت میں لفظ کا املا بدل جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ اسی لیے جب تک ماہرِ زبان محقق الفاظ کی شکلیں متعیّن نہ کر دیں، اِملا کے معاملے میں لُغت نگاروں کی روش کو مُستند ماننا مشکل ہے۔ علاقائی مخصوص الفاظ اور روزمرّہ کے اندراجات البتّہ کسی حد تک مُستثنیات میں سے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ''کھلانا'' کے اِملا کے سلسلے میں بھی قدیم اندازِ کتابت سے مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سیّد احمد دہلوی، نیّر لکھنوی اور شان الحق حقّی قدیم اُردو زبان کے محقق نہیں تھے اور نہ اُنھیں قدیم اندازِ کتابت کی خامیوں کا احساس و شعور تھا۔ اِس کے مقابلے میں ڈنکن فاربس، جان پلیٹس، وغیرہ مستشرقین نے اپنی طبعی اُفتاد کے مطابق تحقیق

کے بعد اپنی لغات میں الفاظ درج کیے ہیں۔ ایسی صورت میں اُردو کے بیش تر قدیم الفاظ کی اصل کے معاملے میں مستشرقین کی تحقیق پر اعتماد کرنا مرجّح ہے۔

یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اس لفظ کا درست املا ''کھلانا'' ہی قدیم دور سے مستعمل رہا ہے اور قدیم شعری اور نثری اُدب پارے نقل یا مرتب کرتے ہوئے اسی اِملا کو ترجیح دینی چاہیے۔ ''کملانا'' کو نو وارد مُسلمانوں کا تصرّف سمجھنا چاہیے جو ہائے مخلوط کے ادا کرنے میں دِقّت محسوس کرتے تھے۔

گنجری (ہندی۔ مونّث): ''گنجر'' کی تانیث۔ ایک خانہ بدوش قوم جس کے افراد کا پیشہ سرکیاں، چھینکے، چھاج، وغیرہ بنا کر بیچنا اور جنگلی جانوروں کا شکار کرنا ہے؛ سانسی، ایک ذات کے لوگ جو سانپ، وغیرہ پکڑتے اور کھاتے ہیں، مُردار بھی کھاتے ہیں۔ پنجاب میں ''کنجری'': کسبی اور فاحشہ عورت کے معنوں میں مستعمل ہے [فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ ۵۷۰؛ ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۴۳۰]۔

کھترانی (ہندی۔ مونّث): ''کھتری'' کی مونّث۔ اصل ''کھشتری''؛ ''چھتری'' بھی کہتے ہیں۔ ہندوؤں کا دوسرا اعلا طبقہ، شاہی یا فوجی نسل کا آدمی، سپاہی، لشکری [سنسکرت اُردو لُغت صفحہ ۷۷؛ ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۴۳۶]

گوجری (ہندی مونّث): ''میگھ راگ'' کی دوسری راگنی کا نام جو ساون بھادوں (مطابق جولائی اگست) میں دن چڑھے گائی جاتی ہے۔ چوں کہ گوجریاں (گوجر، گوالا قوم کی عورتیں، گوالن) اسے اس موسم میں بہت گاتی ہیں، اسی وجہ سے اس راگنی کا یہ نام پڑا [فرہنگ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۹۰]، لیکن مطلع العلوم اور ترانۂ موسیقار کے مطابق اس راگنی کے گانے کا وقت دوپہر کا ہے [اُردو لُغت: شانزدہم، صفحہ ۲۵۹]۔

گھرستن (اُردو۔ مونّث): ''گرہستن'' (ہندی) کا بگاڑ۔ گھڑ بیوی، گھر میں بیٹھنے والی عورت [اُردو لُغت: شانزدہم، صفحہ ۳۶۸]۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بگاڑ ''گھر'' سے ''گھرستن'' مشتق کرنے سے پیدا ہوا ہے، لیکن اسے ''بگاڑ'' کہنے کے بجائے اُردو کا لفظ مان لیا جائے تو زیادہ

بہتر ہے۔ "گرہستن" ہندی الاصل لفظ کے طور پر اور "گھرستن" اُردو لفظ کے طور پر۔

لَہو لَعَب (اُردو ترکیب۔ مذکر): اصلاً یہ "لَہو ولَعَب" معرّب ومفرّس ترکیب ہے۔ امکان ہے کہ یہاں شعری تقاضے کے تحت شاعر نے اسے واوِ عطف کے بغیر باندھا ہے۔ ["لَہو ولَعَب" بہ معنا عیش وعشرت، بےفکری، ہنسی مذاق، وغیرہ]۔

مُخَفَّنی (معرّب۔ صفت): "مُخَفَّن" کا بگاڑ لیکن اُردو کا ایک مستقل لفظ ہے، بہ معنا دغاباز، عیّار، فتنہ فریب جاننے والا [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۲۸۰]۔ وارث سرہندی نے بھی اسے غلط ترکیب لکھا ہے [علمی اُردو لُغت، صفحہ ۱۳۴۰] لیکن اب یہ اُردو میں مستعمل ہے اور اسے اُردو کا لفظ مان لینے میں کوئی اَمر مانع نہیں۔

مُج (اُردو۔ اسمِ ضمیر): "مجھ" کا قدیم تلفظ اور اِملا۔ قدیم دور میں، انیسویں صدی کے رُبع سوم تک، بعض الفاظ کی وہ صورتیں مروّج تھیں جو اَب تبدیل یا متروک ہو چکی ہیں۔ ان میں یہاں، وہاں، ہات، مُج، مرا، اکھٹا، بہرور، بھوکھے، پانو، ٹھہرایا، صواب (ثواب)، کا۔ تھ، گھرستن، وغیرہ الفاظ اس کتاب میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض الفاظ آج بھی کوئی کوئی شاعر استعمال کر لیتا ہے لیکن ضرورتِ شعری کے لیے۔ نثر میں ان سب کا استعمال متروک ہو چکا ہے۔

مَردوں میں نام کر گئی (اُردو محاورہ): مردوں میں نام کرنا محاورہ ہے، بہ معنا اہلوں، لائقوں، شجاعوں میں خود کو شمار کرانا۔ یہ محاورہ لُغات سے غیر حاضر ہے۔ حد تو یہ ہے کہ فرہنگِ آصفیہ میں بھی نہیں ہے جو دہلی میں مستعمل الفاظ، تراکیب اور محاوروں، وغیرہ کا خاص لغت ہے۔

مَرّۃ بعدَ اُخرٰی (عربی ترکیب): "مَرّۃ" بہ معنا وہ حالت جس پر کوئی چیز ہمیشہ رہے، یا "مَرّۃ" بہ معنا ایک بار [مصباح اللّغات، صفحہ ۸۱۳] سے مشتق۔ اسی طرح کی دیگر تراکیب، جو فارسی وعربی سے ماخوذ، اُردو میں بکثرت استعمال ہوتی ہیں لیکن ان کے معنا معروف اُردو لُغات میں درج نہیں ہیں۔ اسی طرح کی ایک اور ترکیب "۱۲ منہ عفی اللہ عنہ" بھی اس ضمیمے میں درج کی گئی ہے۔

''مرّۃ'' یا ''مرّۃ بعدَ اُخریٰ'' کا مطلب ہے بالترتیب، اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے، اسی ترتیب سے پہلے سے آخری تک۔

مرقعہ (معرّب۔ مذکّر): ''مرقّع'' کا غلط املا۔ اسے چوں کہ بعض ادبا و شعرا نے استعمال کیا ہے، اس لیے اس کا اندراج کیا گیا ہے [رک: اُردو لُغت: ہفت دہم، صفحہ ۸۴۷]۔ مصنّف کے زمانے میں ''مرقّع'' ہی استعمال کیا جاتا تھا [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۳۲۹]۔ یہ بہر حال غلط العام ہے، اسے نیا لفظ بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ''مرقع'' کا لفظ پہلے سے موجود ہے۔

مستا (معرّب، صفت): ''مسمّٰی'' (عربی) کا اُردو تلفظ۔ اُردو میں بھی عام طور پر اس لفظ کا املا عربی قاعدے کے مطابق لکھا جاتا ہے۔ عربی زبان کے مطابق تو کھڑے زبر کا تکلف مناسب اور درست ہے لیکن اُردو سیدھی سادی زبان اور تکلفات سے پاک ہے۔ اس لیے اُصول وضع کیا گیا کہ جو لفظ جس طرح بولے جاتے ہیں، اُردو میں اُنھیں اُسی طرح، بغیر کسی تکلف کے، لکھا جائے۔ ''مسمّٰی'' کی قبیل کے جتنے الفاظ اُردو میں مستعمل ہیں، اُن کے لیے بھی یہی اُصول برتنے کا کہا گیا ہے۔ ان الفاظ میں کھڑا زبر الف کا قائم مقام ہے۔ چوں کہ اُردو میں کھڑا زبر نہیں ہے، بل کہ اس کی جگہ الف مستعمل ہے، اس لیے سفارش کی گئی کہ ایسے تمام الفاظ کو الف کے ساتھ لکھا جائے جن میں کھڑا زبر آتا ہے۔ اسی کے ساتھ اس سفارش میں کچھ مستثنیات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ اسمِ نکرہ یا خاص ناموں کو اُسی طرح لکھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر موسیٰ، عیسیٰ، مصطفیٰ، مرتضیٰ وغیرہ۔ خاص ناموں میں یہ استثنا بہر حال موجود رہنا چاہیے اور یہ استثنا اسی معاملے میں نہیں ہے، بل کہ اُردو سمیت دنیا کی تمام زبانوں میں خاص نام اُسی طرح نقل کیے جاتے ہیں، جیسے اصل زبانوں میں اُنھیں لکھنے کا رواج ہو۔ کھڑے زبر اور الف کے استعمال کے سلسلے میں رشید حسن خان نے تحقیق اور طویل بحث و تجزیہ کیا ہے۔ رک: اُردو املا، صفحہ ۲۳ تا ۶۵۔

اسی تناظر میں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس لفظ (مسمّٰی / مستا) کی تانیث ''مسمّاۃ'' (مع

الف اور بدون یاے مجہول و کھڑا الف) مستعمل ہے، جو ظاہر ہے کہ "مسمّا" سے مشتق ہو سکتی ہے، "مسمّٰی" سے نہیں۔ اس دلیل سے بھی "مسمّٰی" کے بجاے "مسمّا" ہی اس لفظ کا صحیح اِملا ثابت ہوتا ہے۔

مشتری (عربی۔ مذکر): یہاں مطلب ہے کہ نمایاں تھا۔ مشتری، نظامِ شمسی میں سب سے بڑا سیارہ ہے۔ اہلِ نجوم اسے فلکِ ششم میں گردانتے ہیں اور اسے سعدِ اکبر لکھتے اور کہتے ہیں [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۲۵۶؛ اُردو لُغت: ہژدہم، صفحہ ۱۰۵]۔ فرہنگِ آصفیہ میں اسے "قاضیِ فلک، برجیس" بھی لکھا ہے [ایضاً]۔ یہاں غالباً انھی معنا کے مطابق اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔

مَطبُوع (عربی۔ صفت): ۱۔ طبع کیا ہوا، چھپا ہوا، ۲۔ پسند کیا گیا، پسندیدہ، دل پسند۔ یہاں پہلے مصرعے میں اوّل الذکر معنا اور دوسرے میں ثانی الذکر معنا مراد ہیں۔

مُقِر (عربی۔ صفت): اقرار کرنے والا، تسلیم کرنے والا، معترف۔ اصل لفظ "مُقِرّ" (بہ راے مشدّد) ہے لیکن اُردو اور فارسی میں بہ راے ساکن مستعمل ہے [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۳۸۵]۔

مَلاگیر (اُردو۔ مذکر): صحیح "ملاگر"۔ دکن میں ملیبار یا ملبار کا ایک مشہور پہاڑ "ملایا" جہاں کا صندل قابلِ تعریف اور عمدہ ہوتا ہے۔ (مونث) لونڈیوں یا گھریلو ملازماؤں کا نام، جیسے چنبیلی، کیتکی، نورن، وغیرہ۔ ایک پہاڑی پرندے کا نام بھی ہے [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۳۹۹]۔ اعلا درجے کا صندل۔ ایک پہاڑی پرند جو صندل کے رنگ کا ہوتا ہے [اُردو لُغت: ہژدہم، صفحہ ۲۰۳]۔

مُوئَلِف/مُؤَلِّفہ (معرّب۔ صفت): عربی الاصل ایسے الفاظ جن میں واو اپنی پوری آواز نہیں دیتا، بل کہ یاے مخلوط کی طرح اُس کی آواز ماقبل مضموم (پیش والا) حرف کے ساتھ مل کر نکلتی ہے، ایسے الفاظ میں واو پر ہمزہ لگانا غلط العام ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایسی واو پر ہمزہ لگانے والے علمِ اصوات یا لسانیات سے کماحقہٗ واقف نہیں اور اُن کے لیے ایسی آواز یا آوازوں کا

امتیاز کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہوتا ہے۔ ایسے کچھ مزید الفاظ مُوکّل، مُوثّر، مُوخّر، مُوذّن، مُونّث، مُوجّل، وغیرہ ہیں۔ ایسے الفاظ میں چوں کہ واو ماقبل مضموم حرف کے ساتھ مل جاتا ہے، اس لیے واو کے بعد والا حرف واضح طور پر تلفظ میں آتا ہے اور اس کو شدّ کے ساتھ پڑھنا پڑتا ہے۔ رشید حسن خاں نے اس پر تفصیلی بحث مع امثال کی ہے۔ [رک: اُردو اِملا، صفحہ ۳۷۹ تا ۳۸۱]۔

مہندی (اُردو۔ مونث): حنا، سبز پتے جو پیس کر ہاتھوں، پاؤں وغیرہ پر لگاتے ہیں، جن سے سُرخ رنگ آتا ہے۔ اس لفظ کا یہ املا غلط العام ہے۔ فرہنگِ آصفیہ میں ''مِہندی'' لکھ کر ''مِنْہدی'' سے رجوع کرنے کا لکھا گیا ہے [چہارم، صفحہ ۴۹۴]۔ اُردو لُغت میں ''مِنْہدی'' کو فصیح بتایا گیا ہے [نُوزدہم، صفحہ ۲۹۰]۔ یہ درست ہے۔ اس لفظ کا صحیح تلفظ اور املا ''مِنْہدی'' (م ِ ں ہ د ی) ہی ہے، لیکن عرصۂ دراز سے اس کی جگہ ''مہندی'' (م ہ ں د ی) نے لے لی ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ فرہنگِ آصفیہ کی چوتھی جلد، مطبوعہ ۱۹۰۱ء [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، پرنٹ لائن کا صفحہ] میں ''مِنْہدی'' اور اُس کے مشتقات درج ہیں۔ خود ''چمن انداز'' میں اس کی مثالیں موجود ہیں جو ۱۸۷۸ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ رشید حسن خاں نے تحقیق کے بعد ''مِنْہدی'' کے اِملا میں تبدیلی کی وجہ تفصیل سے بیان کی ہے، چناں چہ مزید تفصیلات کے لیے اُن کی کتاب اُردو اِملا (صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۸) سے رجوع کرنا چاہیے۔

نُواد / نِواد (فارسی۔ مذکر): اُردو لُغت کے مطابق یہ لفظ ''نُواد'' کا بگاڑ ہے، نیز اسے بہ فتح و کسرہ لکھا ہے، لیکن ''نُواد'' کو وہاں صرف بہ فتح تحریر کیا گیا ہے، جب کہ اس سے مشتق ''نژادہ'' کو بہ فتح و کسرہ لکھا ہے [اُردو لُغت: نوزدہم، صفحہ ۸۹۲، ۸۹۳، ۹۰۸]۔ خویشگی اور وارث سرہندی نے ''نژاد'' (بہ فتح و کسرہ) درج کر کے ''نژاد'' کی طرف رجوع کرنے کا لکھا ہے۔ گویا اُن کے نزدیک صحیح یا فصیح لفظ ''نُواد'' ہے لیکن ''نژاد'' (بہ فتح و کسرہ) بھی مستعمل ہے [فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۶۵۳؛ علمی اُردو لُغت، صفحہ ۱۵۰۴]۔ امکان ہے کہ وارث

سرہندی نے خویشگی کے اندراجات کو ہی نقل کر دیا ہے۔ سیّد احمد دہلوی اور حقی صاحب نے محض ''نِژاد'' (بہ کسرہ) ہی لکھا ہے، ''نژاد'' اُن کے ہاں موجود نہیں [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۵۵۷، ۵۵۸؛ فرہنگِ تلفظ، صفحہ ۹۳۴]۔ اس سے معلوم ہوا کہ فارسی اور اُردو میں ''نژاد'' بہ معنا اصل، حسب نسب، نُطفہ، وغیرہ مستعمل رہا ہے۔

ٹی (اُردو۔ مونث): چھوٹی، ادنا [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۶۰۸]۔ اُردو لُغت میں اسے ''نِھی'' کا ایک املا لکھا ہے [اُردو لُغت: بیستم، صفحہ ۴۶۳ و ۴۸۲]۔ اگرچہ آصفیہ میں ایسی کوئی وضاحت نہیں کی گئی اور ''ٹی'' کو ایک علاحدہ لفظ کے طور پر ہی لکھا گیا ہے، لیکن ''ٹی'' اور ''نِھی'' کے مشترک معنا سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ''ٹی'' اصل میں ''نِھی'' ہی کا ایک املا ہے، علاحدہ لفظ نہیں۔

ہرجائی (فارسی۔ مونث): آوارہ مزاج۔ متلوّن مزاج۔ ایک جگہ نہ ٹکنے والا [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۷۰۷]۔ متلوّن مزاج فرد کسی شعبے میں کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ یہاں اِنھی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ہرفنی (مفرس ترکیب۔ صفت): ہر فن مولا، بہت سے کام جاننے والی۔ ایسے افراد بھی کسی ایک شعبے میں کمال حاصل نہیں کر سکتے، کیوں کہ وہ کئی فنون جانتے ہیں اور ان کا زیادہ وقت نئے نئے فنون جاننے میں صرف ہو جاتا ہے، لہٰذا کسی ایک فن میں مہارت پیدا کرنے کا موقع اُنھیں نہیں ملتا، یا اُن کی طبیعت اس طرف نہیں آتی۔

ہندؤں (ہندی۔ مذکر): ''ہندو'' کی جمع۔ بید، سُمرتی، پُران میں سے کسی کے احکام پر چلنے والے [ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۵۴۷]۔ ہندستانی۔ ہندستان کی وہ قوم جس میں بُتوں کی پوجا جائز ہے اور اُن کا طریقہ بقیہ اقوام سے جُدا ہے [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۷۳۳]۔ اصل لفظ ''ہندوؤں'' (ہندو + وں۔ صیغۂ جمع) ہے لیکن نادر کے علاوہ اسے شان الحق حقی نے بھی ''ہندؤں'' لکھا ہے [فرہنگِ تلفظ، صفحہ ۹۷۴، تحت لفظ ''ہندوانی'']۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں ''ہندو'' کی جمع ''ہندؤں'' (بہ یک واو) بھی مستعمل تھی۔ مصنف

کی منشا کے مطابق اِس کتاب میں اِس لفظ کا یہی املا (ہندوؤں) اختیار کیا گیا ہے۔

ہیئت دان (معرب ترکیب۔ مذکر): ''ہیئت''، یعنی آسمانوں اور کُرّوں کی ماہیت و گردش وغیرہ کے مطالعے کا علم [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۷۶۳] جاننے والا۔ سیّد احمد دہلوی نے اس کی درست املا ''ہیأت'' [ایضاً] اور خویشگی نے ''ہیأت (ھَی۔اَت)'' لکھی ہے۔ [فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۷۰۱]

یکّی (مؤنث۔ صفت): ''یکّا/یکّہ'' بہ معنا منفرد، بے نظیر، لاثانی [فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۷۸۵؛ فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۷۰۷] کی وضعِ تانیث۔ خویشگی نے ''یکّا'' کے تحت معنا لکھے ہیں اور ''یکّہ'' لکھ کر ''یکّا'' کی جانب رجوع کرنے کا کہا ہے [ایضاً]، جب کہ سیّد احمد دہلوی اور دیگر نے اسے صرف ''یکّہ'' لکھا ہے۔ [ایضاً]

ضمیمہ (۴)

فرہنگ

madlib.org

اِباحت (عربی۔ موٴنث): مباح ہونا، اجازت ہونا۔

اَپچھرا (اُردو۔ موٴنث): ''اَپسرا'' (ہندی) کی شکل، بمعنی طوائف، حسینہ۔

اَجلاف (عربی۔ مذکر): ''جِلف'' کی جمع، کمینے، غنڈے، نیچی ذات کے۔

اُچپلاہٹ (ہندی۔ موٴنث): شوخی، چنچل پَن۔

اخترِ بُرجِ نکوئی (فارسی۔ ترکیب): نیکی کے آسمان کا ستارہ۔

اِختلال (عربی۔ مذکر): کم زوری، بدانتظامی، بکھری ہوئی حالت، پراگندگی۔

اِذعان [واجب الاذعان] (عربی۔ مذکر): حکم ماننا، اطاعت، فرماں برداری۔

اربع متناسبہ (عربی۔ مذکر): حساب کا ایک قاعدہ۔ اس قاعدے کی رُو سے چار ہم نسبت اعداد میں سے اگر ایک نا معلوم ہو تو باقی تین کی مدد سے اُسے معلوم کیا جاتا ہے [علمی اُردو لُغت، صفحہ ۹۴، نیز فرہنگ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۱۴۲]۔ یہاں متن میں ''اربع متناسبہ'' سے مراد ہے کہ علمِ حساب کی تعلیم اُس درجے تک حاصل کی جس درجے تک اربع متناسبہ کا کلیہ سمجھا جاتا ہے۔

اشٹ دھاری (اُردو ترکیب۔ مذکر): ''اِشٹ'' بہ معنی محبوب، معبود [جامع اللّغات: اوّل، صفحہ ۲۰۳؛ فرہنگِ تلفّظ، صفحہ ۵۲؛ ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۱۲۳] اور ''دھاری'' بطورِ لاحقہ، بہ معنی پکڑنے والا [علمی اُردو لُغت، صفحہ ۶۰۷]، یعنی معبود ماننے والا، محبوب رکھنے والا۔

اِلّا (عربی۔ کلمۂ تنبیہ): نہیں تو، اس کے علاوہ۔

اِلتِام [محبت التیام] (عربی۔ مذکر): باہم ملنا، آپس کا ملاپ۔ [محبت التیام: آپس کی محبت]۔

اَلمِنّۃُ لِلّٰہ (عربی۔ کلمۂ تشکّر): اللہ کا شکر ہے۔

امیر الامرا (فارسی۔ ترکیب/اصطلاح): سرداروں کا سردار۔ بہت بڑا امیر، نہایت دولت مند۔

انام (عربی۔ اسمِ جمع): موجودات، مخلوقات۔

انضمام (عربی۔ مذکر): وصل ہونا، ملاپ، اِتّصال۔

انواک (ہندی۔مذکر): ویدوں کے بھجنوں کا ایک حصّہ، کتاب کا ایک حصّہ [ہندی اُردو لغت، صفحہ ۱۵۱]۔

اَور (اُردو۔حرفِ عطف) : دیگر، دوسرا، مزید۔

آسا (ہندی۔مذکر): بکرمی / بکرماجیتی سال کے تیسرے مہینے ''اساڑھ'' کا مخفف۔ یہ مہینا برسات کے موسم کا بھی پہلا مہینا ہے، یہاں غالباً یہی مراد ہے، یعنی برسات۔

آگیاکاری (ہندی۔مذکر): تابعِ فرمان، حکم ماننے والا، مطیع۔

آنگ (ہندی): حروف [ضمیمہ ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۵۸۸]۔

باریاب (فارسی۔صفت): حاضر ہونے کی اجازت پانے والا۔

بازیچہ خان (فارسی۔مذکر): ''بازیچہ خانہ'' کا مخفف۔ کھیل تماشے والا کمرہ۔ یہاں مراد ہے شطرنج کھیلنے کا کمرہ۔

بال بِدھوا (ہندی۔صفت): ''بال وِدھوا'' بھی کہتے ہیں۔ نوعمر ہندو بیوہ، چھوٹی عمر کی ہندو بیوہ [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۳۵۴]۔

بالیں (فارسی۔مونث): تکیہ، سرھانا۔

باہری (عربی۔صفت): ''باہر'' + یاے نسبتی۔ اعلا، افضل۔ روشن، عیاں۔

بدرکاب (فارسی عربی ترکیب۔صفت): اَڑیل گھوڑا۔ وہ گھوڑا جو سوار نہ ہونے دے، سواری کے لیے خراب گھوڑا۔

بُرتانت (ہندی۔مذکر): اصل ''وِرتانت''۔ حال، کیفیت، احوال [ہندی اُردو لغت، صفحہ ۱۷۶]۔

برنچ اسکول (انگریزی): Branch School۔ مدرسے / اسکول کی شاخ [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۳۸۷]

بسم اللہ کرانا (اُردو محاورہ): ساڑھے چار سال کے بچّے / بچّی کی تعلیم کے آغاز کی رسم جو مسلمانوں میں جاری ہے۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کیجیے: فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۳۹۴۔

بکرماجیت (ہندی۔اسمِ ذات): ا۔ اُجین کا راجا جو راجا سال باہن سے جنگ کرتے ہوئے مارا

گیا۔ اُس کے دربار کے نورتن مشہور ہیں، جن میں کالی داس بھی شامل ہے۔ ۲۔ اس بادشاہ کے نام پر شروع کیا گیا سمبت کا کیلنڈر جو ۵۷ قبلِ مسیح سے شروع ہوا اور جو ہندؤں میں جاری ہے [جامع اللّغات: اوّل، صفحہ ۴۸۰]۔

بکرمی (ہندی۔ اسمِ سال) : منسوب بہ سمبت اُست۔

بندگانِ عالی متعالی (فارسی، عربی۔ ترکیب): حضورِ بلند مرتبت، اعلا مرتبے والے۔ یہاں مراد ہے انگریز حاکمان سے یا اعلا انگریز عہدے داروں سے۔

بہرور (فارسی۔ مذکر): ''بہرہ ور'' کی تصغیر۔ فائدہ اُٹھانے والا/ والی۔

بیان (عربی۔ مذکر۔ اَدَبی اصطلاح) : وہ علمِ اَدب جس میں صنعتوں (تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مُرسل، وغیرہ) کے ذریعے ایک مطلب کو ایک سے زیادہ طریقوں سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

بیّنات (عربی۔ صفت): تاریخ گوئی کی ایک اصطلاح۔ اس میں لفظ کے تلفظ کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور لفظ کے سرِ حرف کو چھوڑ کر باقی حروف کے اعداد لیے جاتے ہیں [تذکرۃ النّساے نادری، صفحہ ۱۲۵؛ غیاث اللّغات، صفحہ ۸۸؛ جامع اللّغات: اوّل، صفحہ ۶۰۹؛ علمی اُردو لُغت، ص ۳۰۷]۔

بے بہرہ (فارسی۔ صفت): ناواقف محض، فائدہ نہ اُٹھانے والا، محروم۔

بھجن (سنسکرِت۔ مذکر): حمدیہ گیت۔ دیوتاؤں کی تعریف کے گیت۔ ہندؤں کی دُعائیہ عبادتیں۔

بھل گوجری (ہندی۔ مذکر۔ اِصطلاح، ترکیب): ایک راگ کا نام۔

پان سو (فارسی۔ اِسم عدد): ''پان'' مخففِ پانچ ہے، لہٰذا ''پانسو/پان سو'' بہ معنی پانچ سو ہے۔

پدوی (ہندی۔ مذکر): راستہ، مرتبہ، خطاب [ہندی اُردو لغت، صفحہ ۲۱۵]۔

پرَم دھام (ہندی۔ موَنث): مقامِ اعلا، یعنی بہشت [ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۲۳۷]۔

پستئی (فارسی۔ صفت): پستے کے رنگ کا، ہلکا سبزی مائل۔

پلندہ (اُردو۔ مذکر): کاغذوں کا گٹھا۔ بنڈل اور پیکٹ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۵۳۰]۔ یہاں اِنھی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

پیٹ پوچھن (اُردو۔ مذکّر۔ اصطلاح۔ محاورۂ زنانِ ہندو): اصل: ''پیٹ پونچھن''۔ اخیر کا بچہ، وہ جس کے بعد اَور بچہ پیدا نہ ہو۔

پیشۂ عام (اُردو۔ مذکّر): کُھلے عام طوائف کا دھندا [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۵۶۵]۔

تبرا پڑھنا (اُردو محاورہ): لعن طعن کرنا، بیزاری کا اظہار کرنا، بُرا بھلا سُنانا۔

تُتُقِ عِفّت (فارسی + عربی ترکیب۔ موٴنث): ''تُتُق'' (فارسی) بہ معنی بڑی چادر [فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۱۳۹] اور عِفّت (عربی) بہ معنی پاک دامنی، پارسائی؛ یعنی سراپردۂ پاک دامنی۔

تجھا دُوج (ہندی مرکّب۔ موٴنث): ''تجھا'' بہ معنا قمری مہینے کی تاریخ + ''دُوج'' بہ معنا دوسری تاریخ — یعنی قمری مہینے کی دوسری تاریخ۔

تخرجہ (عربی۔ مذکّر): تاریخ گوئی کی اصطلاح۔ مادۂ تاریخ سے اعداد منہا/ کم/ خارج کر کے درست تاریخ کا عدد برآمد کرنا۔

تریا چلتّر (ہندی۔ مذکّر): عورتوں کے مکروفریب۔

تسوید (عربی۔ موٴنث): سیاہ کرنا۔ مسودہ تیار کرنا۔ لکھنا، تحریر کرنا۔ نقشہ، خاکہ۔

تصدیعہ (عربی۔ مذکّر): دردسری، تکلیف دہی [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۶۰۹؛ فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۱۵۳]۔

تعمیہ (عربی۔ مذکّر): اندھا کرنا۔ معمّا کہنا۔ صنعتِ تاریخ گوئی کی ایک اصطلاح، مادۂ تاریخ میں کسی لفظ یا حرف کا اضافہ کر کے مطلوبہ تاریخ کے اعداد مکمل کرنا۔

تین کانے (اُردو۔ مذکّر۔ اصطلاح): پچیسی یا چوسر یا چوپڑ کے کھیل میں پانسہ پھینکنے میں تینوں دانوں میں ایک ایک آنا، گویا صفر کے برابر عدد ہونا۔ مجازاً نامرادی، ناکام یابی [فرہنگِ آصفیہ: اوّل، صفحہ ۶۵۵]۔

ٹُوم (اُردو۔ موٴنث): خوب صورت عورت۔ بازاری لڑکی، نوچی۔ چالاک، تیز طرار [فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۱۴]۔

جا (ہندی۔ اسمِ کیفیت): مناسب، واجب [ہندی اُردو لغت، صفحہ ۲۷۸]۔

جدار (فارسی۔موئنث): دیوار [غیاث اللّغات، صفحہ ۱۳۵]۔

جَس (ہندی۔مذکر): شہرت، نام وری۔ وقار۔ اعتبار۔ نیک نامی۔ نیکی۔ بھلائی۔ استعداد۔ وصف [فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۴۱]۔ یہاں یہ لفظ پہلے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

جوابِ ناصواب (اُردو عربی ترکیب۔مذکر): غیر مناسب/غیر معقول جواب، غلط جواب۔

جوتشی (ہندی۔موئنث): نجومی، ستارہ شناس۔

جوکھوں (ہندی۔موئنث): خطرہ، ڈر۔ نقصان، خسارہ۔ مصیبت۔

جیو (ہندی۔مذکر): جی، دل، روح۔

چار آخشیجی (فارسی مرکب): چار + ''آخشیج'' بمعنی مخالف، ضد، عنصر [غیاث اللّغات، ص ۷] — یعنی چار عناصرِ دنیا: آب، آتش، باد، خاک؛ مجازاً یہ دنیا، جو اِن عناصر سے بنی ہے۔

چامہ (غالباً فارسی): شعر، غزل [فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۲۰۰]، (موسیقی): گیت، غزل یا ترانہ [فرہنگِ تلفظ، صفحہ ۳۹۸]۔ خود نادر نے اپنے دوسرے تذکرے خزینتہ العلوم فی متعلّقات المنظوم (صفحہ ۶۱) میں اسے غزل کا ہم معنی لکھا ہے۔

چٹخا دینا (اُردو فعل): الگ کر دینا، ترک کر دینا۔ اُردو مصدر ''چٹخانا'' سے مشتق۔

چلبلاہٹ (اُردو۔موئنث): شوخی، چالاکی۔ نچلا نہ بیٹھنے کی حالت۔

چلبلی (اُردو۔موئنث۔صفت): ''چلبلا'' (شوخ، چالاک، نچلا نہ بیٹھنے والا) کی تانیث۔

چلبلے پَن (اُردو۔مذکر): ''چلبلا'' کا اسمِ کیفیت۔

چوٹ چلنا (اُردو۔محاورہ): آپس میں نوک جھونک ہونا، آپس میں طنز کرنا۔ مقابلہ ہونا، ایک دوسرے پر وار کرنا [اُردو لُغت: ہفتم، صفحہ ۶۶۴؛ فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۱۲۵]۔

چورنگ (اُردو۔مذکر): تلوار بازی کے لیے تختۂ مشق [فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۱۲۸]۔ کسی چیز کو آڑی ترچھی ضربِ شمشیر یوں لگانا کہ وہ چار ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے [اُردو لُغت: ہفتم، صفحہ ۶۳۶]۔

چھپر رکھنا (اُردو۔فعلِ متعدّی): بھاری احسان کرنا، بوجھ رکھنا [فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۱۳۸]۔

چھیپی بچّی (اُردو ترکیب۔ موٴنث): چھیپی، بہ معنی کپڑا چھاپنے کا پیشہ ور [فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۱۴۷] + بچّی (لڑکی) ـــــ یعنی کپڑا چھاپنے والے کی لڑکی۔

حبّذا (عربی۔ کلمۂ تحسین): بہت خوب، واہ وا [فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۲۱۱؛ فرہنگِ تلفّظ، صفحہ ۴۵۳]

حَرِیق (عربی۔ صفت): جلا ہوا، سوختہ۔

حساب (عربی۔ مذکّر): حکمت کے تین علوم میں سے ایک علمِ ریاضی کی شاخ، جس میں گنتی اور شمار کے طریقوں سے مسائل حل کرنے کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ وہ علم جس کے ذریعے دو یا دو سے زیادہ مجہول اعداد سے مخصوص و مقرّر طریقے کی مدد سے نتیجہ معلوم کیا جائے [مُصطلحاتِ علوم و فنونِ عربیہ، صفحہ ۱۳۰]۔

حقِ شُفعہ (عربی۔ فقہی اصطلاح): گھر سے ملی ہوئی ہم سایے کی غیر منقولہ جائداد خریدنے کا استحقاق، فائق حق [اُردو لغت: ہشتم، صفحہ ۲۰۴؛ علمی اُردو لغت، صفحہ ۶۵۲]۔

خانگی (فارسی۔ صفت۔ موٴنث): ایسی کسبی، فاحشہ جو چُھپ کر / گھر بیٹھے کسب کرے [فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۱۸۰]۔

خاوندی (فارسی۔ موٴنث): "خاوند" کی حالتِ مفعولی / اسمِ کیفیت، لیکن یہاں یہ "خاوند" ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

خُفتگانِ خاک (فارسی ترکیب): زمین میں چُھپ جانے والے، دنیا سے اُٹھ جانے والے، فوت شدگان۔

خوابِ نوشیں (فارسی۔ ترکیب۔ مذکّر): میٹھی نیند، گہری نیند [اُردو لُغت: ہشتم، صفحہ ۷۲۸]۔

داروغہ (ترکی۔ مذکّر): نگران۔ ملازموں یا سپاہیوں کا سردار۔ کوتوال، تھانے دار۔

دالِ مُعجمہ (عربی۔ ترکیب۔ موٴنث): مُعجم، بہ معنی نقطہ دار، منقوط۔ دال (د) کو "دالِ مہملہ" (یعنی بغیر نقطہ دال) اور ذال کو "دالِ مُعجمہ" (نقطہ دار دال) کہتے ہیں [علمی اُردو لُغت، صفحہ ۶۹۴، ۶۹۱]

دامِ تزویر (فارسی ترکیب۔ مذکّر): فریب کا جال۔

دریں ولا (فارسی۔ترکیب) : ان حالات میں، اس معاملے میں [اُردو لُغت :نہم، صفحہ ۱۸۵]۔
دُوبر (فارسی۔ترکیب) : ''دوبھر'' کا قدیم تلفظ۔سیّد احمد دہلوی نے ''دوبھر'' کے تحت اِس کا اِندراج کر کے سَنَد میں یکجم کا یہی شعر لکھا ہے (فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ ۲۷۸، ۲۷۹)۔
دیواَنگناں (ہندی۔صفت مونث) : جمع ''دیوانگنا'' یعنی اپسرائیں، پریاں، حسین و جمیل عورتیں [ضمیمہ ہندی اُردو لُغت ، صفحہ ۶۴۴] لیکن یہاں ان معنوں میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔یہاں اس کا مطلب نکلے گا دیوتاؤں کی محبوب یا نورِ نظر عورتیں، مقدّس عورتیں۔
دھیان (اُردو۔مذکّر) : خیال، تصوّر۔مراقبہ، توجّہ، فکر۔
ڈیرا (اُردو۔مذکّر) : رنڈیوں کا طائفہ [اُردو لُغت :دہم، صفحہ ۱۹۴، بحوالہ مہذّب اللغات]۔
ڈیرادار (اُردو۔مذکّر) : خاندانی طوائف جو اپنی رہائش پر ٹھاٹھ سے رہتی ہو، جہاں موسیقی و رقص کی تربیت بھی دی جاتی ہو، خوش حال کسبی، بازاری کی ضد [اُردو لُغت :دہم، صفحہ ۱۹۴؛ فرہنگ تلفّظ، صفحہ ۵۵۲]۔
رسالہ (عربی۔مذکّر) : چھوٹی کتاب، مختصر کتاب۔عام طور پر ساٹھ صفحات تک کی ضخامت ہو تو اُسے رسالہ اور اس سے زیادہ ضخامت ہو تو اُسے کتاب کہتے ہیں۔
رسالہ مختصرہ (عربی ترکیب۔مذکّر) مختصر کتاب، چھوٹی کتاب۔
رِشی (سنسکرت۔مذکّر) : خداپرست، عارف۔وید منتروں کا عالم [ضمیمہ ہندی اُردو لُغت ، صفحہ ۶۵۳]۔روشنی کی کرن، ''وہ آدمی جو علم میں فرشتوں سے بڑھ جائے اور جس سے فرشتے علم حاصل کریں۔رشی کے اوپر برہما کے سوا کوئی اور نہیں'' [سنسکرت اُردو لُغت، ص ۵۸]۔
رفتار (فارسی۔مونث) : چال۔یہاں مطلب ہے شطرنج کے مختلف مہروں کی وہ مختلف رفتار جس کے تحت ہر ادنا و اعلا مہرہ مقررہ خانے ہی چل سکتے ہیں۔
رَقّاصی (اُردو۔لاحقۂ کیفیت و فاعلی) : ناچ، رقص کا پیشہ۔رقص کا پیشہ اختیار کرنے والا [اُردو لُغت : دہم، صفحہ ۶۷۱، ۶۷۲]۔یہاں پہلے معنی اختیار کیے گئے ہیں۔
رَم جَنی (ہندی۔مونث) : اصل ''رام جنی'' کا مخفف۔لاوارث عورت جو عصمت فروشی کا پیشہ اختیار کر

لے، ہندوکسی، رنڈی، طوائف [اُردو لُغت :دہم، صفحہ۴۳۳؛ ہندی اُردو لُغت، ص۳۴۰]

ریاضی (عربی۔ موٴنث): حکمت کے تین بنیادی علوم میں سے ایک کا نام، عدد اور مساحت کا علم۔ ریاضی میں علومِ حساب، ہندسہ، جبر و مقابلہ، عدد، جرِ ثقیل، نجوم، موسیقی، وغیرہ شامل ہیں۔ [فرہنگِ آصفیہ :دوم، صفحہ۳۹۲؛ اُردو لُغت :دہم، صفحہ۹۶۱]

زُبُر (عربی۔ مذکر۔ اصطلاح): تاریخ گوئی کی اصطلاح۔ کسی لفظ کے ملفوظی حروف میں سے پہلا حرف اور اس کا عدد [تذکرۃ النّسایے نادری، صفحہ ۱۲۵؛ اُردو لُغت، یازدہم، صفحہ۴۸]۔ مثال کے طور پر لفظ ''خوش'' میں ''خ'' زُبُر ہے، جب کہ ''و، ش'' بیّنات ہیں۔

زنانہ (فارسی۔ مذکر) ہیجڑا، مخنث، مخنثہ مرد جو عورتوں کی سی حرکتیں کرے [فرہنگِ آصفیہ : دوم، صفحہ۴۱۳؛ اُردو لُغت: یازدہم، صفحہ۱۶۴]

ژاژخواہ (فارسی۔ اسمِ صفت): ''ژاژیدن'' مصدر سے اسمِ مشتق ''ژاژ'' (بہ معنی بے فائدہ، بے مطلب بات) سے بنایا گیا اسمِ صفت۔ بے معنی باتیں کرنے کی طبیعت رکھنے والا، بکواسی طبیعت کا۔

ژاژگو (فارسی۔ اسمِ صفت): بے مطلب اور بے فائدہ باتیں کرنے والا، بکواسی [غیاث اللّغات، صفحہ ۲۳۸؛ فرہنگِ آصفیہ: دوم، صفحہ۴۴۲]۔

ژاژگوئی (فارسی۔ اسمِ کیفیت۔ موٴنث): ''ژاژگو'' کا اسمِ کیفیت۔

سادھو (ہندی۔ مذکر): عارف، پارسا، عابد۔ جو آخرت کی بہبودی کے لیے شاستر کے احکام کی تعمیل کرتا ہو [ہندی اُردو لُغت، صفحہ۳۵۱]۔

ساہا (ہندی۔ مذکر): سہاگ، ہندوؤں میں شادی کے لیے وہ مخصوص دن جن میں بیاہ کا سنجوگ ہوتا ہے، شادیوں کا موسم، شادیوں کے مخصوص دن [فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ۲۰]۔

سجع (عربی۔ مذکر): ایک شعری صنعت جس کے تحت شعر میں کوئی نام یا اُس کا کوئی حصّہ یوں نظم کیا جائے کہ وہ نام عبارت میں بامعنا اور موزوں ہو اور شعر پڑھتے وقت وہ نام دھیان

میں آجائے۔

سراوقِ عصمت (عربی۔ ترکیب۔ مذکر): ''سرادق''، بہ معنی خیمے کا چاروں جانب کا پردہ، قنات [اُردو لُغت: یازدہم، صفحہ ۶۹۷؛ فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۳۳۱]؛ یعنی آبرو، عصمت کے خیمے میں پردہ دار۔

سَرقاتِ شعری (عربی و فارسی ترکیب۔ مذکر): ''سَرقہ'' بہ معنی چوری۔ دوسرے کے شعر، شعر کے حصے یا مضمون کو اپنے شعر میں داخل کر لینا [فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ ۷۰]۔

سُرمُن (ہندی۔ مذکر): ولی، رِشی، خدارسیدہ۔

سمبت (ہندی۔ مذکر): سال، سنہ۔ ہندی سال، راجا بکرماجیت کے دور سے شروع کیا جانے والا سال جو حساب میں سنِ عیسوی سے ۵۷ سال قبل شروع ہوا۔ یہ سال ''چیت'' کے مہینے سے شروع ہوتا ہے اور اس کا اختتام ''پھاگن'' کے مہینے پر ہوتا ہے [فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ ۹۵]۔

سنکیرن (سنسکرت۔ مذکر): ملا جلا؛ ایسا راگ یا راگنی جو دو یا زیادہ راگوں سے مرکب ہو [اُردو لُغت: دوازدہم، صفحہ ۵۴]۔

سنگتی (اُردو۔ مونث): ساتھی۔ گوئیے کا ساتھ دینے والا سازندہ۔

سُوریہ چِکِتسا (ہندی ترکیب): سُوریہ (سورج) + چِکِتسا (علاج)؛ یعنی علاجِ شمسی [ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۳۹۰، ۲۹۷]۔

سوساٹیاں (اُردو۔ مونث): سوسائٹیاں (Societies) کا پرانا تلفظ۔

سیاق/علمِ سیاق (عربی۔ مذکر): حساب/حساب کا علم۔ علم کی وہ شاخ جس میں اعداد سے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

سیاق و سباق (معرب ترکیب۔ صفت): ''سیاق'' کا مطلب پس منظر یا گذشتہ کا ہے، جب کہ سباق پیش منظر یا آئندہ کے معنا میں استعمال ہوتا ہے۔ آگے اور پیچھے کی مسلسل عبارت جس کے ساتھ جُملے یا عبارت کا مفہوم واضح ہو [اُردو لُغت: دوازدہم، صفحہ ۲۸۰]۔ یہاں بھی

مطلب لیا گیا ہے کہ فارسی زبان پر اِس قدر عبور حاصل تھا کہ سیاق وسباق کی مدد سے فارسی عبارت کا مفہوم سمجھ سکتی تھیں۔

سیت (ہندی۔مونث): سردی، پالا، جاڑے کا موسم۔

ششدر (فارسی۔صفت): اصل: شش دَر، یعنی چھ دروازوں والا مکان، جہاں سے رہائی مشکل ہو۔شطرنج کی بازی، اسی سے کنایۂ حیران، پریشان مراد لیا جاتا ہے۔

شیرانہ (اُردو۔صفت): شیر کی طرح، دلیری سے، بہادری سے [اُردو لُغت: دوازدہم، صفحہ ۱۰۸]

صَبِیّہ (عربی۔مونث): دودھ پیتی بچی، چھوکری۔

صنعتِ توشیح (عربی۔مونث): علمِ بیان کی ایک شعری صنعت، جس کے تحت مصرعے یا شعر کے پہلے پہلے حروف یا الفاظ کو جمع کرنے سے کوئی نام برآمد ہوتا ہو [البدیع، صفحہ ۲۹۸]

صنعتِ اطراد (عربی۔مونث): علم بیان کی ایک شعری صنعت، جس کے مطابق کسی کی مدح یا مذمت بیان کی جائے تو اُس کے آباواجداد کے نام بھی نظم کیے جائیں، خواہ مرتب، معکوس یا غیر مرتب۔[البدیع، صفحہ ۲۳۵]

ضعیف البنیان (عربی۔صفت): جس کی بنیاد کم زور ہو۔عموماً ''انسان'' کے ساتھ مرکب صورت میں استعمال ہوتا ہے۔

طریفہ (فارسی۔صفت): طریف، بہ معنیٰ ''غریب ونادر ونوزادہ'' [غیاث اللغات، صفحہ ۳۰۰] کی تانیث۔

طریقۂ انیقہ (ترکیب معرّب۔مذکر): اچھا طریقہ، عمدہ اُصول۔

طولِ فضول (معرّب ترکیب۔صفت۔مذکر): بےکار طوالت، بے فائدہ تفصیل۔(نئی ترکیب ہے)۔

ظہوری (معرّب۔صفت۔مذکر): کُھلا ہوا، واضح، عیاں۔''ظہور'' کا اسمِ کیفیت۔

عصمت کے نگاہ رکھنے کی خوبیاں (اُردو۔روزمرّہ): عصمت کی حفاظت کرنے کی خوبیاں۔

علمِ سیاق (معرّب اصطلاح۔مذکر): حساب کا علم، وہ علم جس میں اعداد سے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

علمِ عروض (معرّب اصطلاح۔مذکر): مقرّرہ ارکان اور بحروں کی مدد سے اشعار کا وزن معلوم کرنے کا علم۔

علمِ قوافی (معرّب اصطلاح۔ مذکر): اشعار میں قافیہ بندی اور قافیوں کے درست و نادرست ہونے سے بحث کرنے کا علم۔

عیشِ مباح (معرب ترکیب۔ مذکر): جائز عیش، عیش و عشرت کی خواہش شریعت کے موافق پوری کرنا۔ یہاں مطلب ہے نکاح کرکے عیش و عشرت کو جائز بنالیا ہے۔ یہ بھی تازہ ترکیب ہے۔

غدری ہولی (اُردو ہندی ترکیب۔ موٴنث): غدری یعنی جنگ ۱۸۵۷ء موسوم بہ غدر کی حالتِ مفعولی، اور ہولی، بہ معنی غالباً ہولی کے تیوہار کے دنوں میں گائی جانے والی راگنی [ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۵۴۸]، یعنی ایسا گیت جو ہولی (راگنی) پر گایا جائے اور جس میں غدر (معرکہ ۱۸۵۷ء) کا بیان ہو۔ نئی ترکیب ہے۔

فُروع (عربی۔ مذکر): ''فَرع'' کی جمع: شاخیں؛ عورتوں کی چوٹیاں [فرہنگِ عامرہ، صفحہ ۴۵۲، ۴۵۵]

قلمِ ذولسان (عربی ترکیب۔ مذکر): قلم + ذولسان، بہ معنا زبان پر عبور رکھنے والا — یعنی شستہ زبان لکھنے والا قلم، فصیح البیان قلم۔

کالجیٹی [دہلی کالجیٹی] (اُردو۔ موٴنث): کالجیٹ (Collegiate: بطورِ کالج قائم [اوکسفرڈ انگلش اُردو ڈکشنری، صفحہ ۲۷۹) کی حالتِ مفعولی۔ پرانا تلفظ، فی زمانہ مستعمل نہیں۔

کاپی (اُردو۔ موٴنث): کاپی (copy) کا پرانا اُردو تلفظ۔

کانڈ (ہندی۔ مذکر): کتاب کا حصہ، فصل، باب [ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۴۱۲]۔

کبتائی (ہندی۔ موٴنث): شاعری۔ ''کبت'' بہ معنی شعر، نظم سے اسمِ کیفیت [فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ ۴۵۹؛ اردو لغت: چہاردہم، صفحہ ۶۲۹]۔

کبرائنوں (ہندی۔ موٴنث): ''کبرائن'' کی جمع، مصنف کے مطابق اس کے معنے شاعرات کے ہیں [ملحقۂ مرأتِ خیالی، صفحہ ۲۵، سطر ۳]

کسبی (اُردو۔ موٴنث): فاحشہ، پیشہ کرانے والی، قحبہ [فرہنگِ آصفیہ: سوم، صفحہ ۵۱۳]۔ ''کسب''، بہ معنی کام سے مشتق۔

کلائی نہ کر (اُردو۔ محاورہ): کلائی کرنا (محاورہ) بہ معنا اپنی کلائی حریف کے پنجے سے آزاد کرا کے اُس

کی کلائی کو اپنے پنجے میں لینے کی کوشش کرنا، سے مُشتق ۔ یعنی ایسی کوشش نہ کر! مقابلے سے باز رہ!

کمانِ زبان کو زِہ کرنا (اُردو محاورہ): ''کمان زہ ہونا'' اُردو محاورہ ہے، بہ معنی کمان چلانے کی تیاری کرنا، کمان پر چلّہ چڑھنا/چڑھانا [اُردو لُغت : پانزدہم، صفحہ ۱۵۶]۔ گویا ''کمانِ زبان کو زِہ کرنا'' کا مطلب ہوا کہ زبان کو نشترِ طنز و تحقیر چلانے کے لیے تیار کرنا۔

کھترانی باھمنی (ہندی۔ مونث): دیکھیے ''باھمنی/باھمنیاں'' اور ''کھترانی''۔

کھکھیڑ (اُردو۔ مونث): محنت، مشقت، تکلیف، زحمت۔

گائنوں (ہندی۔ صفت): گائن (گانے والی) کی جمع۔ گویّوں (گانے والوں) کی تانیث۔

گٹکا (ہندی۔ مذکر): دوا کی گولی، بڑی گولی [فرہنگِ آصفیہ : چہارم، صفحہ ۱۵]۔

گرمیاں کرنا (اُردو محاورہ): شوخیاں کرنا، مذاق کرنا، محبت ظاہر کرنا، گرم جوشی دکھانا۔

گندھربنیاں (ہندی۔ مونث): گندھرب، بہ معنی اچھا گانے والا کی تانیث کی جمع [گندھرب+نیاں]۔

گُپت (ہندی۔ مذکر): پوشیدہ، مخفی [ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۴۵۰]۔

گھڑت (اُردو۔ مونث): بنائی ہوئی بات، جھوٹی بات۔

گھنگھرو بند (اُردو۔ مذکر): ناچنے گانے والیوں کے عزیز، جاننے والے۔

لاحقۂ اِسمی (عربی ترکیب۔ مذکر): لاحقہ، بہ معنا کسی لفظ کے آخر میں بامعنا لفظ کا اضافہ کرنا + اِسمی، بہ معنا نام کا۔ یہاں مراد ہے معنا آور تخلّص۔

لگائی (اُردو۔ مونث): بیوی، عورت، آشنا عورت۔

لَہنا (ہندی۔ مذکر): نفع، فائدہ۔

ماباپ (اُردو): ''ماں باپ'' کا مخفف۔

مُبادَرَت (عربی، اسمِ کیفیت۔ مونث): جلدی، تیزی، جرأت و دلیری [علمی اُردو لُغت، صفحہ ۱۳۳۵]

مَتاع (عربی۔ مذکر و مونث): اثاثہ، مال ـــ مَتاع۔

مُتاع (عربی۔مذکر): شیعہ مذہب میں شرعی میعادی نکاح۔اصل "مُتعہ"۔

مُتعالی (عربی۔صفت): مُتعال، بہ معنا ارفع، بلند، عالی کا اسمِ کیفیت۔

مُحرور (عربی۔صفت): گرم، حرارت دیا گیا[فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۳۰۶]

محنتِ شاقہ (عربی۔مونث): محنتِ شاقّہ، بہ معنا سخت محنت، جاں فشانی کا غیر مستعمل املا۔

مُسکرات (عربی۔مونث): "مُسکِر" کی جمع، نشّی اشیا، نشہ آور اشیا[علمی اُردو لُغت، صفحہ ۱۳۸۷]۔

مشہورہ (معرب۔صفت): شہرت یافتہ، نام ور۔"مشہور" کے ساتھ لاحقہ "ہ" لگا کر بنایا گیا ہے۔

[اُردو لُغت: ہژدہم، صفحہ ۱۴۸]۔

مُصحف (عربی۔مذکر): صحیفوں کا مجموعہ، مراد ہے قرآنِ مجید۔

معانی (عربی اصطلاح۔مونث): وہ علم جس میں لفظ کے معنی / معنوں کا تجزیہ و مطالعہ کر کے اُن کا تعلّق مقتضائے حال یا اصل صورت سے جوڑا جاتا ہے۔علمِ بیان و بدیع اِسی کی شاخیں ہیں۔اسی علم سے کلام میں بلاغت پیدا کی جاتی ہے[فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۳۷۰]۔

مغل پٹھانی (اُردو۔مذکر): ایک کھیل کا نام جو خانے کھینچ کر سولہ کنکریوں کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔

[فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۳۷۷]

مقامات (عربی۔مذکر): "مقام" کی جمع، جگہیں۔اوقات، مواقع۔

مُقدّمے (عربی۔مذکر): جمع "مُقدّمہ۔ دعوا، استغاثہ۔(مجازاً) واردات، حادثہ، وقوعہ۔موقع، معاملہ۔مسئلہ، بات[فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۳۸۴]

مکرائی (اُردو۔مونث): نافرمانی، سرکشی، بغاوت۔

مل گوجری (ہندی۔مذکر۔اصطلاح و ترکیب): ایک راگ کا نام۔

منّان (عربی۔مذکر): نیکی کرنے والا، احسان کرنے والا۔خدا تعالیٰ کا صفاتی نام۔

منہ آتے ہیں (اُردو محاورہ): اصل محاورہ ہے "منہ آنا" بہ معنی طعنہ مارنا، طنز کرنا۔[فرہنگِ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۴۳۳]۔

مہنتی (سنسکرت۔مونث): مَہنت، بہ معنا جوگی، فقیروں کا سردار، بڑا سادھو کی تانیث۔

نادرۂ ایام (عربی ترکیب۔صفت): اپنے دور کی منفرد، اپنے زمانے کی انوکھی/ کا انوکھا۔

ناصیہ (عربی۔مذکر): پیشانی، جبین، ماتھا۔

ناکدخدا (فارسی۔صفت): بن بیاہا/ بیاہی، کنوارا/ کنواری۔

نروپن (ہندی۔مذکر): سوچ بچار، کسی اُمر سے متعلق غور و تامل کے بعد رائے قائم کرنا [ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۴۹۷]۔

نظری (عربی۔صفت۔مونث): نامنظور چیز۔نظروں سے گرا ہوا/ گری ہوئی چیز۔رسالے/ لشکر کا نکالا ہوا (گھوڑا)۔بے کار، نکما، ناقص۔جو آنکھوں سے نظر آئے۔قیاسی، فرضی، خیالی [جامع اللغات: دوم، صفحہ ۱۹۶۵]۔

نعتی غزل (عربی۔مونث): نعتیہ غزل، نعت جو غزل کی صنف میں لکھی جائے۔

نورِ پُر زور (عربی فارسی ترکیب۔مذکر): ''نُور'' (عربی۔مذکر)، بہ معنا روپ، نظارہ اور ''زور'' (فارسی۔مذکر) بہ معنا غضب کا، قیامت کا۔انوکھا، نرالا۔زیادہ، بہت سے مرکب —— یعنی قیامت اور غضب ڈھانے والا جلوہ۔

نُوچیاں (مفرس۔مونث): ''نُوچی'' کی جمع۔بازاری عورتوں کی لونڈیاں یا بیٹیاں، جن سے وہ پیشہ کرا کے کمائی کھاتی ہیں۔کنواری بازاری لڑکیاں۔کٹنیوں (دھندا کرنے والیوں) کی لڑکیاں۔ایسی پیشہ ور لڑکیوں کو ''نوچی'' اور اُن کی مالکہ کو ''نائکہ'' کہتے ہیں جو اُن کی کمائی کھاتی ہے [فرہنگ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۶۱۳؛ اُردو لُغت: بیستم، صفحہ ۵۵۴]

نیم روز (فارسی ترکیب۔صفت): دوپہر، آدھا دن۔ایک جگہ کا نام۔

وادِن (دیسی لفظ۔مرکب): وا، بہ معنا وہ اور دن سے مرکب، یعنی وہ دن۔

ہم غلط (مفرس ترکیب): ''ہم'' بہ معنی آپس میں، نیز بھی [فرہنگ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۷۲۶] کے ساتھ ترکیب بنا کر ''دونوں غلط'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

ہوا بتانا (اُردو محاورہ): ٹال دینا، بہانے سے چلتا کر دینا [فرہنگ آصفیہ: چہارم، صفحہ ۷۳۲]۔

ہوالقادر (عربی۔صفت۔مذکر): وہ قدرت رکھنے والا، وہ غالب، مراد خدا تعالیٰ۔

ہیچ کارہ گو (فارسی۔ مذکر۔ ترکیب): ناکارہ و نالائق کی بات کرنے والا۔ انکساری کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

یاگ ؤلگ رِشی (ہندی۔ صفت): یاگ، بہ معنا پوجا+ ؤلگ، بہ معنا چمک، جھلک+ رِشی یا رُشی، بہ معنا عارف، خدا پرست، عابد [ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۳۲۶، ۵۵۰، ۳۴۴؛ ضمیمہ ہندی اُردو لُغت، صفحہ ۶۵۳]، یعنی ایسا خدا رسیدہ جس کے بُشرے سے پُوجا پاٹھ کرنا ظاہر ہوتا تھا۔ واللہ اعلم۔

کتابیات

maablib.org

۱۔ افتخار عالم آزاد، سید: حورِ مقصورات یا اسلام میں تعلیم یافتہ مستورات [۱۹۰۷ء]؛
علی گڑھ، مطبع العلوم، باہتمام سید علی احسن احسن مارہروی؛ سنہ ندارد (۱۹۱۰ء کے قریب)۔

۲۔ امجد علی اشہری، سید: لغات الخواتین [۱۹۰۷ء]؛ لاہور، دار التذکیر؛ (اشاعتِ دوم)، طبع اوّل، ۲۰۰۳ء۔

۳۔ انبی پرشاد، منشی: (۱) قصۂ طوطا و مینا [۱۸۸۰ء سے قبل]؛
دہلی، مطبع فوق کاشی، باہتمام منشی انبی پرشاد؛ س ن (۱۸۸۰ء کے قریب)۔
(۲) قصۂ گوپی چند [منظوم۔ ۱۸۵۸ء یا قبل]؛ ایضاً؛ س ن (۱۸۸۰ء کے قریب)۔

۴۔ انصار اللہ، ڈاکٹر محمد: (۱) (مقدمہ و انتخاب و ترتیب): اِنتخابِ رشک [۱۹۸۳ء یا قبل] (از علی اوسط رشک لکھنوی)؛ لکھنؤ، اُتر پردیش اُردو اکادمی؛ اشاعتِ اوّل، ۱۹۸۳ء۔
(۲) سنسکرت اُردو لُغت [۱۹۹۲ء]؛ اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان؛ دوسری اشاعت، ۲۰۰۹ء۔

۵۔ آسی اَلدنی، مولوی عبد الباری: تذکرۃ الخواتین [۱۹۲۷ء]؛
لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور؛ واحد اشاعت، سنہ ندارد (غالباً ۱۹۲۷ء)۔

۶۔ باشم، اے ایل: ہندوستان کا شان دار ماضی [۱۹۵۳ء]؛ مترجم: ایس غلام سمنانی [قبل ۱۹۸۲ء]؛
نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان؛ دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۸ء۔

۷۔ باطن اکبر آبادی، حکیم قطب الدین: گلستانِ بے خزاں [۱۲۶۵ھ/۱۸۵۰ء]؛
لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور؛ اشاعتِ اوّل، جون ۱۸۷۵ء جمادی الاوّل ۱۲۹۲ھ۔

۸۔ بشاش، منشی دیبی پرشاد: تذکرہ آثار الشعراے ہنود [۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء]؛
دہلی، مطبع رضوی؛ واحد اشاعت، ستمبر ۱۸۸۵ء۔

۹۔ حسین دوست سنبھلی، میر: تذکرۂ حسینی [۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء]؛
لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور؛ اشاعتِ اوّل، جون ۱۸۷۳ء (مملوکہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی)۔

۱۰۔ پلیٹس: اُردو، کلاسیکی ہندی اور انگریزی ڈکشنری [مئی ۱۸۸۴ء]؛
لکھنؤ، اُتر پردیش اُردو اکادمی؛ اکادمی سے پہلی بار، ۱۹۸۴ء۔

۱۱۔ درگا پرشاد نادرؔ دہلوی: (۱) تذکرۃ النساء [۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳م]؛
دہلی، اکمل المطابع؛ ناشر مصنف؛ واحد اشاعت، ۱۸۸۴ء۔
(۲) تذکرۃ النسائے نادری/ مرآتِ خیالی [۱۸۷۸م]؛ دہلی، مطبع فوق کاشی،
بہ اہتمام منشی انبی پرشاد؛ واحد اشاعت، ۱۸۷۸ء۔
(۳) خزینتہ العلوم فی متعلقات المنظوم [۱۸۷۹م]؛ ناشر: لاہور، منشی گلاب سنگھ؛
مطبوعہ مطبع مفید عام، لاہور؛ واحد اشاعت، مارچ ۱۸۷۹ء۔
(۴) رسالۂ قوافی [۱۸۸۳م]؛ دہلی، مطبع قدوسی، بہ اہتمام لالہ گیان چند؛ واحد اشاعت، ۱۸۹۰ء۔
(۵) گلشنِ ناز [۱۸۷۶م]؛ دہلی، مطبع فوق کاشی، بہ اہتمام منشی انبی پرشاد؛ واحد اشاعت، ۱۸۷۶ء۔
(۶) مُلحقۂ مرآتِ خیالی [۱۹۰۲م]؛ دہلی، مطبع سری رام پرکاش،
بہ اہتمام ڈاکٹر رام کشن؛ واحد اشاعت، ۱۹۰۲ء۔

۱۲۔ دردؔ، خواجہ میر: دیوانِ دردؔ [۱۱۹۹ھ/۱۷۸۵م]؛ مرتب: ڈاکٹر نسیم احمد؛
نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان؛ پہلی اشاعت، جولائی/ ستمبر ۲۰۰۳ء۔

۱۳۔ راجیسوررائو اصغرؔ، راجا: ہندی اُردو لُغت [۱۹۳۸م]؛ (مع ضمیمہ از سیّد قدرت نقوی)
کراچی، انجمن ترقی اُردو پاکستان؛ اشاعتِ اوّل (عکسی)، ۱۹۹۷ء۔

۱۴۔ رشکؔ، علی اوسط: نظمِ مبارک (دیوانِ اوّل) [۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷م]؛ مرتب: ڈاکٹر محمد انصار اللہ؛
مسوّدہ برائے طباعت، مخزونہ مجلسِ ترقّیِ اَدب، لاہور۔

۱۵۔ رشید حسن خاں: اُردو اِملا [۱۹۷۴م]؛ لاہور، مجلسِ ترقّیِ اَدب؛ اشاعتِ اوّل (پاکستانی عکسی)، مئی ۲۰۰۷ء۔

۱۶۔ رفاقت علی شاہد: اُنیسویں صدی میں اُردو گلدستے، تاریخ و تحقیق [۲۰۰۵م]؛
سندی مقالہ برائے پی ایچ ڈی؛ لاہور، جامعہ پنجاب؛ میقات ۱۹۹۸ء تا ۲۰۰۳ء۔

۱۷۔ رنجؔ میرٹھی، حکیم فصیح الدین: بہارستانِ ناز [۱۲۸۱ھ تا ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۶۴ تا ۱۸۸۳م]؛
مرتب خلیل الرحمان داؤدی؛ لاہور، مجلسِ ترقّیِ اَدب؛ اشاعتِ اوّل، مارچ ۱۹۶۵ء۔

۱۸۔ سید احمد دہلوی (مؤلف): فرہنگ آصفیہ؛ لاہور، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ؛ (پاکستان میں پہلی مرتبہ، عکسی اشاعت):
(۱) جلد اوّل [۱۹۱۷ء]؛ طبع چہارم، سنہ ندارد۔ (۲) جلد دوم [۱۹۰۸ء]؛ طبع چہارم، سنہ ندارد۔
(۳) جلد سوم [۱۸۹۸ء]؛ طبع سوم، سنہ ندارد۔ (۴) جلد چہارم [۱۹۰۱ء]؛ طبع سوم، سنہ ندارد۔

۱۹۔ سیدہ جعفر، ڈاکٹر (مرتب و مقدمہ نگار): کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ [مقدمہ ۱۹۸۴ء]؛
نئی دہلی، ترقی اُردو بیورو؛ پہلا اڈیشن، جنوری تا مارچ ۱۹۸۵ء۔ (مقدمہ)۔

۲۰۔ شان الحق حقی: (۱) (مترجم و مرتب) اوکسفرڈ انگلش اُردو ڈکشنری [۲۰۰۳ء]؛
کراچی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس؛ طباعتِ ششم، ۲۰۰۷ء۔
(۲) فرہنگ تلفظ [۱۹۹۵ء]؛ اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان؛ طبع سوم، ۲۰۰۸ء۔

۲۱۔ شفقت رضوی (مقدمہ و ترتیب): دیوان مہ لقا بائی چندا [۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء]؛ [''پیش لفظ'' ۱۹۹۰ء]؛
لاہور، مجلسِ ترقی اُدب؛ اشاعتِ اوّل، اپریل ۱۹۹۰ء۔ (''پیش لفظ''، صفحہ ۱ تا ۵۵)۔

۲۲۔ صفا بدایونی، مولوی عبدالحیٔ: تذکرۂ شمیم سخن [۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء]؛
لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور؛ اشاعتِ دوم، ۱۸۹۱ء۔

۲۳۔ ضیاء الدین لاہوری: جوہرِ تقویم [۱۹۹۳ء]؛ لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ؛ طبع اوّل، ۱۹۹۳ء۔

۲۴۔ ظفر الرحمٰن دہلوی، مولوی: فرہنگ اصطلاحاتِ پیشہ وراں، جلد ہشتم [۱۹۴۳ء]؛
دہلی، انجمنِ ترقی اُردو (ہند)؛ واحد اشاعت، ۱۹۴۳ء۔

۲۵۔ ظہور الحسن، سید: تاریخ دربارِ دہلی [۱۹۱۲ء]؛ دہلی، ہلالی پریس؛ اشاعتِ اوّل، ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء۔

۲۶۔ عابد علی عابدؔ: البدیع [قبل ۱۹۷۱ء]؛ لاہور، مجلسِ ترقی اُدب؛ اشاعتِ اوّل، مارچ ۱۹۸۵ء۔

۲۷۔ عبدالحفیظ بلیاوی، مولانا (مؤلف): مصباح اللغات [۱۹۵۰ء]؛ اکوڑہ خٹک، فاروقی کتب خانہ؛ سنہ ندارد۔

۲۸۔ عبدالحق، ڈاکٹر مولوی: مرحوم دہلی کالج [۱۹۳۳ء یا قبل]؛ دہلی، انجمنِ ترقی اُردو (ہند)؛ بار دوم، ۱۹۴۵ء۔

۲۹۔ عبداللہ خاں خویشگی: فرہنگ عامرہ [۱۹۳۷ء]؛ اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان؛
طبع اوّل (عکسی)، جون ۱۹۸۹ء۔

۳۰۔ عبدالمجید دہلوی (مؤلف): جامع اللّغات [۱۹۳۳ء]؛

(ا) جلد اوّل؛ لاہور، جامع اللّغات کمپنی؛ اشاعتِ اوّل، ۱۹۳۵ء۔

(۲) جلد دوم؛ لاہور، اُردو سائنس بورڈ؛ (دوسری اشاعت)، طبع سوم، ۲۰۱۰ء۔

۳۱۔ غالبؔ دہلوی، مرزا اسداللہ خاں: دیوانِ غالبؔ (نسخۂ عرشی) [۱۸۶۹ء]؛

مرتب: امتیاز علی خاں عرشیؔ رام پوری؛ نئی دہلی، انجمنِ ترقّیِ اُردو (ہند)؛ اشاعتِ دوم، ۱۹۸۲ء۔

۳۲۔ غیاث الدّین رام پوری، مولوی: غیاث اللّغات [۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء]؛

کان پور، مطبع منشی نول کشور؛ بارِ ہشتم، ستمبر ۱۸۹۰ء۔

۳۳۔ فاربس: ڈکشنری: ہندستانی/ انگریزی اورانگریزی / ہندستانی [جنوری ۱۸۵۷ء]؛

لکھنؤ، اُتر پردیش اُردو اکادمی؛ پہلا اکادمی ایڈیشن، ۱۹۸۷ء۔

۳۴۔ فخری بھوپالی: ''روپ متی، باز بہادر'' (مضمون) [۱۹۸۲ء]؛ مجلّہ نیا دور، کراچی؛ شمارہ ۷۵و۷۶، بابت اپریل و جولائی ۱۹۸۲ء (خاص نمبر)؛ صفحات ۱۹۲تا۱۹۸۔

۳۵۔ قدرت نقوی، سیّد: ضمیمہ [۱۹۹۶ء یا قبل] در ہندی اُردو لغت: از راجا راجیسور راؤ اصغر (رک بہ آں)۔

۳۶۔ کالی داس گپتا رضا: غالبیات (کچھ مطالعے اور مشاہدے) [۱۹۹۷ء]؛

ممبئی، ساکار پبلشرز؛ اشاعتِ اوّل، ۱۹۹۸ء۔

۳۷۔ کریم الدین، مولوی: طبقاتِ شعراے ہند [۱۸۴۷ء]؛

لکھنؤ، اُتر پردیش اُردو اکادمی؛ پہلی اکادمی اشاعت (طبعِ اوّل کی عکسی اشاعت)، ۱۹۸۷ء۔

۳۸۔ گیان چند، ڈاکٹر: (ا) اُردو مثنوی شمالی ہند میں، جلد اوّل [۱۹۷۶ء]؛

نئی دہلی، انجمنِ ترقّیِ اُردو (ہند)؛ اشاعتِ دوم، ۱۹۸۷ء۔

(۲) اُردو کی نثری داستانیں [۱۹۷۸ء]؛ اشاعتِ چہارم:

لکھنؤ، اُتر پردیش اُردو اکادمی؛ (اشاعتِ سوم) پہلا اکادمی ایڈیشن، ۱۹۸۷ء۔

۳۹۔ مارتھا روٹ: قرۃ العین طاہرہ [۱۹۳۸ء]؛ مترجم: عباس علی بٹ [ترجمہ ۱۹۴۷ء یا قبل]؛

ترتیب و اضافے: صابر آفاقی [۱۹۸۵ء]؛ کراچی، بہائی پبلشنگ ٹرسٹ؛ اشاعتِ سوم، ۱۹۸۶ء۔

۴۰۔ محمود بیگ راحت: نتائج المعانی [۱۸۶۴ء تا ۱۸۷۴ء]؛
مرتب: گوہر نوشاہی؛ لاہور، مجلسِ ترقّیِ اَدب؛ اشاعتِ اوّل، جنوری ۱۹۶۷ء۔

۴۱۔ محسن لکھنوی، سیّد محسن علی: تذکرۂ سراپا سخن [۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء]؛
لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور؛ بار سوم، اپریل ۱۸۹۸ء/ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ۔

۴۲۔ محی الدین غازی اجمیری: مصطلحاتِ علوم و فنونِ عربیہ [۱۹۷۴ء یا قبل]؛
کراچی، انجمنِ ترقّیِ اُردو پاکستان؛ واحد اشاعت، ۷۸۔۱۹۷۶ء۔

۴۳۔ مختار الدین احمد: "نتیجۂ سخن، بنگال کا ایک قدیم گلدستہ" (مضمون) [۱۹۵۱ء یا قبل]؛
ماہ نامہ جدید اُردو، کلکتہ؛ سال نامہ ۱۹۵۱ء؛ صفحہ ۵۲ تا ۵۶۔

۴۴۔ مدہوش، منشی انبی پرشاد: (۱) قصۂ طوطا و مینا [۱۸۸۰ء یا قبل]؛ دہلی، مطبع فوق کاشی؛ سنہ ندارد (۱۸۸۰ء کے قریب)۔
(۲) قصۂ گوپی چند [منظوم۔۱۸۵۸ء یا قبل]؛ دہلی، مطبع فوق کاشی؛ سنہ ندارد (۱۸۸۰ء کے قریب)۔

۴۵۔ مشفق خواجہ: "نگارستانِ ہشیر" (مضمون) [۱۹۷۰ء یا قبل]؛
سہ ماہی اُردو، کراچی؛ جلد ۴۷، شمارہ ۱، بابت جنوری ۱۹۷۱ء؛ صفحہ ۶۹ تا ۸۷۔

۴۶۔ نثار احمد فاروقی: مقدمہ [۱۹۶۵ء یا قبل] تذکرۂ طبقات الشعرا؛ لاہور، مجلسِ ترقّیِ اَدب؛ اشاعتِ اوّل ۱۹۶۸ء۔

۴۷۔ نذیر احمد (دہلوی)، مولوی حافظ: تاریخ دربارِ تاج پوشی [۱۹۰۳ء یا بعد]؛
لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور؛ سنہ ندارد (۱۹۰۳ء کے بعد مگر ۱۹۱۳ء سے قبل)۔

۴۸۔ نورالحسن نیر لکھنوی، سیّد: نوراللغات، جلد چہارم [۱۹۲۵]؛
اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن؛ طبع سوم، ۱۹۸۹ء۔

۴۹۔ وارث سرہندی: عِلمی اُردو لغت [۱۹۷۶ء]؛ لاہور، علمی کتاب خانہ؛ (اشاعت ندارد)، ۱۹۹۶ء۔

۵۰۔ وزیر، خواجہ محمد وزیر (مدیر و مرتب): ماہانہ گلدستۂ نتیجۂ سخن [۸۳۔۱۸۸۲ء]، کلکتہ؛
شمارہ جون، اکتوبر، دسمبر ۱۸۸۲ء؛ مارچ ۱۸۸۳ء۔

۵۱۔ ـــــــــ اُردو لغت (تاریخی اصول پر): کراچی، اُردو لغت بورڈ (ترقیِ اُردو بورڈ)

جلد ہفتم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)؛ اشاعتِ اوّل، ۱۹۸۵ء۔

جلد ہشتم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا: ڈاکٹر فرمان فتح پوری)؛ اشاعتِ اوّل، دسمبر ۱۹۸۷ء۔

جلد نہم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا ایضاً)؛ اشاعتِ اوّل، دسمبر ۱۹۸۸ء۔

جلد دہم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا ایضاً)؛ اشاعتِ اوّل، جنوری ۱۹۹۰ء۔

جلد یازدہم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا ایضاً)؛ اشاعتِ اوّل، مئی ۱۹۹۰ء۔

جلد دوازدہم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا ایضاً)؛ اشاعتِ اوّل، جنوری ۱۹۹۱ء۔

جلد چہاردہم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا ایضاً)؛ اشاعتِ اوّل، جنوری ۱۹۹۲ء۔

جلد پانزدہم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا ایضاً)؛ اشاعتِ اوّل، جون ۱۹۹۳ء۔

جلد شانزدہم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا ایضاً)؛ اشاعتِ اوّل، جون ۱۹۹۴ء۔

جلد ہفدہم [۱۹۸۵ء]: (قائم مقام مدیرِ اعلا: مرزا نسیم بیگ)؛ اشاعتِ اوّل، دسمبر ۲۰۰۰ء۔

جلد ہژدہم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا: ڈاکٹر یونس حسنی)؛ اشاعتِ اوّل، جون ۲۰۰۲ء۔

جلد نوزدہم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا: ڈاکٹر رؤف پاریکھ)؛ اشاعتِ اوّل، دسمبر ۲۰۰۳ء۔

جلد بستم [۱۹۸۵ء]: (مدیرِ اعلا: ایضاً)؛ اشاعتِ اوّل، جون ۲۰۰۵ء۔

کچھ مرتب کے بارے میں

رفاقت علی شاہد (پی ایچ ڈی اردو)

موجودہ مصروفیت: تحقیق کار: گرمانی مرکزِ زبان واَدب، لمز، ڈی ایچ اے، لاہور

سابقہ مصروفیات: (ا) مدیر کتب، مدیر صحیفہ، مجلس ترقی ادب، لاہور (ستمبر ۲۰۰۶ء تا جولائی ۲۰۰۹ء)

(ب) تحقیقی منصوبے : (ا) مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد: ''اُردو رسائل کی اشاریہ سازی'' (۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۹ء) اور ''میر تقی میر: چند تحقیقی مطالعے'' (۲۰۱۰ء)۔ (۲) اکادمی اُدبیات پاکستان، اسلام آباد: ''کتابیات اُردو مطبوعات ۲۰۰۵ء'' (۲۰۰۶ء)

(ج) اُستاد جامعات : (ا) مہمان اُستاد، جی سی یونیورسٹی، لاہور (ستمبر ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء)؛ (۲) اُستاد اور صدر شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور (ستمبر ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء)

مطبوعات

ا۔تحقیق شناسی (فنِ تحقیق وتدوین پر منتخب مقالات)، لاہور، ۲۰۰۳ء، ۲۰۱۰ء، ۲۰۱۳ء، ۲۰۱۶ء۔ ۲۔ن م راشد: حرف و معنی کی جست جو (منتخب مقالات)، لاہور، ۲۰۱۵ء۔ ۳۔صحیفہ: کتاب ۱۸۵۷ء (ترتیب و ادارت)، لاہور، ۲۰۰۹ء۔ ۴۔ ڈاکٹر تحسین فراقی (کتابیات)، لاہور، ۲۰۰۷ء۔ ۵۔ کتابیات پاکستانی اَدب ۲۰۰۵ء (اُردو مطبوعات)، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء۔ ۶۔ محاکمہ، دیوان غالبؔ، نسخۂ لاہور (مسروقہ) جلد اوّل، حصۂ اوّل [شریک مرتب پروفیسر جعفر بلوچ]، لاہور، ۲۰۰۱ء۔ ۷۔ طلسم ہوش رُبا (جلد پنجم، حصہ اوّل، ضمیمہ) از محمد حسین جاہ لکھنوی (تعارف و مقدمہ)، پٹنہ، ۲۰۰۰ء۔ ۸۔ اُردو مخطوطات کی فہرستیں (رسائل میں) جلد اوّل (ترتیب وحواشی)، لاہور، ۲۰۰۰ء۔

چند اہم دریافتیں

ا۔ طلسم ہوش رُبا (جلد پنجم، حصہ اوّل): از محمد حسین جاہؔ۔ ۲۔ قصۂ نورتنِ جہاں: اٹھارویں صدی عیسوی میں لکھا جانے والا نادر قصہ۔ ۳۔ داستان انوار الشمسین: داستان امیر حمزہ (نول کشوری) کا غیر مطبوعہ حصہ۔ ۴۔ کارنامۂ عشرت: شاگردِ غالبؔ قربان علی بیگ سالک کی غیر معروف طبّی کتاب۔

رابطہ: rafaqat.shahid@lums.edu.pk rifaqatalishahid@yahoo.com

تذکرۃ النّساے نادری

تذکرۃ النّساے نادری دراصل فارسی شاعرات کے تذکرے گلشنِ ناز، اُردو شاعرات کے تذکرے "چمن انداز" اور دیگر چند تحریروں کا مجموعہ ہے۔ "چمن انداز" اُردو شاعرات کا پہلا آزاد تذکرہ ہے۔ تذکرۃ النّساے نادری کے مصنّف دُرگا پرشاد نادر دہلوی ہیں جو دہلی کالج کے طالب علم اور بعد میں اسی درس گاہ کے اُستاد رہے۔ اُنھوں نے یہ تذکرہ ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۵ء کے درمیان مکمل کیا۔ یہ تذکرہ پہلے دو حصّوں میں ۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۸ء میں شائع ہوا۔ دوسری اور آخری بار یہ تذکرہ کثیر اضافوں کے بعد مکمل صورت میں ۱۸۸۴ء میں چھپا۔ مصنّف نے تذکرے پر نظرِ ثالث کے بعد مزید ترامیم پر مشتمل ایک مختصر ضمیمہ بھی ۱۹۰۳ء میں شائع کیا۔ تذکرے کی زیرِ نظر تدوین میں ۱۸۸۴ء کے نسخے اور ۱۹۰۳ء کے ضمیمے کو بُنیاد بنایا گیا ہے، جب کہ تذکرے کی بقیہ اشاعتوں اور معاصر تذکروں کو مقابلۂ متن کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس تذکرے کی تدوین و اشاعت گرمانی مرکزِ زبان و اَدب، لَمز، لاہور کے تحقیقی منصوبے کا حصّہ ہے۔

گرمانی مرکزِ زبان و اَدب، لَمز، لاہور

بہ اشتراک

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Rs. 1800.00

www.sangemeel.com

ISBN-10 969-35-2874-3

ISBN-13 978-969-35-2874-9